

قصیدہ شریف

حضرت شیخ امام محمد شرف الدین البوصیریؒ

مترجم

مولانا محمد افضل منیر

ضیاء القرآن پبلیشرز

لاہور۔ کراچی ۰ پاکستان

قصیدہ بردہ شریف

حضرت شیخ امام محمد شرف الدین ابو بصیر رحمۃ اللہ علیہ

فارسی ترجمہ

حضرت مولانا عبد الرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اُردو ترجمہ

مُحَمَّدُ فَايِضُ الدِّينِ نَطَايِ (دکن)

شرح فارسی

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ اُردو (شرح فارسی)

مولانا محمد افضل منیر

فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

ضیاء القسار پبلی کیشنز

لاہور کراچی پاکستان

جملہ حقوق محفوظ ہیں

قصیدہ بردہ شریف (الزبدہ)
امام محمد شرف الدین بوسیری رحمۃ اللہ علیہ
جولائی 2005ء

ایک ہزار

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

1242

نام کتاب

مصنف

اشاعت

تعداد

ناشر

کمپیوٹر کوڈ

قیمت

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7221953 فیکس: 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7247350-7225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411۔ فیکس: 021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

www.marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مترجم

الحمد للہ کہ اللہ پاک نے میری دیرینہ دلی تمنا کو پورا کیا اور اس مبارک قصیدہ کا منظوم ترجمہ مکمل ہوا۔ نہ میں شاعر ہوں نہ زبان عربی کا ماہر البتہ نعتوں سے والہانہ عقیدت اور رسول کریم ﷺ کے اس پسندیدہ قصیدہ کی محبت نے بہ طفیل غلام غلامان آل محمد ﷺ یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

عربی ادب کی حیثیت سے یہ قصیدہ فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہے۔ جس کا سمجھنا ہر کس و ناکس کے لئے قدرے دشوار ہے۔ اس لئے میں نے اکثر دوست احباب کی خواہش پر مولانا جامی علیہ الرحمۃ کی تقلید میں مصنف کے مضامین اور خیالات کو اسی قافیہ میں اور حتی الوسع اسی ترتیب کے ساتھ زبان اردو میں منتقل کرنے کی کاوش کی ہے تاکہ عوام اس سے استفادہ کر سکیں اور عربی مولود شریف کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی اسی طرز میں پڑھا جائے تاکہ ہر شخص بہ آسانی اس قصیدہ شریف کے معانی اور مطالب کو سمجھ سکے اور اس نعت عظمیٰ سے مستفید اور لطف اندوز ہو۔ میرے اردو ترجمہ کے ساتھ عاشق رسول اکرم ﷺ حضرت مولانا محمد عبدالرحمن جامی علیہ الرحمۃ کا ترجمہ بھی بطور تبرک شریک کر دیا گیا ہے تاکہ وہ بھی جو فی زمانہ مفقود ہوتا جا رہا ہے محفوظ ہو جائے اور قارئین کو عربی کے ساتھ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں لطف اٹھانے کا موقع ملے۔

مجھے یقین کامل ہے کہ یہ ہدیہ تبریک ہندوستان، پاکستان اور ایران کے علاوہ

دوسرے اسلامی ممالک میں مقبول خاص و عام ہوگا۔

عربی قصیدوں کی خصوصیت ہے کہ ان کی ابتداء عشقیہ مضامین سے ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ اصل مضمون کی طرف گریز کرتی ہے۔ جس میں عموماً عاشق اپنے ہجر کی داستان کو بیان کرتا ہے اس کا دل و دماغ محبوب کے تصور میں اس کی بستی اور بارگاہ کے ارد گرد گھومتا رہتا ہے کہ

میرا معشوق اسی مقام پر رہتا بستا ہوگا۔ یہیں اس کا رین بسیرا ہوگا۔ وہ یہاں کی گلی کو چوں میں چلتا پھرتا ہوگا۔ اپنا بچپن اور جوانی یہیں گزاری ہوگی۔ بقول حضرت جگر مراد آبادی :-

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سارے ہیں

یہ چل رہے وہ پھر رہے ہیں یہ آرہے ہیں وہ جا رہے ہیں

وہاں کا ذرہ ذرہ اس کے سامنے ایک حسین منظر پیش کرتا ہے، وہاں کی خاک اس کیلئے صندل درد اور سرمہ بینائی کا کام دیتی ہے۔ وہ اسی کشمکش میں آہیں بھرتا اور گریہ و زاری کرتا ہے اور اپنے حسین مرض کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اس کی اس کیفیت کو دیکھ کر اس کے دوست احباب تاڑ جاتے ہیں کہ یہ مریض عشق ہے وہ ہر طرح اس کو سمجھاتے اور دلاسا دیتے ہیں جس کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ آخر شہ وہ ان سب نصیحتوں کی بجائے ان سے التجا کرتا ہے کہ وہ بہ عجز و احترام اس کا سلام شوق اور اس کی بے بسی اور درد دل کا حال محبوب تک پہنچادیں۔ بقول حضرت جامی علیہ الرحمۃ :-

زخستہ عاجزو مسکین و ناتواں جامی رساں بہ حضرت او اے خدا سلام علیک

اسی طرح اس قصیدہ کے مصنف علیہ الرحمۃ اپنے محبوب کا اور محبت کا اظہار کئے بغیر اپنے عالم خیال اور دیوانگی میں ”مدینہ منورہ“ کے اطراف و اکناف کی پہاڑیوں اور کھنڈروں کو ہاظم اور موضع ذی سلم میں گھومتے رہتے ہیں۔ اندھیری رات میں بجلی کی چمک کے سہارے ان کو دیار حبیب ﷺ کے آثار نظر آجاتے ہیں اور وہ بے تاب ہو جاتے ہیں۔ اب وہ اپنے معشوق کی یاد میں جو دونوں جہاں کا محبوب ہے اپنے آپ کو نہایت حقیر سمجھ کر اپنے نفس کا جائزہ لیتے ہیں اور اس کو تزکیہ نفس اور آخرت کیلئے کار خیر اور عبادت الہی کی دعوت دیتے ہیں تاکہ سردار دو عالم ﷺ کی سچی محبت کرنے کا حوصلہ پیدا کرے اس لئے کہ ان کو اس پاک نبی علیہ السلام کی ریاضت اور عبادت کا خیال آجاتا ہے اور فرماتے ہیں کہ میں نے اس ذات اقدس کا جن کی محبت کا دم بھرتا ہوں ان کے راست طریقہ کو فراموش کر کے بڑا ظلم کیا ہے۔ جو تمام رات یاد الہی میں مشغول رہتے حتیٰ کہ پائے مبارک درم کر جاتے اور فاقوں کے سبب سردار دو

جہاں اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھ لیتے :-

ظَلَمْتُ سَنَةً مِّنْ أَحْيَى الظَّلَامِ إِلَىٰ أَنْ اشْتَكْتُ قَدَمَاهُ الضَّرْمِمْ وَرَمِ

وَشَدَّ مِنْ سَغَبِ أَحْشَاءِهِ وَطَوَىٰ تَحْتَ الْحِجَارَةِ كَشْحًا مُتْرَفِ الْوَادِمِ

وَرَأَوْدَتُهُ الْجِبَالَ الشُّمِّمْ مِنْ ذَهَبٍ عَنِ نَفْسِهِ فَأَرَاهَا أَيَّمَا شَمِّمْ

حالانکہ بحکم خدا پہاڑ سونے کے بن کر آپ کے پاس حاضر ہوئے کہ آپ ﷺ کو اپنی طرف

متوجہ کریں۔ لیکن آپ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ اب یہاں سے مصنف کیف

عشق احمدی ﷺ میں ڈوب کر رسول اکرم ﷺ کے شمائل اور اخلاق حمیدہ کے سانچے موتی

پرونے لگتے ہیں اور پھر میلاد مبارک و معراج شریف اور معجزات نبویہ کا ذکر نہایت

خوبصورتی اور فصاحت سے بیان فرماتے ہیں خصوصاً قرآن کریم جو بجائے خود ایک عالی شان

معجزہ ہے اس کی تعریف و توصیف کے بعد غزوات و جہاد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

ایثار، وفاء، اور بہادری کے بیان کے بعد طلب مغفرت اور نہایت موثر مناجات اور درود و سلام

پر قصیدہ کو ختم فرماتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ قصیدہ بحر بسیط میں ہے۔

مجھے پہلی مرتبہ اس قصیدہ شریف کو اپنے بچپن میں محترمی حبیب الکاف مرحوم و

مغفور کی جماعت سے مولوی قاری نظام الدین صاحب کے پاس جو میرے رشتے کے دادا

ہوتے تھے، سننے کا اتفاق ہوا تھا۔ حضرت حبیب الکاف مرحوم کے پڑھنے کا ایسا موثر اور خاص

انداز تھا جیسے ایک عاشق رسول ﷺ ہی کا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسی وقت سے مجھے اس مبارک

قصیدے سے دلی محبت ہو گئی۔ اور الحمد للہ آج تک باقی ہے۔ آج کل ان کے چھوٹے

صاحبزادے مولوی حبیب جعفر صاحب بھی اپنی جماعت کے ساتھ بالکل اپنے والد ماجد

کے ہی انداز میں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ حیدر آباد دکن میں ان کی جماعت نہایت مقبول ہے۔

علاوہ ہندوستان کے یہ قصیدہ تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے

اور اس کے پڑھنے اور حفظ کرنے کو باعث برکت تصور کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس قصیدے کے

بزرگ مصنف حضرت امام ابو عبد اللہ شرف الدین محمد بن سعید بن حماد بن محسن البوصہ

الدلاصی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں گزرانا تھا اور شرف قبولیت حاصل کی تھی اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک یہ اسی احترام اور خلوص سے پڑھا اور سنا جائے گا۔ اور عاشقان رسول اقدس ﷺ اس سے اپنی روح کی تسکین حاصل کرتے رہیں گے۔

اس قصیدہ کے مصنف حضرت امام شرف الدین محمد ابو صیری ساتویں صدی ہجری (عمد مغولی) کے ایک نہایت مشہور بلند پایہ عرب شاعر رہ چکے ہیں آپ بمقام ابو صیر (بو صیر) بتاریخ ۶۰۸ شوال ۶۰۸ مطابق ۷ مارچ ۱۲۱۳ء پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے آپ کو ابو صیری کہا جاتا ہے۔ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق آپ بمقام دلاص پیدا ہوئے اور بدیں وجہ ”الدلاصی“ بھی کہتے ہیں۔ ابو صیری اور الدلاصی کہلائے جانے کے متعلق ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ آپ کے والدین میں سے ایک کا تعلق بو صیر سے اور دوسرے کا دلاص سے تھا۔ اسی وجہ سے آپ کو ابو صیری اور الدلاصی دونوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ آپ کی زندگی کے واقعات تاریکی میں ہیں۔ اس سلسلہ میں بہت کم معلومات حال ہو سکیں۔ اگر آپ قصیدہ بردہ شریف کے مصنف نہ ہوتے تو شاید بالکل گمنام ہو جاتے۔ بہر حال بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے اوائل عمر کے تقریباً دس سال بیت المقدس میں گزارے اور پھر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی۔ اس کے بعد تقریباً (۱۳) سال بحیثیت معلم قرآن کریم مکہ معظمہ میں بسر کئے۔ بعد ازاں سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں بلبیس میں مقیم ہوئے اور بالآخر حاجی خلیفہ کی روایت کے مطابق ۶۹۳ھ میں اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق ۶۹۵ھ اور مقریزی اور ابن شاکر کی روایت کے مطابق ۶۹۶ھ میں بمقام اسکندریہ آپ نے وفات پائی اور بمقام فسطاط حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ آپ فن خطاطی کے بڑے ماہر تھے، کتابوں کی نقل کر کے اپنی روزی پیدا کیا کرتے تھے۔ شعر و ادب میں بلند مرتبہ حاصل کیا۔ آپ کے بلند پایہ دیوان کا نام ”دیوان ابو صیری“ ہے جو قاہرہ سے طبع ہوا جس میں کئی قصاید اور نظمیں شامل

ہیں ان سب میں قصیدہ حمزہ کے علاوہ زیادہ مشہور اور مقبول قصیدہ :- الْكُوَاكِبُ الدَّرِّيَّةُ فِي مَذْحِجِ خَيْرِ الْبَرِّيَّةِ۔ ہے جو قصیدہ بردہ شریف کے نام گرامی سے موسوم و مشہور ہے۔ جس کی متعدد شرحیں عربی، فارسی، اردو، لاطینی اور فرانسیسی زبانوں میں لکھی جا چکی ہیں جس کا لاطینی ترجمہ :- Carmen Mysticum Borda Dictum. ڈاکٹر محمد راحت اللہ خاں مرحوم مہتمم کتب خانہ آصفیہ (اسٹیٹ لائبریری) نے ازراہ مہربانی مجھے دکھایا تھا۔ یہ قصیدہ نہ صرف ہندوستان بلکہ عرب ممالک میں بھی بہت مشہور ہے۔ اس قصیدہ کو میں نے ۱۹۵۶ء میں مسجد نبوی کی چھت کے گنبدوں میں نہایت خوشخط لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اس سے قصیدہ کی مقبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ قصیدہ اپنی ادبی لطافتوں اور نزاکتوں اور سلاست و روانی کے قطع نظر اعلیٰ خصوصیات اور بڑے ہی فیوض و برکات کا حامل ہے جن حالات میں یہ قصیدہ شریف لکھا گیا اس کی وجہ سے اس کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ آپ مشہور صوفی وقت ابوالعباس احمد المرسی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے اور آپ ان کے درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ فن حدیث میں کافی عبور تھا اور زبردست ماہر سمجھے جاتے تھے۔

اس قصیدے کی وجہ تصنیف کے متعلق خود حضرت امام بوسیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر فالج کا شدید حملہ ہوا۔ میرا نصف جسم بالکل بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ بہت کچھ علاج کروایا لیکن کسی علاج سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ انتہائی مایوسی کی حالت میں میں نے ارادہ کیا کہ نبی کریم ﷺ کی مدد میں ایک قصیدہ لکھوں اور اس کے توسط سے ہار گاہ رب العزت میں صحت کے لئے دعا کروں۔ اللہ جل شانہ نے میرے اس ارادے کو پورا فرمایا اور میری دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ میں نے قصیدہ لکھنا شروع کیا۔ قصیدے کے ختم پر مجھے نیند آگئی۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک کو میرے جسم پر پھیرا اور اپنی چادر ڈال دی۔ مجھے صحت ہو گئی۔ میں نیند سے چونکا اور اپنے آپ کو کھڑے ہونے اور حرکت کرنے کے قابل پایا۔ صبح جب باہر نکلا تو میری ایک درویش سے ملاقات ہوئی جو میرے لئے اجنبی تھا۔ اور اس نے مجھ سے وہ قصیدہ سنانے کی

خواہش کی جس میں میں نے نبی کریم ﷺ کی مدح کی ہے۔ حالانکہ میرے اس قصیدہ کا ابھی کسی کو علم نہیں ہوا تھا۔ میں نے اس بزرگ درویش سے دریافت کیا کونسا مدیہ قصیدہ سننا چاہتے ہو۔ کہنے لگا وہ قصیدہ جس کی ابتداء :-

أَمِنْ تَذَكُّرِ جَيْرَانِ بَدِي سَلَمٍ

سے ہوتی ہے۔ پھر وہ کہنے لگا بخدا کل شب میں نے تمہیں اس قصیدے کو رسول انور ﷺ کے دربار میں پڑھتے سنا ہے۔ میں نے یہ قصیدہ اس کے حوالے کر دیا لوگوں میں اس واقعہ کا بڑا چرچا ہوا۔ حتیٰ کہ وزیر وقت صاحب بہاء الدین کو بھی اس کی اطلاع ملی۔ وہ اس واقعہ سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اس قصیدے کو نقل کروایا اور یہ عہد کیا کہ وہ ہمیشہ اس قصیدہ کو اس حالت میں سنے گا کہ وہ کھڑا ہوا ہو، پیر برہنہ ہو اور سر ڈھکا ہوا ہو۔ چنانچہ وہ اس قصیدہ کو اسی حالت میں بکثرت سنا کرتا تھا۔ وہ اور اس کا خاندان ہمیشہ اس قصیدہ کی بدولت دینی اور دنیوی فیوض و برکات سے مستفید ہوتے رہے۔

اگر اس مبارک قصیدہ کو بہ آداب و احترام تلاوت کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ ہر شخص اس کے لاجواب فیوض و برکات سے مستفید ہوگا۔ لہذا باطہارت ہونا۔ صحت الفاظ و اعراب کو ملحوظ رکھنا اور معنی پر توجہ مبذول رکھنا نہایت ضروری ہے۔ قصیدہ شروع کرنے سے قبل ان اشعار کا پڑھنا حسن ہے :-

الْحَمْدُ لِلَّهِ مُنْشَى الْخَلْقِ مِنْ عَدَمٍ ثُمَّ الصَّلَاةُ عَلَى الْمُخْتَارِ فِي الْقَدَمِ

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

خصوصاً دوسری بیت کے متعلق روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے قصیدہ کو سننے کے بعد خود یہ بیت ارشاد فرمائی۔ اسی لئے قصیدہ کے درمیان وقفہ وقفہ سے اس کا دہرانا باعث برکت ہے۔ بلکہ بعض بزرگان کرام اور عاشقان رسول ﷺ نے تو حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کے مشہور نعتیہ اشعار :- بَلِّغِ الْعُلَى بَكَ مَالَهُ..... کے ورد کی بھی سفارش کی ہے۔

۱۹۶۰ء میں دوسری مرتبہ جب کہ میں حرمین الشریفین میں حج و زیارت کی غرض سے حاضر ہوا تھا تو الحمد للہ مجھے بھی اپنے اردو ترجمے کو بارگاہ نبوی ﷺ میں شروع سے آخر تک گزرانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ خدا کرے کہ میرے اس ترجمے کو سرکار ﷺ کے دربار سے شرف قبولیت عطا ہو اور یہ بھی عربی اور فارسی کی طرح برکتوں کا حامل ہو جائے۔

جزاکم اللہ خیراً - فقط

محمد فیاض الدین نظامی

الحمراء۔ بنجارہ ہل، حیدر آباد کن

ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق مئی ۱۹۶۹ء

نوٹ

قصیدہ بردہ شریف کے اختتام پر حضرت امام البوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا مبارک قصیدہ جس کو مصنف علیہ الرحمۃ نے اسم گرامی ﷺ سے موسوم فرمایا ہے تبرکاً درج کیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ اس قصیدہ کو حضرت امام نے بردہ شریف کے بعد ہی بطور شکر یہ شرف یابی و صحت یابی حضور اقدس ﷺ میں پیش فرمایا جس کا ہر مصرعہ اسم مبارک (محمد ﷺ) سے شروع ہوتا ہے جو عشق محمدی ﷺ کا ذوق رکھنے والوں پر ایک خاص کیفیت پیدا کرتا ہے۔

اس قصیدہ کے خصوصیات و برکات

بزرگان دین اور عاشقان رسول اکرم ﷺ جو اس قصیدہ سے مانوس تھے اس کے ہر ہر شعر کے اثرات اور برکات سے واقف تھے فرمایا ہے کہ جس مکان میں یہ قصیدہ موجود ہو گا وہ ہر بلا سے محفوظ رہے گا اور اس کا پڑھنا قضائے حاجات اور حل مشکلات کے لئے بیحد نافع و مجرب ہے بشرط حسن عقیدت اس کو پڑھ کر جو دعا کی جائے وہ انشاء اللہ مقبول ہوگی۔

حضرت شیخ ابراہیم باجوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصیدہ کی شرح میں بعض ابیات کے جو فوائد و تاثیرات کو بیان فرمایا ہے ان کا اردو ترجمہ مختصر ادرج ذیل ہے انشاء اللہ ان اعمال کی برکت سے ہر شخص اپنی مراد کو پہنچے گا۔

آٹھ واں شعر جو نَعْمَ سَرَى سے شروع ہوتا ہے بعد نماز عشا سونے سے قبل پڑھتے رہیں یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہو جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ خواب میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوگی۔

۳۳ اور ۳۶۔ اشعار جو مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكُوْنِيْنَ اور هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِي سے شروع ہوتے ہیں ہر نماز کے بعد جو چند مرتبہ ورد کرے گا وہ جملہ مصائب سے محفوظ رہے گا۔ اور اگر مصیبتوں میں مبتلا ہو چکا ہے تو پچھلی شب بعد نماز متجدد ان کا ورد کریں اور بہ تو سل سرکار دو عالم ﷺ دعا مانگیں تو انشاء اللہ مصائب دفع ہو جائیں گے۔

۸۵ اور ۸۶۔ اشعار جو تَبَارَكَ اللهُ اور كَمْ اَبْرَاتٍ سے شروع ہوتے ہیں مرض مرگی، فالج اور دیگر مہلک امراض کے لئے نہایت مجرب ہیں چنانچہ باطہارت چند دفع اس کو پڑھ کر مریض پر دم کرنے اور اس کو لکھ کر تعویذ گلے میں ڈالے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس سے مرض جاتا رہے گا۔

۱۵۴ اور ۱۵۵ اشعار جو وَلَنْ يُضِيْقَ اور فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ سے شروع ہوتے ہیں پڑھ کر جس مقصد کے لئے بہ تو سل حضور مقبول ﷺ دعا کرے تو انشاء اللہ قبول ہوگی۔ یہ جاننا

چاہئے کہ جیسے آنحضرت سرکارِ دو عالم ﷺ کے حیاتِ اقدس میں مدد مانگنا ثابت ہے اسی طرح آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد بھی آپ سے مدد طلب کرنا بالکل جائز ہے۔ اس کے علاوہ دیگر آیات کے فوائد و برکات بھی ہیں۔ غرض کہ بحسن عقیدت باطہارت و بہ پاس آداب اس مقدس قصیدہ کا پڑھنا بے حد مفید و مقبول ہے۔ کیوں نہ ہو مدح رسول اللہ ﷺ میں شعرائے متقدمین کے تمام قصاید سے کہیں زیادہ یہ قصیدہ بے حد مقبول اور شہرہ آفاق ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ اس قصیدہ کا آغاز ایسے شعر سے ہوا ہے جس کے ابتدائی حروف۔ ا۔ م۔ ن۔ ت (امنت) ہو جاتا ہے جو ایک فال مبارک ہے کہ اس قصیدہ کا مصنف اور قاریاں انشاء اللہ ہر بلا و آفت سے محفوظ رہیں گے۔ فقط۔ آخر دعوانا

محمد فیاض الدین نظامی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس ذات کریم جل شانہ کا تعارف جس طرح نبی اکرم سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کرایا ہے۔ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی، اور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ اس طرح مخلوق میں سے کوئی بھی نہیں کر سکتا۔
امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قرآن سے میں نے نعت گوئی نہ سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

حضرت حسان بن ثابت اور حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے لے کر آج تک کتنے خوش نختوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی ہے اور کتنے سعید انسانوں نے اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ وسلم کی بارگاہ میں نعتوں کا ہدیہ فقیرانہ پیش کیا ہے؟ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ ان خوش نصیب حضرات میں سے حضرت ابو عبد اللہ محمد بن سعید بصری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں جن کا شعر و سخن کے میدان میں بڑا چرچا اور مقام تھا، انھوں نے کئی قصیدے ارباب حکومت کی مدح میں لکھے اور انعامات حاصل کئے، پھر انھیں فالج نے آیا۔ بہت علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا، ظاہری وسائل کی طرف سے مایوسی کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال ہوئی اور رول میں اُمید کی ایک کرنچ پھوٹی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت کا سہارا

لینا چاہتے، چنانچہ ایک قصیدہ لکھا اور اس میں اپنا تمام درد و سوز سمو دیا۔ رات کو خود تو سو گئے لیکن قسمت جاگ اٹھی۔ عالم رویا میں رحمت مجسم، پیکر لطف و کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی زیارت ہوتی اور اس جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور قصیدہ مبارکہ سنانے کی سعادت ملی، اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے ان کے جسم پر دستِ رحمت پھیرا اور چادر مبارک عنایت فرمائی، بیدار ہوتے تو پورا گھر خوشبو سے معطر تھا۔ انہوں نے جاگتی ہوتی آنکھوں سے دیکھا کہ چادر موجود ہے۔ اور فالج کا نام و نشان نہیں ہے۔ اس طرح اس قصیدہ کا نام قصیدۃ بردہ مشہور ہو گیا۔ یہ وہ قصیدہ ہے جو شہرت کی معراج حاصل کر چکا، علماء نے اس قصیدہ کو اپنے درس میں شامل کر لیا، اس کی شرحیں لکھیں اور صوفیاء کرام نے اسے بطور ورد و حرز جان بنا لیا، ان ہی شرح میں سے امام علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ شارح مشکوٰۃ کی عربی شرح الزبدة بھی ہے جو مختصر ہونے کے ساتھ جامع بھی ہے۔ اس میں حل لغات، ترکیب نحوی اور بیان مطلب کا اہتمام جس عمدگی سے کیا گیا ہے اس کا اندازہ شارح گرامی کے نام ہی سے کیا جاسکتا ہے۔

فاضل علامہ مولانا ابوبلال محمد افضل منیر حفظہ اللہ تعالیٰ فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف نے حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ ازہری مدظلہ العالی جسٹس و فاقی شرعی عدالت سپریم کورٹ پاکستان کے حکم پر اس کا ترجمہ کیا ہے، انہوں نے بڑی محنت اور دیدہ وری سے ترجمہ کیا ہے بے شک

وہ ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں، جناب محترم صاحبزادہ حفیظ البرکات
شاہ مدظلہ العالی ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور اس کی اشاعت پر
لائق صدقاتش ہیں

مولانا علامہ مفتی محمد رحیم قادری مدظلہ العالی شیخ الجامعہ جامعہ
راشدیہ، پیر جو گوٹھ، سندھ کی کوشش سے یہ شرح عربی میں
چھپ چکی ہے۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری

۱۵ ذیقعد ۱۴۱۷ھ

۲۵ مارچ ۱۹۹۷ء

عرض مترجم

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ - اما بعد
 اس بات سے تو کسی کو مجال انکار نہیں کہ فخرِ سیل سرور کائنات جان عالم
 صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف ایک عظیم سعادت ہے اور اس طرح نعت گو
 اور شعراء حضرات کو جو بلند اور ارفع مقام نصیب ہوا ہے وہ صرف نبی رحمت صلی اللہ
 علیہ وسلم کی نعت گوئی کی وجہ سے۔ بقول شاعر۔

مَا إِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِي
 وَلَكِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِي بِمُحَمَّدٍ

(یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں قصیدہ نظم کر کے حضور کی شان
 اقدس میں تو کچھ اضافہ نہ کر سکا (کیونکہ آپ پہلے ہی بڑی رفیع شان کے مالک ہیں) البتہ
 حضور کی شان اقدس میں کہنے گئے کلمات اور قصیدے کو پذیرائی نصیب ہو گئی ہے۔
 یہ حقیقت ہے کہ بڑے بڑے قادر الکلام شعراء و ادیب جب حضور نبی اکرم صلی
 اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لب کشائی کرتے ہیں اور پھر جب اپنے کلام اور حضور کے
 بلند مقام کو دیکھتے ہیں تو انھیں اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے اور اس کا اعتراف
 کرتے ہوئے یوں گویا ہوتے ہیں۔

لَا يُمْكِنُ الشَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهُ
 بعد از خدا بزرگ تویی قصہ مختصر
 اور حضرت غالب اپنی بے بسی کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کان ذات پاک مرتبہ دان محمد است

زیر نظر کتاب (قصیدہ بردہ) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مدح میں نظم کیا گیا ایک نہایت ہی مشہور و معروف قصیدہ ہے۔ اس قصیدے کو جو پندرہ پائی نصیب ہوتی، وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اس کی متعدد شروح تحریر کی گئی ہیں۔ ان شروح میں سے ایک حضرت ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحریر فرمائی۔ جو (الذبدہ) کے نام سے موسوم ہے۔ المرقاة شرح مشکوٰۃ جلد اول (مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان) کی ابتداء میں حضرت ملا علی القاری کے حالات زندگی کے سلسلے میں ایک طویل مقدمہ تحریر کیا گیا ہے اور اس کے آخر میں حضرت موصوف کی تقریباً ۱۱۵ ایسی کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو غیر مطبوع ہیں۔ اور ان میں الذبدہ فی شرح قصیدۃ البردہ کو بھی شمار کیا گیا ہے۔

یہ ۲۰ مارچ ۱۹۷۵ء کی بات ہے۔ میں ان دنوں جامعہ رضویہ انوار العلوم H/۲۴ واہ کینٹ میں بطور صدر مدرس کام دینی خدمات میں مصروف تھا۔ سیدنا مرشدی حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری مدظلہ نے غریب خانہ کو قدم میمنت لزوم سے عزت و زینت بخشی۔ آپ کا قیام دو تین ایام پر مشتمل تھا۔ اس دوران آپ نے گڑھی افغاناں میں پیر محمد اعظم شاہ صاحب کے ملاقات کرنے کا ارادہ فرمایا۔

گڑھی افغاناں میں حضرت پیر صاحب موصوف کے زیر انتظام ایک قدیم اور نادر الوجود کتابوں پر مشتمل لائبریری ہے۔ حضرت ضیاء الامت کو چونکہ کتب مینی

کا بے حد شوق ہے۔ لہذا اپنے ذوق کی تسکین کے لیے کتابوں کو دیکھنا شروع کیا تو اتفاق سے الزبدہ کا نسخہ بھی ہاتھ لگا۔ آپ نے انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا اور فرمایا لگے: "اس نسخہ کو حاصل کرنے کے لیے میرے دل میں بڑی تمنا تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ نے آج پوری کر دی۔"

حضرت ضیاء الامت نے حضرت پیر صاحب سے نسخہ مستعار لیا اور مجھے حکم دیا کہ اس کو نقل کر دو۔

تعمیل ارشاد کی خاطر بندہ نے اس کو نقل کرنا شروع کیا۔ اب اس نسخے کی حالت یہ تھی کہ اس کے ورق نہایت بوسیدہ اور بعض بعض مقامات کے کرم خوردہ تھے اور بہت ہی قدیم ہونے کے سبب بعض مقامات سے اس کے الفاظ بھی دھندلے اور مدھم تھے کہ ان سے کچھ سمجھنا اور مطلب اخذ کرنا بہت دشوار تھا۔ تو کلاً علی اللہ کام شروع کیا۔ جن مقامات پر الفاظ کی شناخت یا آگاہی نہ ہو سکی، وہاں سے مناسب جگہ خالی چھوڑ دی۔ خیال تھا کہ حضرت ضیاء الامت مدظلہ خود اپنی خدا داد بصیرت کے مطابق ان خالی جگہوں کو مکمل فرمائیں گے اور اس طرح تقریباً چار ماہ کے عرصہ میں یہ کام مکمل کر کے بھیرہ شریف حاضری دی اور حضور غریب نواز کی خدمت عالیہ میں اپنی ناچیز سی خدمت پیش کی۔ آپ نے بڑی تحسین فرمائی اور فرمایا کہ اب ایک کام اور کر دو۔ اس کتاب کا ترجمہ کر دو تاکہ اس کو زیور طباعت سے آراستہ کر کے عامۃ الناس کے فائدے کے لئے پیش کیا جاسکے۔

یہ کام ناچیز کے لیے انتہائی مشکل اور کٹھن تھا۔ پہلے تو کچھ لپیٹ و لعل سے کام لیا۔ اور عرض کیا کہ حضور! میرے جیسے کم علم ناقص الفہم کے لیے ایسا کام کیسے ممکن ہے؟۔

آپ نے نہ صرف یہ کہ اصرار فرمایا بلکہ مجھ پر کمال شفقت فرماتے ہوئے اظہارِ ناراضگی بھی فرمایا تو بقول فاضل بریلوی ”ناچار اس راہ پڑا جانا“۔

افسوس و خیزاں یہ کام شروع تو کر دیا مگر اس کے تسلسل میں بڑی رکاوٹ وہ مواقع تھے، جہاں کی عبارت نقل نہ ہو سکی۔ چنانچہ آجا کر کچھ ماقبل اور مابعد عبارت کے مفہوم کا سہارا لے کر اپنے فہم ناقص کے مطابق تسلسل اور روانی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ حکم از حکم عام قاری اس سے بھرپور استفادہ کر سکے۔ اب علم و دانش سے درخواست ہے کہ اگر کسی صاحب کے پاس ”الذبدنہ“ کا نسخہ صحیح حالت میں ہو تو آذر راہ کرم عنایت فرمائیں تاکہ اس ترجمہ میں جو سقم رہ گیا ہے اس کو دور کیا جاسکے۔ ان کی بڑی نوازش ہوگی۔

میری اس کوشش اور کاوش میں اگر قارئین کو کچھ خوبی نظر آتے تو اس میں میرا کوئی کمال نہیں بلکہ یہ سب کچھ کرم اور فیض ہے میرے اس کریم اور شفیق آقا کا، جس کی ادب آموز نگاہوں اور حسن تربیت نے اس مشت خاک کو نوازا۔

جمال ہم نشین در من اثر کرد

وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

یہاں مناسب معلوم ہو رہا ہے کہ کچھ مختصر سا ذکر حضرت ملا علی القاری کے حالات زندگی کے بارے میں ہو جاتے۔

حضرت ملا علی القاری

حضرت علامہ ملا علی القاری خراساں کے ایک مشہور شہر ہرات میں پیدا ہوئے۔ آپ کے سن ولادت کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ آپ کا

اسم گرامی علی اور والد کا نام سلطان محمد ہے۔ آپ کی کنیت ابو الحسن اور لقب نور الدین ہے۔ آپ ہرات میں ہی پلے بڑھے۔ اور وہاں ہی ایک مشہور عالم معین الدین سے علم تجوید پڑھا اور قرآن پاک کو حفظ کیا اور درسی کتب اور علوم متداولہ کی تعلیم بھی وہاں کے ہی مشاہیر علماء کرام سے حاصل کی۔

جب سلطان اسماعیل بن حیدر صفوی رافضی نے ہرات پر غلبہ حاصل کیا اور وہاں کے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا تو آپ مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ مکہ معظمہ میں علم قرآت میں اس قدر عمدگی اور پختگی حاصل کی کہ آپ "قاری" کے نام سے مشہور ہو گئے۔ پھر مکہ معظمہ میں ہی وہاں کے جلیل القدر شیوخ سے سماع حدیث میں مشغول ہو گئے حتیٰ کہ اس فن میں بھی اپنا نام پیدا کیا اور اصول، حدیث، تفسیر، تصوف اور معقول وغیرہ میں امام بن گئے۔

آپ کی تالیفات کی تعداد تقریباً ۱۳۳ ہے۔ جن میں سے صرف اٹھارہ مطبوع ہو چکی ہیں۔ الذبذبہ بھی غیر مطبوع تالیفات میں شامل ہے۔

آپ نے شوال ۱۰۱۴ھ میں وفات پائی اور مکہ معظمہ میں معلاقہ کے مقام پر دفن ہوئے۔ ایک خلیق کثیر نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی۔

رَحِمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ رَحْمَةً وَّاسِعَةً وَبَرَكَاتِهِ عَلَيْنَا۔

میں مکرم و محترم جناب صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب منجر ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور کا ممنون احسان ہوں کہ انھوں نے اس کو زیور طبع سے آراستہ کرنے کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان کو سرخرو فرماتے۔

اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ جہاں کہیں اصلاح کی گنجائش محسوس کریں۔ بندہ ناچپینز کی راہنمائی فرمائیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ بزرگ و بزر سے دُعا ہے کہ یہ حقیر سی کوشش لوگوں کے لئے نفع کا باعث بنے اور بندہ کے لئے موجب و مغفرت۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اس پر خطا کو دُعا تے خیر سے یاد فرمائیں۔

منجانب :

ابوالبلال محمد افضل منیر عفی عنہ



أَمِنْ تَذَكُّرِ جِرَانٍ بِيَدِي سَلِمٍ
مَزَجَتْ دَمْعًا جَرِيًّا مِنْ مُقْلَةٍ بِيَدِي

اے زیادِ صحبتِ یارِ انت اندر ذمی سلم
اشکِ چشمِ آمیختی بانوں رواں گشتہ بہم

کیا تمہیں یاد آگئے ہمسایگانِ ذمی سلم
خون کے آنسو جو آنکھوں سے رواں ہیں مبدم

ترجمہ : کیا تو نے ذمی سلم کے پڑوسیوں کو یاد کرنے کی وجہ سے گوشہ چشم

سے بہنے والے آنسو کو خون سے ملا دیا؟

لفظی تشریح

یہاں پر ہمزة الاستفہام مضمون کو نیچتہ کرنے کے لیے ہے۔ اس کو صدارت کی وجہ سے مقدم

کیا گیا۔ اور من تذکر (جار مجرور) فعل مزجت کے متعلق ہے اور اس کو حصر کے

واسطے مقدم کیا گیا ہے۔ تذکر مصدر ہے جو اپنے مفعول کی طرف مضاف ہو کر استعمال ہو رہا ہے۔ اور اس کا فاعل محذوف ہے۔ اصل میں ہے: تَذَكُّرُكَ جَيْلَانًا لَفْظِ جِيرَانِ جَارِ كِي يَمْجَاوِرُ كِي جمع ہے اور یہی اس مقام پر مناسب ہے۔ اور ذمی سلم گاؤں میں درخت کا مالک۔ یہ جار مجرور کا متعلق محذوف ہے۔ (اصل میں مفہوم یہ ہے) یعنی وہ پڑوسی ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں یہ خاص قسم کا درخت ہے۔ (سلم) اس کے لام پر زبر پڑھی جاتی ہے اور زیر پڑھنا بھی سہوی ہے۔ دمعارونے کے سبب آنکھ سے نکلنے والے پانی کو دمع (آنسو) کہتے ہیں۔ یہ فعل مَزَجَتْ کا مفعول بہ ہے۔ اور جوی (پورا جملہ ہو کر) دمعہ کی صفت ہے۔ من مقلدہ یہ جار مجرور جری کے متعلق ہے۔ آنکھ کے اندرونی حصہ کو مقصدہ کہتے ہیں۔ بدھر یہ جار مجرور مزجت کے متعلق ہے۔

مسنوی تشریح

شاعر مخاطب کو اپنے خیال میں جدا کرتے ہوئے اس سے سرگوشی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اسے وہ شخص جو رونے میں اس قدر مبالغہ کر رہا ہے۔ ضرور بالضرور تیرے رونے کا کوئی نہ کوئی سبب ہے۔ پس (بتاؤ) کہ وہ کیا سبب ہے۔ آیا وہ فراق کی علین اور اس کی مشقت ہے کہ تم کو ایسے دوستوں کے فراق میں مبتلا کیا گیا ہے جن کو پا کر تم خوش تھے اور اب تم ان کے ہجر میں اپنی سابقہ خوشی سے غمی کی طرف لوٹ گئے ہو یا کوئی اور سبب ہے جس کا ذکر آنے والے شعر میں آ رہا ہے:

أَمْ هَبَّتِ الرِّيحُ مِنْ تِلْقَاءِ كَاظِمَةٍ
أَوْ أَوْمَضَ الْبُرُقُ فِي الظُّلْمَاءِ مِنْ إِخْمِ

یا مگر از کاظمہ بادے وزید از کوئے دوست
یا مگر در نیم شب بر قے جہی سده از اضم!

یا صبا لاتی ہے سمت کاظمہ سے اک پیام!
یا ہوا بجلی سے روشن رات میں کوہ اضم!

ترجمہ: کیا کاظمہ کی جانب سے ہوا بجلی ہے یا تاریک رات میں اضم پہاڑ
سے بجلی چمکی ہے۔

لفظی تشریح

اخر منقطع ہے۔ اور هَبَّت فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب ہے۔ الريح ایہ
مؤنث سماعی ہے هبت کا فاعل۔ تلقاء کا مطلب جہت بہمت۔ جانب۔ من تلقاً
کاظمہ، یہ سب فعل ہبت کے متعلق ہے۔ کاظمہ ایک جگہ کا نام ہے۔ اور یہ ضرورت
شعری کے سبب منصرف ہے۔ او مضض بمعنی لمع چمکنا۔ یہ فعل بہت پر معطوف ہے۔
البرق او مضض کا فاعل ہے۔ فی الظلماء اس کا متعلق محذوف ہے۔ یہ فاعل (البرق) کا
حال واقع ہو رہا ہے یعنی اس حال میں کہ بجلی تاریک رات میں واقع ہوئی۔
من اضم، ہمزہ کو زیر کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور یہ جار مجرور او مضض کے متعلق
ہے۔ اضم مضاف الیہ ہو کر استعمال ہو رہا ہے۔ اور اس کا مضاف تلقاء مقدر ہے۔
اصل میں ہے: من تلقاء اضم؛ یہ ایک پہاڑ ہے اور بجلی پہاڑ سے نہیں بلکہ اس کی
سمت سے چمکتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ ذمی سلم، کاظمہ اور اضم مدینۃ الاسلام کے قریب کی جگہیں ہیں یہی

بات اس جگہ زیادہ مناسب اور مقصود ہی معنی کے زیادہ قریب ہے۔

معنوی تشریح

تیرے رونے کا سبب یا تو وصال کی چمک ہے کہ تم نے وصال کی آرزو کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نسیم صبح ان ٹپوسوں کی خبریں اور راز تمہارے پاس لائی اور تم پر ان کے دیار و مسکن کے نشانات کے ظہور کی ابتدا ہوئی۔

اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ان کا مسکن (پناہ گاہ) اس قدر دور ہے کہ صرف ہوا ہی وہاں پہنچ سکتی ہے۔ اور اس قدر اونچا ہے کہ صرف بادل ہی وہاں تک چڑھ سکتے ہیں۔ اس جگہ کی طرف قصد کرنے والا مسلسل محنت برداشت کرتا ہے اور لگاتار دُکھ سہتا ہے۔

پھر بعد مسافت، بعد مرتب کے لیے اور جگہ کی بلندی، قدر و منزلت کی بلندی کے لیے استعارہ ہے۔ شاعر نے فی الظلماء (تاریکی میں) اس لیے کہا کیونکہ تاریکی میں روشنی زیادہ واضح اور اونچے مقام سے زیادہ جلیل القدر ہوتی ہے۔

دونوں شعروں کا ماحصل یہ ہے تیرا رویا تو زمانہ ماضی میں واقع ہونے والے وصال کو یاد کرنے کی وجہ سے ہے جس کا تجھے علم ہے یا زمانہ حال میں متوقع وصال کی طلب کے باعث ہے۔

ان معانی کو حقیقت پر مقدمہ کی تمہید کے ساتھ محمول کرنا ممکن ہے وہ یہ ہے کہ طلب گار اپنی ریاضت کے سبب ایسے مقام کو پہنچ جاتا ہے۔ جہاں نور حق سے آگاہ ہونے کے سبب اس پر لذت آگئیں جذبات و خلسات عارض ہوتے ہیں۔ گویا کہ وہ بجلیاں ہیں جو بار بار اس کی طرف جھکتی ہیں پھر اس کے سامنے (اگر) بچھ جاتی ہیں۔ ان خلسات کو وقت کہا جاتا ہے

یہ (منزل مقصود کا) وجدان اور اس کے حصول کا پہلا درجہ ہے۔ اور طالب ہر وقت اس قسم کے غموں میں مبتلا ہوتا ہے۔ ایک غم مطلوب کے حصول میں تاخیر پر اور دوسرا غم اور افسوس اس کے فوت ہونے پر۔

پس شاعر فرماتے ہیں کہ اے ریاضت کے ذریعے خدا کے طلب گار! کیا تیرے رونے کا سبب ان لذیذ جذبات کی یاد اور ان کے منقطع ہونے کے بعد ان کے حصول کا شوق ہے یا اس قسم کے ان سے اعلیٰ جذبات کی تلاش تیرے رونے کا سبب ہے تاکہ (منزل مقصود تک) رسائی ثابت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول کے طفیل (منزل مراد کا) حصول دے۔ (جب شاعر نے اپنے مخاطب سے یہ سوالات پوچھے، تو گویا اس نے محبت سے انکار کیا۔ شاعر پھر اسے کہتے ہیں:

② فَمَا لِعَيْنِكَ أَنْ قُلْتَ اكْفَاهُمَا
وَمَا لِقَلْبِكَ أَنْ قُلْتَ اسْتَفِقْ بِهِم

چیت چشمت را چہ گوئی خشک شو گریاں شود
چیت دل گوئی بهوشش آشیفتہ گردد ز غم

کیا ہوا آنکھوں کو تیری رو رہی میں زار زار
کیا ہوا دل کو ترے کیوں اس قدر کھاتا ہے غم

ترجمہ: تو پھر تیری آنکھوں کو کیا ہوا ہے کہ اگر تو ان کو رکنے کے لیے کہتا ہے تو یہ اور زیادہ آنسو بہاتی ہیں اور تیرے دل کو کیا ہوا ہے کہ تو اس کو افاقہ کرنے کو کہتا ہے تو مزید پریشان ہوتا ہے۔

لفظی تشریح

فا شرط محذوف کا جواب ہے۔ اس کا نام فصیحت (تغیر یہ) ہے یعنی اگر تیرے رونے کے یہ دونوں سبب نہیں ہیں (تو پھر تیری آنکھوں اور دل کو کیا ہے؟)

یہاں دونوں جگہ ما استفہامیہ ہے اور مبتدا ہونے کے باعث محل رفع میں ہے۔

دونوں (مصرعوں) میں جار مجرور کا متعلق محذوف اور خبر ہونے کے باعث محل رفع میں ہے اس کی تقدیر یوں ہے۔ اے مخاطب! تیری آنکھوں کو کیا ہوا ہے۔ جب تو ان کو کہتا ہے کہ رونے سے باز آ جاؤ تو یہ آنسو بہاتی ہیں اور تیرے دل کو کیا حادثہ پیش آیا ہے کہ جب تو اس کو کہتا ہے کہ افاقہ کر اور جسم میں تسلی و اطمینان کے ساتھ، حاضرہ تو یہ مزید حیران و پریشان ہو جاتا ہے۔

حنیفی نے اپنی شرح قصیدہ میں فرمایا ہے: کُفًا ادغام کے ساتھ اور اکففا بغیر

ادغام دونوں جائز ہے۔ یہ ان کا اپنا ذاتی خیال ہے۔ حالانکہ صرفیوں نے کتب صرف میں

ایسے ادغام کو واجب قرار دیا ہے۔ اور عصام الدین رحمۃ اللہ نے اپنی قصیدہ کی

شرح میں فرمایا کہ یہاں پر فلک ادغام (ادغام نہ کرنا) ضرورت کے ماتحت ہے۔ ابو شامہ

نے اپنی شرح میں فرمایا ہے کہ یہاں فلک ادغام خلاف قیاس ہے۔

کہا گیا ہے کہ آنکھ کی گنتی (دونوں آنکھیں کہتا) صرف صورت کے اعتبار سے ہے البتہ

معنی مطلوب میں ایک ہی مراد ہے۔ اسی وجہ سے کبھی ایک چیز کو دو چیزیں خیال کیا جاتا ہے

تو وحدت حقیقی میں تعدد صورتی کو بڑا نہیں کہا جاسکتا ہے جیسا کہ بعض صوفیاء کا مذہب ہے

جو وجودیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

پس لفظ اکففا حقیقت کے اعتبار سے مفرد ہے اگرچہ صورت تشبیہ کی ہے۔ اور یہ

بحث محض تکلف ہے جیسے کہ تم دیکھ رہے ہو اور کہا گیا ہے کہ فلک ادغام مفرد خیال

کرتے ہوئے کہا گیا۔ اس لیے فصاحت کو مغل نہیں ہے جیسے کہ کسی کے قول الحمد للہ
 العلی الاجلل میں مغل ہے۔ پھر کہا۔ اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ یہ اس بات کا احساس
 دلاتا ہے کہ قصیدہ گو نے یہ شعر زبان حیرت سے کہا ہے اور سبقت لسانی پر عیب چینی نہیں
 کی جاتی۔ طرز بیان میں اس قسم کی چیزیں بلغار کی ظرافت شمار ہوتی ہیں۔

اگر تم انکار کرتے ہو کہ یہ رونا عشق و محبت کے آثار میں سے نہیں بلکہ دیگر اسباب کی بنا پر
 ہے تو پھر تم اپنی آنکھوں اور دل پر اختیار کیوں نہیں رکھتے، کیونکہ تم آہ و فغاں ترک کرنے کا
 ارادہ کرتے ہو تو آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور جب تم غم سے دل کو نجات کی سوچتے ہو تو یہ مزید
 حیران و سرگرداں ہوتا ہے۔ اس قسم کی گریہ زاری سوائے محبت کے اور کسی وجہ سے نہیں ہو سکتی
 اور اس قسم کی دار فحگی سوائے (محبوب کے) بعد یا قرب کے نہیں ہوتی۔

پھر شاعر نے صیغہ خطاب سے صیغہ غائب کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہا:

أَيْحَسِبُ الصَّبُّ أَنَّ الْحُبَّ مِنْكُمْ
 مَا بَيْنَ مَنْسَجِمٍ مِنْهُ وَمُضْطَرِمٍ

(۴)

اے تو پنداری کہ عشق عاشقان پہاں شو
 باوجود آتش دل سوز و آب و چشم نم

ہے عبت تیرا کہاں چھپتا نہیں ہے راز عشق
 اس کو افشا کر رہے ہیں سوز دل اور چشم نم

ترجمہ: کیا عاشق خیال کرتا ہے کہ محبت چھپنے والی شے ہے۔
درمیان خوش سے بہنے والے (آنسو) اور زور سے آتشِ عشق میں سلگنے

والے (دل) کے۔

لفظی تشریح

شعر مجزہ استفہام برائے تعجب یا انکار یا توبیح کے ساتھ شروع کیا گیا ہے مفہوم یہ ہے کہ یوں گمان کرنا مناسب نہیں ہے۔ یَحْسِبُ سبب پر زبر اور زیر دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ الصب، عاشق۔ اصل میں اس کا معنی انڈیلنا ہے۔ عاشق کے معنی پر اس کا اطلاق اس لیے غالب ہے کہ وہ بھی زیادہ تر آہ و فغاں اور اکثر خون کے آنسو روتا ہے۔ ما زائدہ ہے۔ بین۔ یہ منکتم کی طرف ہے۔ الْاَفْسِجَامِ۔ پانی کا شدت کے ساتھ بہنا۔ الْاَضْطِرَامُ، پوری قوت کے ساتھ (محبوب کے خیالات میں مشغول ہونا۔ اس کی لفظی صورت یوں ہوگی۔ بین دمع منسجم و قلب مضطرم۔

منہ میں ضمیر الصب کی طرف راجع ہے۔ اس کو بالاشباع پڑھیں گے مضطرم کے بعد بھی منہ ہونا چاہیے تھا، لیکن وہ حذف کیا گیا، کیونکہ پہلا منہ دوسرے (محذوف) پر دلالت کر رہا ہے۔

معنوی تشریح

محب کو یہ گمان کرنا نامناسب ہے کہ اس کی محبت لوگوں سے مخفی رہے گی۔ جب کہ

۱۰: اس کا معنی آگ کا شعلہ مار کر جلا بھی ہے۔ اس میں اسی معنی کی رعایت کرتے ہوئے شعر کا ترجمہ کیا ہے۔

وہ دل کی بے قراری اور آنکھوں کی اشکباری سے خوب ظاہر ہو رہی ہے۔ بے شک یہ دونوں (آنکھ اور دل) محب کی محبت پر گواہ ہیں اور اس بات کے بھی مخبر ہیں کہ یہ جزع فزع کب سے ہے۔ پس محبت کے انخفاء کا گمان ان دونوں نے باطل کر دیا۔ شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: **وَاللّٰهُ مُخْرِجُ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ**۔ پھر شاعر نے اس کے محب ہونے پر استدلال کیا اور مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

⑤ **لَوْلَا الْهُوَى لَمْ تَرِقْ دُمْعًا عَلَى طَلِّ
وَلَا أَرَقْتَ لِذِكْرِ الْبَانَ وَالْعَلَمِ**

گرنہ بودے عشق اشکت بر طلال کئے رنجی
کئے بدے بے خواب نپمیت از غم بان و علم

یوں نہ ویرانوں پہ روتا گرنہ ہوتا سوزِ عشق

مضطرب کرتے نہ تجھ کو قصہ بان و علم

ترجمہ: اگر محبت نہ ہوتی تو تم ٹیلوں پر آنسو نہ بہاتے۔

اور نہ ہی بان کے درخت اور علم کے پہاڑ کو یاد کر کے راتوں کو جاگتے۔“

لفظی تشریح

الْهُوَى: هَوَىٰ کا مصدر ہے۔ محبت کرنی۔ الْارَاقَةُ: بہانا، اندھینا۔ الطَّلُّ: کچی اینٹوں اور پتھروں وغیرہ کے مٹے ہوئے نشان جہاں پہلے گھر بنایا گیا ہو۔ أَرَقَ: رات کو جاگنا۔ شب بیداری کرنا۔ الْبَانَ: ایک قسم کا درخت ہے۔ قد و قامت کی طوالت ڈیل ڈول کی

خوشنمائی اور پاکیزہ خوشبو کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔

العلم اس سے مقصود یا تو علامت ہے یا پہاڑ۔ اس پر (أل) الف لام یا جنس کا ہے یا عہد کا۔ الف لام عہدی ہو تو مطلب ہوگا: وہ علامات یا پہاڑ جو ان کی منازل کے پاس تھے۔

اسی طرح علی طلیل میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے (تقدیر یہ ہے) علی طلیلہم اور ظاہر ہی ہے کہ مضاف کے مقدر ماننے کی وجہ تنوین ہو یعنی علی تذاکر طلیل اگر یہ صورت نہ مانیں تو پھر منزل محبوب تک رسائی اور مطلوب کے نشان پر آگاہی کا کوئی راستہ نہیں۔

کلمہ "لا" یا تو نفی پر عطف کرنے کے لیے زائد کیا گیا ہے، اس صورت میں تاویل یہ ہوگی۔ لہ ترق و لا ادقت۔ کیونکہ حرف لم ماضی پر داخل نہیں ہوتا۔ اور یا "نافیہ استعمال کیا گیا ہے۔ باوجود اس کے کہ "لا" ماضی پر بغیر تکرار کے داخل نہیں ہوتا۔ تاویل گزر گئی ہے۔

مسنوی تشریح

قرب کی رسائی کے بغیر حصولِ محبت پر استدلال کیا جا رہا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اگر محبت کا بادشاہ تیرے مدینہ قلب پر حکمران نہ ہوتا کہ اس کی خواہش پر تیرا معاملہ موقوف ہے (جو کچھ تیرا دل کہتا ہے وہی تو کرتا ہے)، تو پھر تم کسی خبر کو سن کر یا کسی نشان کو دیکھ کر آنسو نہ بہاتے اور نہ ہی کسی پہاڑ یا درخت کی یاد میں رات بیداری میں گزار دیتے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ تمہارا آنسو بحرِ محبت کا قطرہ ہے اور تمہاری شب بیداری، آتشِ عشق (کی سوزش) ہی ہے۔ اس میں اس شعر کی طرف اشارہ ہے۔

وما حب الدير شغفن قلبى

ولكن حب من سكن الدير

(شہروں کی محبت نے میرے دل کو مشغول نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کی محبت

نے (مشغول کیا ہے) جو ان شہروں میں رہتے ہیں۔

محبت ظاہر ہونے کے بعد بھی عاشق کے انکار سے شاعر متعجب ہوئے اور فرمایا:

فكيف تُنكر حبا بعد ما شهدت

(۶)

به عليك عدول الدمع والسقم

چوں کئی انکار عشقش چوں گواہی میدہند

برنگواشک چشم دیگر زردی زوئے سقم

عشق سے انکار کرنا تیرا ممکن ہی نہیں،

میں گواہ معتبہ صورت تری اور چشمِ نم

ترجمہ: تم محبت کا انکار کیسے کرتے ہو بعد اس کے کہ تیرے خلاف آنسو اور بیماری عشق نے گواہی دیدی ہے۔

لفظی تشریح: استفہام انکاری تو بیخ کے لیے یا استبعاد (کسی بات کو محال سمجھنا) اور

تعجب کے لیے ہے۔ فاء فصیحة (تفسیر) کی ہے۔ شرط محذوف کے جواب میں واقع

ہوتی۔ وہ اس طرح ہے جب دلائل مطلوب پر دلالت کر رہے ہیں جو کہ محبوب کی محبت

ہے تو پھر انکار ہے؟

حبا پر تنوین تعظیم کے لیے ہے۔ ما مصدریہ ہے۔ بہ میں ضمیر محبت کا ظرف راجع ہے

آنسو اور بیماری کو عدول کہنا۔ ایسا ہی جیسے اللہ تعالیٰ نے کافرمان فقد ضعت قلوبکما

کہا گیا ہے کہ عدول سے مراد دونوں آنکھوں کے آنسو بعبہ بیماری اور مختلف قسم کے آنسو اور بیماری کی قسمیں مراد ہیں۔ یہاں پر اضافت بیان یہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسے آنسو اور بیماری جو محبت اور درد سے پیدا ہوتے ہیں۔

④ وَأَثْبَتَ الْوَجْدَ مَخْطَىٰ عِبْرَةٍ وَضَنِي
مِثْلَ الْبَهَارِ عَلَىٰ خَدِّكَ وَالْعَنَمَ

عشق ثابت کر دو برو خط اشک و لاغری
چوں بہار روئے یار و سرخی شاخِ عنم
خطِ اشک اور لاغری نے عشق ثابت کر دیا
زرد رخساروں پہ گویا سرخی شاخِ عنم

ترجمہ: غم نے کمزوری اور آنسو کے دو خط (نشان) تیرے دونوں رخساروں پر مثل بہار اور عنم کے نقش کر دیئے ہیں۔

لفظی تشریح

اثبت کا عطف شہادت پر ہے۔ الوجد: محبت کے سبب غم اور دار الحکم کے کاتب کے معنوں میں بھی استعمال ہے۔ الضنا کمزوری ضعیف۔ عام طور پر چہرے کی زردی کے ساتھ لازم ہے۔ البہار: باپ زبر کے ساتھ۔ زرد گلاب کے پھول کی ایک قسم ہے۔ العنم: ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں سُرخ اور نرم و نازک ہوتی ہیں انگلیوں کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ ضنا یہ رُخی کے وزن پر ہے۔ اس کا عطف

عبودۃ پر ہے جو کہ فعلیۃ کے وزن پر ہے۔

یعنی تیرے دونوں رخسار جو کہ بمنزلہ دوپتوں کے ہیں ان پر غم نے ایک نشان مثل عنم کے خون آلود آنسو کا اور ایک نشان مثل زرد گلاب کے پھول کے کمزوری کا گاڑ دیا۔ اس شعر میں نشر مشوش ہے (مرتب نہیں ہے) یعنی عبرہ کا تعلق عنم سے اور ضنا کا تعلق بہار سے ہے۔

کہا گیا ہے کہ خطین سے مراد دونوں رخساروں پر دونوں آنکھوں کے آنسو ہیں! اور ضنا کا عطف تخطی پر ہے۔ اور مثل البہار والعنم، تخطی کی صفت ہے لیکن اس صورت میں صفت اور موصوف کے درمیان اجنبی کے ذریعے سے فاصلہ ہو جاتا ہے جو کہ ضنا ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ ضن کا تخطی پر عطف کیا جاتے اور مثل البہار والعنم کو معطوف معطوف علیہ کے مجموعہ کی صفت بنا دیا جائے۔

معنوی تشریح

دونوں شعروں کا معنی یہ ہے کہ تم ایسے دو عادل گواہوں کی گواہی کے بعد جن کے متعلق تم جرح کرنے پر قادر نہیں ہو اور ایسے قاضی کے فیصلے کے بعد جس کا حکم گواہوں کی موجودگی کے سبب توڑا نہیں جاسکتا، کیسے محبت کا انکار کر سکتے ہو۔ اور (دکھ اور غم کے) قاضی نے دونوں رخساروں کی زردی پر منشور محبت دو سُرخ رنگ کے خطوط سے تحریر کر دیا یا ظہور اثر کے سبب قضیہ محبت کی دستاویز تیرے رخسار کے دونوں اوراق پر سُرخ اور زرد رنگ کے خط میں رقم کر دی۔ پس جو کوئی تمہیں دیکھتا ہے، تیرے چہرے سے نمودار ہونے والی محبت کی نشانی پڑھتا ہے اور تیرے رخسار پر واضح علامت کا مطالعہ کرتا ہے۔ پس رنگت کے انحراف سے انکار بالکل کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

علامہ بوسیری رحمۃ اللہ علیہ نے سرخی اور زردی کو چہرے کی طرف منسوب کیا۔ اس لیے کہ وہ ہی، حیرانگی، بے قراری اور شب بیداری کے سبب دل کے حالات عارض ہونے کا سبب قریب ہے اور مرض محبت، آنسوؤں کی روانی و انقطاع، چہرے کی سرخی اور زردی بلا اختیار ہے۔

اول اور بالذات محبت غم کا سبب ہے۔ اس کے بعد ثانیاً بالعرض ان احوال کا سبب ہے جو محبت کے بعد لازم ہوتے ہیں۔ اور جب بیماری کا معاملہ چہرے کو زرد کرنے پر اور آنسوؤں کا معاملہ سرخی کے ساتھ رنگنے پر ختم ہوا، تو علامہ نے ان کو عدالت سے موصوف کیا، کیونکہ ان کو باطل کرنا یا مستہم کرنا کسی کی مجال نہیں ہے۔ پس ضرور ہے کہ ظاہر اور باطن عشق اور محبت سے متاثر ہوئے ہیں اور محبت نے اپنی ذات کو محبت میں فنا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ رازوں کو خوب جانتا ہے۔

جب مخاطب کا محب ہونا ظاہر ہو گیا۔ اور حقیقتاً وہی مشکلم تھا تو وہ غائب سے مشکلم کی طرف لوٹ آیا اور محبت کا اعتراف کر کے کہا:

⑧ نَعْمَ سَرِي طَيْفٌ مِّنْ أَهْوَىٰ فَارَّقَنِي
وَالْحُبُّ يَعْتَرِضُ اللَّذَّاتِ بِالْأُولِيمِ

چوں خیالِ دلبرم آمد مرا بے خواب کرد
عشق آرد در میانِ خرمی رنج و الم
ہاں خیالِ یار نے مجھ کو جگیا رات بھر
لذتوں کو کر دیا ہے عشق نے رنج و الم

ترجمہ: جی ہاں، مجھے اپنے محبوب کا خواب آیا جس نے میری نیند کو اچاٹ کر دیا محبت دکھ اور درد دے کر آرام کو زائل کر دیتی ہے۔

معنوی تشریح

یہ اس امر کی تصدیق ہے جو حالات کے قرائن، گواہی کے ثبوت اور قاضی کی محبت کے بارے میں فیصلے سے استدلال کے ساتھ ثابت کیا گیا تھا۔ یعنی تو نے میرے خلاف محبت کا دعویٰ کیا۔ اور اس کو صحیح ثابت کیا۔ اس دعویٰ کے درست ہونے کو کمال حاصل ہے۔ بے شک میرے محبوب کے خیال نے مجھے رات کو بیدار رکھا۔ اور میرے مطلوب کے فراق نے مجھے سخت تکلیف دی یعنی مجھے رات کو جگا دیا۔ حالانکہ میں اس کے حال سے غافل ہو کر نیند کی لذت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ محبت اپنے محبوب کے دکھ کے سبب لذت سے منع کرتی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ محبت محبوب اور لذت دونوں کے درمیان خلل انداز ہوتی ہے۔

والحب يعترض.... الخ یہ جملہ حالیہ ہے یا جملہ معترضہ، لذت پسندیدہ چیز کے حصول کو کہتے ہیں۔ اور الم اس کا الٹ ہے۔ محبت مولا کے طریقہ میں مناسب یہ ہے کہ لذت کی تفسیر محبوب کے خیال کے ساتھ کی جاتے۔ اور الم کی تفسیر یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو محبوب کے ماسوا محب کے دل میں کھٹکے پس معنی یہ ہوتے کہ مجھے لیلۃ القدر میں وصال کا خیال آیا۔ اور مجھے غفلت کی نیند سے بیدار کر دیا۔ مجھے ارباب کمال کی طرح اپنے ذکر اور فکر میں مشغول کر دیا۔ ظاہری لذتیں، باطنی درد و آلام میں تبدیل ہوئیں اور محبت میں دکھ درد معنوی لحاظ سے لذتیں ہیں پس ان کے لیے کتنی سعادت کا مقام ہے۔

پھر شاعر نے زبان حال سے ملامت کرنے والے کو مخصوص نذا کے ساتھ پکارا اور

مخاطب کرتے ہوئے کہا:

⑨ يَا أَيُّهَا الْعُذْرِيُّ الْعُذْرِيُّ مَعْدِرَةٌ
مِنِّي إِلَيْكَ وَلَوْ أَنْصَفْتُ لَكُمُ

اے کہ در عشق ملامت سے کہنی معذور دار
گرتا انصاف باشد عذرازی از کرم

ناصحا تو عشق میں کر معذرت میری قبول
ہے اگر انصاف تجھ میں کر نہ مجھ پر یہ ستم

ترجمہ: بنی عذرا کی طرح محبت کرنے پر اے مجھے ملامت کرنے والے! میری
طرف سے معذرت قبول کر۔ اور اگر تو انصاف کرتا تو مجھے ملامت نہ کرتا۔

لفظی تشریح

العذری: عین کلمہ پر پیش کے ساتھ بنی عذره قبیلہ کی طرف منسوب ہے جو عرب کے
علاقہ یمن میں آباد ہے۔ جب وہ لوگ عشق کرتے، تو عشق میں مرجاتے، کیونکہ ان کی عورتیں
خوب صورت پاکباز اور حیا دار ہوتی تھیں۔ اور ان کے نوجوان محبت میں جلدی گرفتار ہونے
والے کم صبر والے اور زیادہ حیا والے ہوتے تھے۔

اور کہا گیا ہے کہ ہوی العذری سے مراد وہ حد سے بڑھنے والا ہے۔ جو ہر ایک

کے نزدیک مقبول العذر ہو۔

معذرة، أقبل فعل مقدر کا مفعول بہ یا أعذرتی فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے۔ اور

مِنْتِي مُعْذِرَةً کے متعلق ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ کسی محذوف کے متعلق ہے۔ الیک
یہ حال واقع ہو رہا ہے۔ یادوں (معدرة و۔ الیک) حال واقع ہو رہے ہیں
یعنی اس حال میں کہ معذرت میری طرف سے صادر ہو رہی ہے۔ جو کہ تیری طرف متوجہ
ہے یا تیری طرف پہنچائی گئی ہے۔

معنوی تشریح

معنی یہ ہے کہ میں تیری خدمت میں عذر پیش کرتا ہوں، کیونکہ میں مذکورہ محبت میں
بتلا ہوں۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے اور اگر تو انصاف کرے تو محبت کے بارے میں مجھے
ملامت نہ کرے۔ اور ملامت کو ترک کر دے، کیونکہ تو جانتا ہے کہ یہ چیز اختیار نہیں
بلکہ عشق اضطراری ہوتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ معذرة سے مَحْضَتِي النَّصْحِ
کی طرف اشارہ ہے۔ اور والحب يعترض اللذات بالاحسان بھی ہو سکتا ہے۔
اس کی تفصیل یہ ہے۔ اے مجھے ملامت کرنے والے! اس حال میں کہ حد سے
زیادہ مخمور محبت میری معذرت ہے۔ لہذا تو مجھے ملامت کر کے مجھ پر ظلم نہ کر بے شک
محبت نے میرا گوشت پگھلا دیا ہے۔ میرا خون بہا دیا ہے۔ اور میری آنکھوں سے آنسو
زائل کر دیے ہیں۔ میرے چہرے کی رنگت کو زرد رنگ میں رنگ دیا ہے۔ میرے قرار
کو لوٹ لیا ہے۔ میرے اختیار کو میری الفت نے چھین لیا ہے۔ ملامت تو اس
وقت مناسب معلوم ہوتی ہے جب کوئی کام اپنے اختیار سے کوئی آدمی کرے لیکن جب
ایک کام جبری اور فطری طور پر ہو تو اس میں کوئی عیب نہیں۔
پس معذرت کا حال یہ ہے کہ میری محبت میرا دشمن ہے اور غدیری کی محبت میرا عذر

ہے۔

مولانا عصام الدین نے کہا ہے کہ لفظ معذرة عذری کی نسبت سے تیر ہے اور صنی الیک کے متعلق ہے۔ یہ اسم فعل معنی ابعده ہے۔

⑩ عَدَّتْكَ حَالِي لَا سِرِّي بِمُسْتَتِرٍ
عَنِ الْوُشَاةِ وَلَا دَائِي بِمُنْحَسِمٍ

حال من وز نو گزشتہ سر من از دشمنان
نیست پنہاں درد من زائل نہ گشتہ از دلم

اب تو واقف ہو چکے اغیار بھی تیرے سوا
درد میرا ہونہیں سکتا کسی صورت سے کم

ترجمہ: میرا حال تجھ تک پہنچ گیا، میرا کوئی راز چغلخوروں سے پوشیدہ ہے
اور نہ ہی میری کوئی بیماری ختم ہونے والی ہے۔

لفظی تشریح

عَدَى عَنْهُ تَجَاوَزَ كَرْنَهُ كَوَكْتَهُ هُنَّ۔ سَوَى إِلَيْهِ سَوَايَةَ هُرْتَقْدِيرِ بِرِيَا
ایک محذوف حرف جر کا ہونا ضروری ہے۔ اور مشہور یہ ہے کہ الی حرف جار مقدر کیا
جائے تاکہ اس پر بدو عابن جائے۔ اس حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے
کہ جو آدمی اپنے بھائی کو کسی گناہ پر عار دلاتا ہے۔ تو وہ اس وقت تک نہیں مڑتا۔
جب تک کہ اللہ تعالیٰ اسے گناہ میں مبتلا نہ کر دے۔

الْوُشَاةُ: وَاِشْ كِي جَمْعٌ هِيَ لَعْنِي وَه جَمُوعَةٌ بِوَمِيرِے اور میرے محبوب کے

درمیان فساد ڈالنے کی کوشش کرنے والے ہیں۔

الْاِنْسِيَجَامُ : انقطاع کو کہتے ہیں۔

معنوی تشریح

چاہتے تھے کہ تیرا حال میرے حال جیسا ہو جاتے۔ تاکہ تو بھی میرا وبال اور میرے قلب و جگر کی سوزش کو چکھے۔ وہ یہ کہ میرا راز چغل خوروں اور ملامت کرنے والوں سے مخفی نہیں۔ تاکہ میں دشمنوں کے طعنے اور ملامت سے خلاصی حاصل کروں اور میرا مرض وصال کے ساتھ بھی ختم ہونے والا نہیں کہ میں سلامتی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یوں ہے کہ میرا مال تجھ سے تجاوز کر کے چغل خوروں تک پہنچا اور ممرضین پر میرا راز فاش ہو گیا، دوستوں اور دشمنوں تک پھیل گیا۔ یہ بیماری ختم نہیں ہوتی۔ جب کہ دوستوں کے پاس اس کا کوئی علاج بھی نہیں۔ جب تو نے اس مقام پر میرا حال جان لیا۔ تو انصاف کر اور ملامت کو چھوڑ دے۔

ممکن ہے کہ یہاں پر عن کو مقدر کیا جاتے جو اسکے حال میں مبتلا نہ کرنے کی اس کے لیے دوا ہے۔ اور مرتبہ کمال تک پہنچنے سے محرومی کی اس کے لیے بددعا ہے۔

دونوں جگہ پر حرف (لا) نفی جس کے لیے ہے۔ یہاں پر (لا)

نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک لا کا معنی پر داخل ہونا جانتے نہیں ہے۔

شاعر نے جب ملامت کرنے والے کی ملامت میں مبالغے کو دیکھا اور ظاہر ہو گیا کہ اس کا زخمی، سلامتی میں منحصر ہے اور اس نے اس پر ظلم کرنے میں مبالغہ اور اعتراف اس بات کا ہے جو اس کی عدم موجودگی میں اس پر الزام دھرایا جا رہا ہے۔

پھر جب اُس نے یقین کر لیا کہ اس کا عذر نفع مند نہیں ہے اور اس کی تدلیس فائدہ مند نہیں ہے تو اس نے انصاف کیا اور اس بات کا اعتراف کیا کہ قصور ہر حال میں اس کی اپنی جانب سے ہے تو شاعر نے اس مقام پر کہا۔

① مَحْضَتِي النَّصِيحَ لَكِنْ لَسْتُ أَسْمَعُهُ

إِنَّ الْمُحِبَّ عَنِ الْعُذَالِ فِي حَصَمٍ

تو نصیحت سیکھنی نیکو و من می شنوم

عاشقان باشند دایم از ملامت در صمم

تھی نصیحت خوب لیکن اس کو سنا کس طرح

ناصر عاشق کے حق میں ہے، سماعت کا عدم

ترجمہ: اس نے تو مجھے خلوص دل سے نصیحت کی تھی لیکن میں نے اسکی نصیحت نہیں سنی (اور نہ ہی سنوں گا) بے شک محبت کرنے والا ملامت گروں سے بہرہ ہوتا ہے۔

لفظی تشریح :-

النَّصِيحَةُ : دوسرے کے لیے بھلائی کا ارادہ کرنا۔

المحض :- خلوص اور صفائی قلب : یہاں پر اس سے عدم سماع مراد ہے۔

الحصم :- بہرہ پن :- یہاں اس سے مراد عدم توجہ اور عدم قبول ہے اور جواب دینا۔

والعذال : جمع عاذل کی : ملامت کے ساتھ نصیحت کرنے والے۔

معنوی تشریح :

اے مخاطب ! تو نے اپنی نصیحت کو میرے لیے خالص کیا۔ اور

تو نے مجھے محبت کے سلسلہ میں ملامت کرنے میں اپنی نصیحت کو اغراض فاسدہ سے پاک و صاف کیا۔ یہ ملامت محبت کے اسباب کی وجہ سے تھی۔ جیسے ضروری باتوں کی طرف توجہ کرنا۔ ان پر آگاہی حاصل کرنا، ان کی خوبیوں کے متعلق سوچنا۔ اور اس محبت میں والہانہ طور پر شیدا ہونا، لیکن اے میرے مخاطب! (ان تمام چیزوں کے باوجود) میں تیری نصیحت کو قبول نہیں کروں گا، کیونکہ میں عشق کا قیدی ہوں اور تو عقل کا امین ہے۔ اور عقل کا حکم عشق کی سلطنت میں جاری نہیں ہو سکتا۔ عقل تغیر کرتی ہے۔ اور عشق ان تغیرات کو منہدم کرتا ہے۔ عقل تجارت میں کام آتی ہے اور عشق جنگل میں لے جاتا ہے۔

اس شعر میں ایک حدیث صحیح کی طرف تلح ہے جو حضور نے ارشاد فرمایا: **حُبُّكَ الشَّيْءُ يُعْصِي وَيُصِمْ** کسی شے کی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔ اس حدیث کو امام احمد، ابو داؤد اور بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔

ملامت کرنے والوں کی بات کو نہ سنا ایک ایسی حالت ہے۔ جو تمام محبت کرنے والوں کو عام ہے۔ یہ عام حالت ذکر کرنے کے بعد شاعر نے اپنی رسوا کن حالت میں نصیحت قبول نہ کرنے کا ذکر کیا جو اس کے ساتھ ہی خاص ہے۔

⑫ اِنِّیْ اَتَلَمْتُ نَصِيْحَ الشَّيْبِ فِي عَدَلٍ
وَالشَّيْبُ اَبْعَدُ فِي نَصِيْحٍ عَنِ التُّلْمِ

شيب پندرم دادومن بردم گمان بد برو
گرچه شيب اندر نصيحت دور باشد از تلم

تھی ضعیفی کی نصیحت پھر بھی دل بدظن ہوا
گو نصیحت میں ضعیفی ہے بہت دور از تم
ترجمہ: میں نے اپنی ملامت کے سلسلے میں بڑھاپے کی نصیحت پر تہمت لگائی۔
حالانکہ بڑھاپا نصیحت کرنے میں تہمت سے کہیں دور ہے۔

لفظی تشریح

نصیح بمعنی ناصح ہے۔ اور یہاں پر اضافت بیانہ ہے۔ العذل بفتح ذال ہو تو
اسم مصدر ہے۔ اور العذل بالسکون ہو تو مصدر ہے۔ عصام نے کہا ہے کہ دونوں صوتوں
میں مصدر ہے۔ والشیب الہ جملہ اتہمت کے مفعول کا حال واقع ہو رہا ہے جو کہ
الشیب ہے۔

معنوی تشریح

نصیحت الشیب سے شاعر کی مراد یہاں پر یہ ہے کہ وہ (بڑھاپا) بہ زبان حال بوڑھے سے
کہہ رہا ہے کہ وہ (بوڑھا) (دنیا سے) کوچ کرنے کے قریب ہے۔ اب بد کاریوں سے منتقلی
اور توبہ کا وقت آگیا ہے۔ عشق مجازی کو چھوڑنا ضروری ہو گیا اور عشق حقیقی کو اپنانا لازم ہوا۔
اور حالات کی عدم اصلاح اور تفسیح اوقات میں جو نقصان ہوا اس کا تدارک کرے۔

اسی وجہ سے ابو یزید بسطامی قدس سرہ العزیز نے جب آئینہ دیکھا اور اس میں
غور کیا تو چہرہ نور پر ڈارھی شریف میں سفیدی نظر آئی۔ فرمایا: بڑھاپا ظاہر ہو گیا وہ کوئی عیب
نہیں لے گیا (گناہ ختم نہیں ہوئے) اور میں نہیں جانتا کہ آئندہ کیا ہوگا۔

جب عاشق کا یہ حال ہے کہ وہ بڑھاپے کی نصیحت بھی قبول نہیں کرتا جو کہ عیب
اور تہمت سے سراسر خالی ہے تو ملامت کرنے والوں کی بات کو بلا حیل و حجت بد بھولائی

قبول نہیں کرے گا۔ نیز کہا گیا ہے کہ اتہامِ شیب سے اس کا وقت سے قبل آنے پر محمول ہے تاکہ بڑھاپے کے زمانے میں جو ضروری چیزیں ہیں ان کو مستبعد نہ گردانے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ ادباًش لوگ محنتی لوگوں کی بہ نسبت جلدی بوڑھے ہونے والے ہیں۔ عربوں کا محاورہ ہے: الشیب نور الہوم۔

اس شعر کا معنی یہ ہے کہ میں نے ایسے ناصح پر تہمت لگائی جو ہر تہمت سے بری اور ہر ناصح سے سچا ہے اور وہ بڑھاپا ہے۔ وہ دل کے ٹوٹنے اور جسم کے گرنے (موت) پر دلیل ہے۔ پس سعادت مند وہ ہے جو اس کے وعظ سے نصیحت حاصل کرے۔

کہا گیا ہے کہ ایک آدمی نے اپنے سر میں بڑھاپے کو دیکھا تو اس نے اپنی عورتوں کو اکٹھا کیا۔ کہا: اے میرے گھر والیو! میرا بعض حصہ مر گیا۔ اور یہ شعر کہا:

إِذَا مَا مَاتَ بَعْضُكَ فَا نَكَ بَعْضُ

فَبَعْضُ الشَّيْءِ مِنْ شَيْءٍ قَرِيبٍ

ترجمہ: جب تیرا بعض حصہ مر گیا تو اب تو بعض ہے کسی چیز کا بعض

کسی شے (موت) کے قریب ہے۔

پھر شاعر نے بڑھاپا وقوع پذیر ہونے کے بعد اس کی تہمت کو علت بنا تے ہوئے کہا:

فَإِنَّ أَمَّارَتِي بِالسُّوءِ مَا انْعَضَّتْ

مِنْ جَهْلِهَا بِنَذِيرِ الشَّيْبِ وَالْهَرَمِ

نفسِ فرماں وہ بہ بدہامیہ کند و نیم خراب

وز جہالت پسند نہ پذیرد ز پیری و ہرم

نفس امارہ نے نادانی سے کچھ پروا نہ کی
یوں تو پیری کی نصیحت تھی نہایت محترم
ترجمہ: بے شک مجھے برائی کی طرف حکم دینے والے (نفس امارہ) نے اپنی جہالت کے
سبب پیری اور معمری کے ڈرانے سے کوئی نصیحت حاصل نہ کی۔

لفظی اور معنوی تشریح

فَا اس جگہ اِنَّهٗمْتُ پَرَعُظْف کے لیے شیب کو فائدہ دے رہی ہے یعنی جب میں
نے بڑھاپے جیسے ناصح پر تہمت لگائی تو یہ بات جہالت اور ڈرانے والے کی نصیحت سے
عبرت حاصل نہ کرنے کا سبب بنی۔ حالانکہ موت کے پہنچنے کی خبر دینے والا ہے اور وہ مکمل
پیری اور معمری ہے۔ یہاں نذیر معنی مُنذِر ہے۔

یہاں اصناف، صفت کو موصوف کی طرف مضاف کرنے کی قسم میں سے ہے۔
اللہم۔ بڑھاپے کی انتہا۔ المنذر موت کی قربت سے خوفزدہ کرنے والا جو تمام اطاقت
اور توبہ کو فوت کرنے والی ہے۔ و من جہل: یہ عدم اتعاظ کی علت ہے۔ کہا گیا ہے
کہ نذیر معنی انذار جو اتعاظ یا جہل سے متعلق ہے۔

جاننا چاہیے کہ نفس یعنی قوت حیوانیہ جو کہ قوتِ مدرکہ اور قوتِ محرکہ پر مشتمل ہے جب
وہ قوتِ عاقلہ کی مطیع نہ ہو تو وہ بمنزلہ چوپائے کے ہے جو کہ قوتِ عاقلہ کی خواہش اور غضب
کے مطابق نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی قوتِ عاقلہ اس سے خدمت لے سکے، تو ایسی صورت حال
میں وہ قوتِ نفس امارہ ہوگی اور قوتِ عاقلہ اضطراری طور پر چار و ناچار تابع فرمان ہوتی
ہے۔

ہاں! جب قوتِ عاقلہ اس کو اپنا تابع بنا لے اور اس کو ان مختلف اسباب سے

روکے تو اگر وہ اس کی خدمت میں کمر بستہ ہو جائے۔ اس کی اطاعت پر اس طرح کوشش سے عمل کرے کہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرے۔ اس کے روکنے سے باز رہے تو اس وقت عاقلہ نفس مطمئنہ ہوگی۔

اگر قوت حیوانیہ کبھی تو عاقلہ کی اطاعت کرے اور کبھی نافرمانی، تو جب وہ نافرمانی کرے تو وہ اس کی خواہش کی اتباع کرتی ہے۔ پھر نادم ہوتی ہے تو اپنے آپ کو ملامت کرتی ہے۔ وہ نفس لوامہ ہوگا۔ قصہ مختصر یہ کہ امارہ نافرمانی کرنے والے کو، مطمئنہ تابع فرمان کو اور لوامہ ملے جلے خیالات کا ارادہ رکھنے والے نفس کو کہیں گے۔

پھر اس شعر کو سابقہ شعر ما اتعظت پر عطف کیا۔

⑫ وَلَا أَعَدَّتْ مِنَ الْفِعْلِ الْجَمِيلِ قِرَى
ضَيْفِ الْكَدِّ بِرَأْسِي غَيْرَ مُحْتَشِمِ

ہم نہ کر دو کار نیسی کو بہر مہمانی او
یرسرم آمد فردا ز من نگشتہ محتشم

نیکیوں سے میں نے اس مہمان کی خاطر نہ کی
ان پہنچی جب ضعیفی سر پہ میرے ایک دم

ترجمہ: اور نفس نے اس غیر محتشم مہمان کی میزبانی کے طور پر کسی اہتمام خاص کی

تیاری نہیں جو میرے سر پہ اترا ہے۔ (یعنی بڑھاپا)

لفظی تشریح: فعل جمیل ہر وہ فعل ہے جس کو شرع یا طبع مستحسن گردانے۔

قصری۔ زیر سے میزبانی۔ یہاں اس سے مراد توبہ اور دیگر نیک اعمال ہیں۔ اَللّٰهُمَّ
 اترنا۔ الاحشام۔ بہ سبب احترام کے شرمنا۔ نفی احتشام کی قید بزرگوں کے نزدیک قرأت
 کی آسانی پیدا کرنے کے لیے ہے۔ سر کی تخصیص اس لیے کی کہ وہی پہلا مقام ہے جہاں
 بڑھاپا ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ بڑھاپا اس کے سر پر بحالت غفلت آیا ہے۔ کہا
 گیا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ بڑھاپا نفس کے نزدیک غیر محتشم ہے، کیونکہ وہ اس کو ناپسند
 کرتا ہے۔ وَاَعَدتْ بِرَسَبِيلِ عَطْفِ الْخَاصِّ عَلَى الْعَامِّ اتعظت پر
 عطف ہے، کیونکہ العاط زواج سے اجتناب اور اوامر پر عمل کرنے سے ہوتا ہے۔ یہ بھی
 ممکن ہے کہ العاط سے اجتناب اور اعداد سے خوبیوں کو اپنانا مراد ہو۔

معنوی تشریح

پہلے شعر سے اپنے نفس کی طرف اشارہ ہے کہ وہ قوت عاقلہ کے منع کرنے کے باوجود
 (برائیوں سے) باز نہیں آیا۔ دوسرے شعر سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ نفس نے قوت
 کاملہ (عاقلہ) کے حکم کی تعمیل نہیں کی جس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ (نفس) نافرمانی میں حد کو
 پہنچ گیا اور سرکشی کا حکم کرنے میں بھی انتہا کر دی۔
 غییر، اَلْحَدِّ کی ضمیر سے بوجہ حال واقع ہونے کے منصوب ہے۔ معنی یہ ہوا کہ
 نفس امارہ نے برائیوں سے اجتناب نہیں کیا اور طاعات پر عمل نہیں کیا۔ یہاں تک کہ
 اس نے معسزہ مہمان کی مہمان نوازی نہیں کی۔ اس سے مراد وہ مختلف قسموں کے
 خیالات بھی ہو سکتے ہیں جو بغیر احتشام کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ مہمان کی عزت افزائی
 عقلاً و نقلاً ضروری ہے۔ بالخصوص جب بڑھاپا آجائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تیرے پاس (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے

عزت والے مہمانوں کا قصہ نہیں پہنچا۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے (ضرور) چاہیے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ نیز فرمایا: بڑھے مسلمان کی عزت کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی عزت و تکریم میں داخل ہے۔

(۱۵) لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَرِنِّي مَا أُوقِرُهُ
كَتَمْتُ سِرًّا بَدَأَ إِلَيَّ مِنْهُ بِاللَّكْتَمِ

گر بدانتہم کہ مہمان رانمیدارم عزیز
کردمی تغیر اسفیدی مویم از کتم

کاشس! میں پہچانتا تو قیر اس مہمان کی
پس چھپا لیتا سفیدی سر کی از رنگ کتم

ترجمہ: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں اس کی توقیر نہیں کروں گا۔ تو جو راز اس کی وجہ سے نمودار ہوا ہے میں اس کو خضاب سے چھپا لیتا۔

لفظی تشریح

الکتم ایک نبات ہے و سمر یا ہندی سے ملا کر خضاب لگایا جاتا ہے۔ السی اس سے مراد بڑھاپے کا غفلت سے ڈرانا اس کا موت کے قریب ہونے پر تنبیہ کرنا ہے۔

معنوی تشریح

مطلب یہ ہے کہ اس (بڑھاپے) کا ظہور میرے علاوہ کسی اور کے پاس ہوتا تو میں اس

کے رازوں اور بھیدوں کو خضاب سے چھپا لیتا جو کہ میرے سر اور کھوپڑی پر نمودار ہوتے ہیں۔ تاکہ میں رسوائی اور زبان حال کی نصیحت کے عدم سماع کی طرف منسوب نہ کیا جاتا، کیونکہ زبان حال باتوں سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔

مَنْ لِي بِرَدِّ جَمَاحٍ مِنْ عَوَايِتِهَا
كَمَا يُرَدُّ جَمَاحُ الْخَيْلِ بِاللُّبْمِ

(۱۶)

نفس سرکش راز بے راہی کہ می آرد براہ
چوں لگامے اسپ سرکش آورد از راہ ہم

کون ہے جو نفس سرکش کو مرے یوں پھیرے
روکتے ہیں جیسے گھوڑوں کو لگاموں سے ہم

ترجمہ: کون ہے میرے لیے جو اس (نفس) کو سرکشی سے روکے جس طرح گھوڑے
کی سرکشی کو لگام سے روکا جاتا ہے۔

لفظی تشریح

الجماح، جیم پرزیر۔ جموح کی جمع ہے۔ اخلاق ذمیرہ کو بُرے چوپائیوں سے تشبیہی
گنتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ الجماح مصدر ہے۔ الرد۔ نفس کو اس کی سرکشی سے دور کرنا۔ من
عوایتہا جماح کی صفت ہے یعنی ایسی سرکشی جو اس کی گمراہی اور لاعلمی کی وجہ سے پیدا
ہوتی۔ اس شعر میں استفہام برائے تفریح، استعانت بالغیر اور استعطاف برائے
نفس خود ہے۔

معنوی تشریح

کون ہے جو مجھے مکار اور غدار نفس امارہ کے سبب واقع ہونے والے صفات اور بُرے اخلاق کے تبدیل ہونے اور احوال جمیدہ اور مقامات جلیدہ کی تحصیل کی ضمانت دے جیسا کہ غیر مہذب گھوڑوں کی ناپسندیدہ حرکات لگام سے تبدیل ہو جاتی ہیں۔ مواعظِ حسنہ کو لگام سے تشبیہ دی گئی ہے۔ عصام الدین نے فرمایا: نفس کو فرس سے تشبیہ دینا لسانِ شرع سے مانور ہے۔ "نَفْسُكَ مَطِيئَتُكَ فَأَرْفُقْ بِهَا تِرَافْسُ تِيرِي سَوَارِي" پس اس کے ساتھ نرمی اختیار کر۔ کہا گیا ہے (لگام سے) مقصود مرشدِ کامل ہے۔ جو عالمِ باعمل ہوتا ہے۔ پھر شاعر نے اپنے عیب کو محسوس کرتے ہوئے یوں کہا:

فَلَا تَرْمُرْ بِالْمَعَاصِي كَسِرِ شَهْوَتِهَا
إِنَّ الطَّعَامَ يُقْوِي شَهْوَةَ النَّهْمِ

پس مجھ پر غصیلِ عصیاں کسرِ شہوتِ ہائے نفس
زانکہ قوتِ میدہِ شہوتِ طعامِ اندر شکم

نفس کی خواہش گناہوں سے نہیں ہوتی ہے اور
جس طرح جوعِ البقر میں پر نہیں ہوتا شکم

ترجمہ: پس تو (نفس کی) خواہش توڑنے کے لیے معاصی (کے ارتکاب) کا

قصد نہ کر۔ بے شک کھانا بسیار خوری کی خواہش اور بچتہ کرتا ہے۔

لفظی تشریح: النہم۔ ہار پر زری کے ساتھ۔ اور زبر کے ساتھ بھی ہے۔ کھانے

کی خواہش میں افراط۔ بطور صفت واقع ہوا ہے۔

معنوی تشریح

جب تو گناہ سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے سرکشی کو روکنے کا ارادہ کرے تو پھر مناہی کے ساتھ نفس کی خواہش کو توڑنا اور لہو و لعب کے ساز و سامان کے ساتھ اس کی شہوت کو جڑ سے اکھیرٹنے کی تدبیر نہ کر۔ یعنی یہ گمان نہ کر کہ جب تو اس کو اس کے مقاصد کے ساتھ پُر کر دے گا تو یہ مضرات سے باز آ جائے گا۔ (ایسا ہرگز نہیں ہے) بے شک طلب مطلوبہ شئی کے پانے سے زیادہ ہوتی ہے اور طبیعت حسب مقتضا حاصل کر لینے سے قوت پکڑتی ہے۔ جیسے کوئی معدہ ناریہ یا جوع البقر میں مبتلا ہو۔ اس کی قوت مرضیہ چوپایوں کی طرح کھانے سے بڑھتی ہے۔ مریض استسقاء کی پیاس مسلسل پانی پینے سے زیادہ ہوتی ہے۔ پس معاصی اس کی خواہش کو بڑھائیں گے۔ گھمائیں گے نہیں بلکہ اس کو (مزید) خراب کریں گے۔ اس کی اصلاح نہیں کریں روحانی طبیعوں کے درمیاں یہ بات مشہور ہے کہ نفس کا علاج تخلیہ اور تجلیت سے ہوتا ہے۔ جیسا جسمانی طبیعوں کے ہاں یہ بات عام ہے کہ دوائی کا استعمال تقویت کے لیے ہوتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ نفس کے لیے سوائے پرہیز کے کوئی دوائی نہیں۔ ماوفات کی محبت میں اس کے لیے ابتلا ہے اور شاعر کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے۔

⑱ وَالنَّفْسُ كَالطِّفْلِ إِنْ تَهْمَلَهُ شَبَّ عَلَى
حُبِّ الرِّضَاعِ وَإِنْ تَقَطَّمَهُ يَنْفَطِمِ

نفس چوں طفل است گر شیرش دہی و اتم خورد
ورنہ شیرش باز داری او نہ خواهد، سپح دم

نفس کی میں عادتیں مانند طفل شیرخوار
دودھ پیتا جاتے گا جب تک چھڑائیں گے نہ ہم

ترجمہ: نفس بچے کی مانند ہے۔ تو اگر اس کو مہلت دے تو یہ دودھ پینے کی
عادت پر ہی جوان ہو جائے گا۔ اور اگر اس کا دودھ چھڑا دے تو خود بخود چھوڑ
دے گا۔

لفظی تشریح

شب الصبی: بچہ جوانی کو پہنچ گیا۔ الرضاع: رازہ پر کسرہ اور فتحہ دونوں ہیں۔

معنوی تشریح

نفس، دودھ پیتے بچے کی مانند ہے، کیونکہ نفس مضرت رساں مرغوبات میں مصروف
ہے اور ان پر عمل پیرا ہوتے وقت اس کی طبع میں اکٹاہٹ پیدا نہیں ہوتی، کیونکہ یہ دودھ
پیتے بچے کی مانند ہے۔ بعینہ اسی طرح اگر تو بچے کو دودھ پینے کی عادت پر چھوڑ دے تو وہ
مطابق طبیعت اسی عادت پر نشوونما پاتے گا۔ پھر وہ غیر ضروری حالات و اوقات میں بھی
دودھ پینے پر بصد ہوگا۔ (جس سے) اس کا مزاج اخلاطِ رقیہ سے اس وقت فاسد ہو
جائے گا۔ اور اگر تو پھر یہ لطائف الجیل پستان سے نفرت دلانے اور محبت و شفقت
سے کھانوں کی لذت سے مانوس کرنے سے اس کا دودھ چھڑا دے گا، تو وہ چھوڑ دے
گا۔ اور بجلانی کی لڑی میں شامل ہو جائے گا۔

جس نے کہا، خوب کہا۔ اس نفس رو، اگر تو رغبت دلائے گا تو یہ رغبت کرنے والا ہے۔ اور اگر تو اس کو قلیل کی طرف لوٹائے گا تو یہ اسی پر، قانع ہو جائے گا۔

فرمایا:

(۱۹) فَاصْرِفْ هَوَاهَا وَحَازِرْ أَنْ تُوَلِّيَهُ
إِنَّ الْهَوَىٰ مَا تُوَلِّي يَصِمُ أَوْ يَصِم

بازگیرش از ہوا بر خود ہوا حسا کم مکن
چو ہوا حاکم شود دینت پسد یا گشت کم!

خواہشوں کو روک ہرگز نفس کا تابع نہ ہو
تاناہ کر دے ختم یا پھر عیب والا کم سے کم

ترجمہ: پس روک لے اس نفس کی خواہش کو۔ اور احتیاط کر، کہیں یہ بچھریں غالب
نہ ہو جائے، کیونکہ جب نفسی خواہشات غالب ہو جاتی ہیں تو یہ یا تو ہلاک کر دیتی
ہیں یا عیب ناک بنا دیتی ہیں۔

لفظی تشریح

الاصرف: روکنا۔ کہا گیا ہے کہ کسی شے کو اس کے اثر سے روک لینا۔ الہوی: ہدایت کی
انگینت کے علاوہ نفس کا ایسی چیز کی طرف میلان ہونا جس کو وہ لذت سمجھتا ہے۔ حاذر،
احذر کا مبالغہ ہے، کیونکہ باب مفاعلہ جب تغلیب کے لیے نہ ہو تو وہ مبالغہ کے لیے
ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے۔ اس کا معنی ہے: احذر احذر (یعنی بار بار بچ)
وَلَا يَكُفُّ رَأْسُكَ وَلَا يَكُفُّ رَأْسُكَ وَلَا يَكُفُّ رَأْسُكَ۔ توئی الاعسر۔ قلاوہ پین لینا۔ اور اس معاملہ

کو لازم کر لینا۔ کسی کام پر والی بن جانا۔ ما: شرطیہ زمانہ ہے یا عمومیہ بعض نے کہا ہے کہ موصولہ ہے۔ عصام نے اسی کو پختہ کہا ہے۔ اصلی الصيد: شکار کو اسی جگہ قتل کر دینا جہاں وہ گرا ہو۔ و صم: عیب دار بنانا۔ یصم: اور یصم کے درمیان تجنیس خطی ہے۔ اور یہ صنعت بدیعہ ہے۔

معنوی تشریح

جب تمہیں معلوم ہے کہ نفس بڑے بڑے مفاسد کا تابع ہے (اس کے باوجود) وہ عظیم چیزوں (نصیحتوں) کے سبب ان مفاسد کے قطع کرنے کے قابل ہے۔ (تو اس وجہ سے) اس کو اپنی خواہش سے باز رکھو اور اس کو اپنی چاہت سے متغیر کر۔ اور اس بات سے ہر طرح بچنے کی کوشش کر کہ تو ہوئی کو اپنے دل کے قلعہ اور عقل کی مملکت پر امیر مقرر کرے۔ بے شک وہ گمراہی اور خیانت کا سبب ہے، حکومت اور امارت کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اور ہوئی (ہوس) جب والی بن کر مولیٰ کی مخالفت کرتی ہے تو انسان کو فوراً بدامیدوں کے سبب ہلاک کر دیتی ہے یا بد اعمالی کے باعث اس کو گمراہی میں خراب کر دیتی ہے۔

یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ماخوذ ہیں: وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ

عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ..... الخ

اور ہوئی کا اتباع نہ کر (نہیں تو) وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر دے گی۔ بے شک جو اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔ ان کے لیے سخت عذاب ہے، کیونکہ وہ روز قیامت کو بھول گئے۔ یوم قیامت کے نسیان سے مراد اس کی حقیقت پر عدم اعتقاد لیا گیا ہے۔ پس یہ ضلالت اضافی ہے۔

جب علامہ بوسیری اس بیان سے فارغ ہوتے کہ نفس میں تربیت حاصل کرنے کی

قابلیت ہے تو تخلیق کا بیان شروع کیا جو جلوت پر مقدم ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ نفس کی ریاضت سے مقصد، اس کو اپنی ہوس سے روکنا اور اپنے مولیٰ کی اطاعت پر مجبور کرنا ہے، اول زہد ہے اور ثانی عبادت ہے اور اسی وجہ سے فرمایا:

③ رَأَيْهَا وَهِيَ فِي الْأَعْمَالِ سَائِمَةٌ
ذَانِ هِيَ اسْتَحَلَّتِ الْمُرْعَىٰ فَلَا تَسِيمُ

نفس را مقهور کن چوں در عمل جولان کنی
ور بچیزے انس گیر و بازوارش از ستم
باز رکھ حسن عمل کو لذت تشہیر سے
اس چراگاہ ہوس سے دور رکھ اپنا قدم

ترجمہ: اور تو اس کی (نفس کی) نگرانی کر اس حال میں کہ وہ اعمال کو چرنے میں مشغول ہے (لیکن) اگر وہ چراگاہ کو بیٹھا گمان کرے تو پھر تم اس کو چراگاہ کی طرف نہ نکالو۔

لفظی تشریح

المراعات: نگرانی کرنا۔ سامت الماشیة، چوپائے کو اس وقت کہتے ہیں جب وہ چرنے لگے۔ الاسامہ، چوپائے کو چراگاہ کی طرف نکالنا۔ استحلی، بیٹھا شمار کرنا۔

علامہ بوسیری نے اعمال سے مراد اعمال صالحہ لیے ہیں بڑے اعمال چونکہ نفع سے

خالی ہوتے ہیں۔ اس لیے گویا وہ اعمال ہیں ہی نہیں۔ السومر، اس کا لغوی معنی تو چرنا ہے۔
اعمال میں چرنے سے علامہ نے اس میں مشغول ہونا مراد لیا ہے۔ المرعی، اس سے مراد
نوافل ہیں۔ واجبات اور مستحبات نہیں، کیونکہ یہ دونوں استحباب کے سبب ترک کا باعث
نہیں بنتے۔

معنوی تشریح

نفس کی دیکھ بھال اور نگرانی کر جب کہ وہ اعمالِ صالحہ میں مشغول ہو قطع نظر اس سے
کہ وہ باقی میں مشغول ہے یا کہ نہیں۔ اس کو جھڑک جب وہ خلوص نیت اور حضور قلب کے
بغیر جو کہ عادتِ انسانیہ ہے۔ نوافل میں مصروف ہو، کیونکہ عبادت غیر عادت ہے۔ اسی
وجہ سے کہا گیا ہے کہ ارادہ ترکِ عادت ہے۔

کہا گیا ہے کہ معنی یہ ہے، عبادت کے دوران اپنے نفس کا خیال رکھتا کہ اس کے
ارکان، شرائط، سنن اور آداب کے ترک سے محض عادت کے قائم مقام نہ ہو جائے یا
عبادت عجب، ریا، غرور، تکبر اور حصول دنیا کے مانند خارجی یا داخلی مفسدات کے
سبب فاسد نہ ہو جائے اگر نفس ظاہری عبادت پر قناعت کر جائے اور عبادت کی
معنوی اور صورتی مفسدات کی پرواہ نہ کرے تو اس کو بہتری کی طرف لا، کیونکہ وہ عبادت
نہیں ہے بلکہ محض عادت ہے۔ یہ معنی صاحبِ معادن کے قول کے مطابق ہے۔
اور ممکن ہے کہ اس شعر کو ایک ایسے عارف کے لیے خطاب بنایا جائے جو معارف
کو سمجھتا ہے تو کہا جائے گا۔ (اے عارف!) نیک عمل کر۔ اور اپنے عمل میں انتظار نہ
کر تا کہ تو بادشاہِ حقیقی (اللہ تعالیٰ) تک پہنچ جائے۔ اگر نفسِ اعمال کی زینت سے
مزین ہونے کے سبب غرور کرے اور احوال کے زیور کے ساتھ آراستہ ہونے کے

سبب، خود پسندی کرنے لگے ہو تو اس کو جھڑک دو، کیونکہ انہی اعمال اور احوال کے حصول کے بعد، وصولِ کمال ہوتا ہے۔ اور یہی وصال کی حقیقت ہے اللہ تعالیٰ ہم کو بھی یہ مقام عطا فرمائے جو کہ حفاظت کرنے والا بلند و بالا ہے۔

②۱ كَمْ حَسَّنْتَ لَذَّةَ اللَّمْرِ قَاتِلَةً
مِنْ حَيْثُ لَعْنُ يَدْرِيَنَّ السُّمَّ فِي الدَّسَمِ

لذتے کاں بامضرت با شد آراید نخلق
اں چناں کو در نیابد ایں کہ زہر اندر و سم

لذتیں چسکنی غذا کی زہر قاتل تھیں مگر!
کھانے والے نے نہ جانا اس میں پوشیدہ ہے سم

ترجمہ: کتنی ہی ایسی حسین لذتیں ہیں جو انسان کو یوں قتل کر دیتی ہیں کہ وہ نہیں
جانتا کہ اس مرغن (پرتکلف) کھانے میں زہر ہے۔

لفظی تشریح

یہ شعر فلا تَسِمْ کی علت بیان کر رہا ہے۔ کم خبر یہ ہے یہ منصوب المحل بطور مصدر

یا بطور ظرف ہے۔

اور یہ فعل حَسَّنْتَ کے متعلق ہے۔ یا علی سبیل التنازع لذاتہ کے

متعلق ہے یا قاتلہ کے متعلق ہے۔ حیث: اصل میں تو مکان کے معنوں میں ہے۔

استعارہ یہاں پر یعنی جہت استعمال ہوا ہے۔ وَالسُّمِّ۔ سین پر تین حرکات ہیں،

لیکن مناسبت کے لیے یہاں پر فتح کی روایت ہے۔ حسنت کا معنی یہ ہے؛ کسی شئی کو خوب صورت بنانا۔ اور حسن کی طرف منسوب کرنا۔ لَمْ يَرَوْا فِيهَا قَاتِلًا كَاتِلًا کا مفعول ہے۔ اس لام (حرف جار) متعدی بنانے کے لیے ہے۔

معنوی تشریح

نفس امارہ، غدار، مکار اور دھوکے باز ہے۔ کئی بار اس نے انسان کو دھوکہ دیا۔ وہ چیزیں انسان کی نظر میں حسین معلوم ہوتیں جنہوں نے اس کی فطرت کو خراب کر دیا۔ بس وہ اس طرح نفس کی بہبودہ باتوں سے دھوکہ کھا گیا اور اس کی چابک دستی سے ان ہلاکت کی چیزوں کو اچھا گمان کیا۔ پس وہ مقابلہ میں ہار گیا اور اس کے زیر کو تناول کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

پس اس نے اپنی بہتری کو نہ سمجھا اور ناگہاں اپنی ہلاکت میں جاگرا۔

اس شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف بھی اشارہ ہے؛ وَهَمَّ يَحْسِبُونَ

انہم یحسبون صنعا۔ (وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں، اس شعر میں ایک لطیفہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ لفظ السم، الدسم میں مذکور ہے۔ جیسا کہ کسی کمنے والے کے اس قول میں ہے؛ السفر قطعة السقر۔ یعنی سفر میں ایک نقطہ زیادہ کر کے سقر بنا دیا۔ یا فایر قاف بحساب جمل زیادہ کیا۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ سفر جہنم کے عذاب کی ایک قسم ہے۔ بے شک منجملہ اس کے عذاب کی تمام اقسام کے ایک قسم صمود ہے۔ وہ آگ کا ایک عظیم رسہ ہے۔ بشمول عذاب کی بقیہ اقسام کے جہنمی کو اس پر چڑھنے اور اترنے کی تکلیف دی جائے گی۔

یہ معانی ظاہر کرتے ہیں کہ شاء، کاتسک اس قسم کا فائدہ نہیں دیتا۔ اگرچہ یہ تھوڑا مبالغہ

کافائدہ دینا ہے جو کہ بحسب عادت خارج کے غیر مطابق ہے۔ اس کی مثال یہ ہے :
 العیادۃ افضل من العبادۃ (بیمار پر سی عبادت سے بہتر ہے۔) واللہ اعلم۔
 پھر شاعر نے بیان کیا کہ جس طرح نفس عبادت میں توجہ کرتا ہے اسی طرح ایسے
 مباحات میں بھی توجہ اور میلان کرتا ہے۔ جن سے سالک کو (مخصوص) حالات میں چھٹکارا
 نہیں ہے، تو اس نے کہا:

وَإِخْشَ الدَّسَائِسَ مِنْ جُوعٍ وَمِنْ شَبَعٍ
 قُرْبَتْ مَخْصَصَةٌ شَرٌّ مِنَ التُّخْمِ

تو بترس از حیلہ ہائے نفس چوں جوع و شبع
 گاہ باشد گشنگی بدتر از سیری و تخم

مگر سے کر خوف ان کے شکم سیری ہو کہ بھوک
 آفتیں خالی شکم کی کچھ نہیں سیری سے کم

ترجمہ: تم بھوک اور سیرشکی کی دسیسہ کاریوں سے ڈرو بسا اوقات فاقہ،
 سیرشکی سے بدتر ہوتا ہے۔

معنوی تشریح

یعنی بھوک اور سیرشکی سے حاصل ہونے والے خبیث مکروں اور حقیر ذاللتوں سے
 بچ بشب بیداری اور نیند، خاموشی اور گفتگو، میل جول اور گوشہ تنہائی، فقر اور غنی، کنوار پن اور
 شادی، بھی ان ہی دونوں (بھوک اور سیرشکی) کے معنی میں ہے۔ ان میں سے ہر ایک

میں منافع بھی ہیں اور نقصانات بھی۔ پس اکل و شرب میں زیادتی دنیا میں مصائب کا سبب بنتی ہے۔ اور آخرت میں عتاب کا۔ بے شک یہ ساری چیزیں جسد انسانی کی سیرابی کے لیے کوشاں ہیں جو کہ سالک کی روح کی سواری ہے۔ اور نفس کو ہلاکتوں میں گرانے اور اس کو جکڑنے کی طرف لے جاتی ہے اور انہی سے ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں، جو سستی، تضحیح عمر اور دل کی سختی، غفلت اور بہ سبب درازمی امید اس کی موت کے مقتضی ہوتے ہیں۔ کم خوری و کم نوشی حدت مزاج کا سبب بنتے ہیں اکٹاہٹ اور تھکاوٹ تحصیل کمال میں ہے۔ پس تم پر لازم ہے کہ غذا میں میانہ روی رکھو، کیونکہ اطراف (افراط و تفریط) گھٹیا ہیں اور درمیانہ پن میں فضائل ہیں۔ یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ماخوذ ہے، کلاوا واشربوا ولا تسرفوا (کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔) جس نے یہ بات کہی بہت خوب کہی کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صوری اور معنوی طب جمع کر دی ہے۔

شاعر نے اس شعر میں فرمایا کہ بسا اوقات سخت بھوک تخم سے بدتر ہوتی ہے۔ تخم تخمہ کی جمع ہے۔ تخم کہتے ہیں۔ طعام کا معدہ میں ہضم نہ ہونا، معدہ میں متعفن ہو جانا اور تکلیف دینا۔ مطلب یہ ہے کہ حد سے زیادہ پیٹ بھرنا۔ عرب اور دانا لوگ قلیل خورد و نوش پر مدح کرتے ہیں اور کثرت پر مذمت۔ دوسرا یہ کہ تھوڑا کھانا، قناعت، نفس پر کنٹرول اور خواہش کو ختم کرنے پر دلیل ہے۔ اور دل کی صفائی اور ذہن کی تیزی کا سبب ہے۔ بسیار خوری، حرص، شرارت، غلبہ شہوت اور ان کے علاوہ جن کا بیان ابھی گزر چکا ہے، پر دلیل ہے۔ بادی الرامی میں تو اس بات کا وہم ہوتا ہے کہ بھوک میں کوئی خرابی یا برائی نہیں۔ پھر جب وقتِ نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں ایک نہیں کئی برائیاں ہیں۔ پس اس طرح وہم دور ہو گیا اور حقیقتِ حال واضح ہو کر نچتہ ہو گئی۔

رُتِّ تَقْلِيلِ كَيْ لِيْهُ هُوَ تَا هِيْ اُوْر كَبِيْهِ تَكْتِيْر كَيْ لِيْهُ هِيْ هُوَ تَا هِيْ . پھر شاعر نے توبہ پر اکتاتے ہوئے اور رجوع پر برا نگیختہ کرتے ہوئے کہا:

۲۳ وَاسْتَفْرِغِ الدَّمْعَ مِنْ عَيْنٍ قَدْ امْتَلَأَتْ
مِنَ الْمَحَارِمِ وَالزُّمْرِ حَمِيَّةَ النَّدَمِ

پس بہار از دیدگان اشکت کہ چشمت پر شدہ
از محارم پس ملازم شو بدرگاہِ ندم !

ان گناہوں کو جو آنکھوں میں بسے ہیں دُور کر
ہو پیشیاں اور بہا اشکِ ندامت دم بدم

ترجمہ: پس فارغ کر آنسوؤں کو ایسی آنکھ سے جو بھرتی ہے حرام چیزوں سے اور
ندامت کی پرہیز کو لازم رکھ۔

لفظی تشریح

استفراغ علم طب میں پریشکی کا علاج بھی ہے۔ الحمیۃ (پرہیز) یعنی احتیاء
جو کہ ندامت اور بعض نے کہا ہے: حمیۃ الندم کا معنی یوں ہے ایسی پرہیز جو ندامت
سے حاصل ہو۔ والمحارم: معصومہ کی جمع معنی حرام ہے۔ حمیۃ الندم میں اضافت
بیانیہ ہے۔ آنکھ کا محارم سے امتلاء، کثرت مناہی کے ارتکاب اور شہوات اور کھیل کود کے
سامان کے ساتھ التذاذ سے کنایہ ہے۔

معنوی تشریح: اگر تیرا معنوی معدہ فاسد اور رُوی اشیا سے پُر ہو گیا ہے تو

تم امور منہیہ کے ارتکاب کے سبب ندامت کے ساتھ اپنی حسی آنکھ کے مدخل (معدہ) کو خالی کرو۔ پھر پرہیز کو لازم رکھو جو کہ ندامت ہے، کیونکہ توبہ کرنے میں یہی اصل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے میں اسی پر دار و مدار ہے۔ اسی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ندامت توبہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: حج عرفہ ہے۔ اگرچہ ان دونوں (توبہ، حج) کے اور ارکان بھی ہیں۔ اور یہ دونوں ندامت، عرفہ، ہر ایک (توبہ اور حج) کی حقیقت میں معتبر ہیں، کیونکہ ندامت جب آجاتی ہے تو توبہ کے باقی ارکان عموماً لازم ہو جاتے ہیں جیسے معصیت کا ختم ہو جانا، دوبارہ معصیت کی طرف عدم رجوع کا عزم کرنا، اور جو ان ارکان کے تابع ہوتے ہیں وہ بھی لازم ہوتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کے حقوق اور حقوق العباد کا ادا کرنا۔

اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مسلسل آنسوؤں کا بہنا گناہوں کو گراتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے۔ شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے:

فلیضحکوا قليلا والیسا لیکو کثیرا۔ ترجمہ: پس چاہیے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول فیہما عینان تجویان کے متعلق کہا گیا ہے جس کی آنکھوں میں آج آنسو ہیں وہ بہیں گے۔ ارباب حال میں سے کسی نے کیا خوب کہا ہے

کیف ترمی لیلی بعین تری بہا

سواھا وما طہرتھا بالمدامح

اور کسی اور نے کہا ہے

طہر العین بالمدامح سبعا

من شہود السوی نزل کل علة

پھر شاعر نے مراتب مشاہدہ کی طرف پہنچانے والے مقام مجاہدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

وَخَالَفِ النَّفْسَ وَالشَّيْطَانَ وَاعْصِمَا
وَإِنَّ هُمَا مَحْضَاكَ النَّصِيحَ فَأَتِيهِم

برخلافِ نفس و شیطان باش فرمانش میر
در نصیحت میکنندت قولِ شاںِ دالِ مستم!

نفس و شیطان کا مخالف بنمان ان کا کہا
ان کی اچھی بھی نصیحت جھوٹ سے کیا کچھ ہے کم

ترجمہ: (اے سالک!) تو نفس اور شیطان کی مخالفت کر اور ان دونوں کی نافرمانی
کر۔ اگر وہ تمہیں مخلصانہ نصیحت بھی کریں تو پھر بھی ان کو مستم کر۔

معنوی تشریح

(اے سالک!) تحقیق تو نفس کی وارفتگی اپنی خواہش پوری کرنے میں اور اس کی
حرص اور مبالغہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں، پہچان چکا ہے۔ نفس کا ایک مددگار بھی ہے
جو اس کے اپنے ارادے حاصل کرنے پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اور اس کے مقصودات کو اس
کے لیے مزین کرتا ہے۔ وہ شیطان ہے جس کو توبہ نہ کرنے والے پر غلبہ حاصل ہے۔ پس یہ
دونوں تمہیں جن باتوں کا حکم دیں یا جن سے منع کریں۔ تمہارے دشمن ہیں۔ تمہارا سب سے بڑا
دشمن تمہارا نفس ہے جو کہ تمہارے پہلو کے درمیان ہے۔ داخلی چور ایک لاعلاج بیماری ہے

جس سے بچنا کسی صورت میں ممکن نہیں ہے، کیونکہ یہ دشمن محبوب ہے اور محبوب کا عیب مستور و محبوب ہوتا ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ کسی شئی کی محبت تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔ اور شعر ہے ۔

وعین الرضا عن کل عیب کليلة

کہا ان عین السخط تبدی المسایما

رضا کی آنکھ ہر عیب سے تھکی ہوتی ہے۔ جیسا کہ ناراضگی کی آنکھ برائیوں کو ظاہر کرتی ہے۔

چونکہ وہ حصول امید کے مقام تک پہنچنے کے لیے سواری ہے۔ اس لیے تیرے لیے قوت اور سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اس کی موافقت ممکن ہے (بصورت موافقت) وہ تمہیں ہلاک کر دے گا۔ اس کا موٹا پا تمہیں کھالے گا۔ اور اس کی بھوک تمہیں رسوا کر دے گی۔ پس تم پر اعتدال لازم ہے تاکہ وہ (اعتدال) تمہیں وصال کی منزل تک پہنچائے۔ البتہ شیطان تو تمہارا ایسا دشمن ہے جس کے ساتھ کسی قسم کی صلح نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ تیری عداوت پر فطری طور پر پیدا کیا گیا ہے اور تیری گمراہی (تجھے گمراہ کرنے) کے درپے ہے پس اس سے محفوظ رہنے کے لیے آستینیں چڑھالے اور مخالفت کرنے میں کوشش کر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے پس اس کو دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو اپنے گروہ کو صرف اس لیے بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخی ہو جائیں بعض نے کہا ہے کہ شیطان کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگ، کیونکہ وہ اس کے ہٹانے اور دور کرنے پر قادر ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس کے ساتھ جنگ و جہاد کر۔ امام غزالیؒ نے فرمایا، ان دونوں چیزوں کو جمع کر دو۔ پس اگر تم استعاذات (اللہ تعالیٰ

کی پناہ مانگنے، کے ذریعہ کامیاب ہو جاؤ تو بہتر۔ اور اگر تم پر غالب آجاتے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد سے جہاد کر۔

مقصد یہ کہ تو ان دونوں (نفس اور شیطان) کی مخالفت کر جب کہ وہ کسی بات کا حکم کریں، اور ان کی نافرمانی کر جب کہ یہ تمہیں کسی بات سے روکیں۔ اگر یہ دونوں بظاہر تمہیں پُر خلوص نصیحت کریں تو ان کو عذر و خیانت، اور مکر و حیلہ کی طرف منسوب کر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک نفس برائی کی طرف بہت زیادہ حکم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور غلط باتوں کا حکم دیتا ہے۔

میں یہاں پر دو لطیف حکایتیں سناتا ہوں۔ ان میں سے ایک مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شنبوی معنوی میں ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ ایک دفعہ صبح کے وقت سوتے ہوئے تھے، تو شیطان آیا اور حی علی الفلاح کہنے لگا۔ حضرت معاویہؓ نے اس طرح ظاہر ہو کر حکم کرنے میں اس کے مکر اور دھوکے کو بھانپ لیا۔ فرمایا: تم تو صرف گناہ کا ہی حکم دیتے ہو تو تم نے مجھے طاعت کا حکم کیسے دے دیا۔ اس نے بہت تعلیاں کیں لیکن آپ نے کوئی توجہ نہ دی اور عاقل کو ان تعلیوں کے ساتھ دھوکہ دینا بھی ناممکن ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا: تمہیں اس بات کا سبب ضرور ظاہر کرنا ہوگا۔ یہ بڑی اچھی بات ہے شیطان بولا: ہاں۔ ایک روز آپ نیند کے غلبہ کی وجہ سے صبح کی نماز حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ادا نہ کر سکے۔ آپ اس کے فوت ہونے پر بڑے نادم ہوئے۔ اور اس کی ادائیگی میں حسرت ظاہر کی، تو جس قدر آپ نے طاعات کی تمہیں اس سے کئی گنا آپ کے لیے ثواب عطا کیا گیا۔ اس لیے مجھے اندیشہ ہوا کہ دوبارہ آپ نماز سے رہ گئے تو دوبارہ آپ کو زیادہ ثواب حاصل ہوگا۔

دوسری حکایت کو امام غزالی نے منہاج العابدین میں ذکر کیا ہے، ہمیں ایک نیک آدمی کی خبر پہنچی جس کو احمد بن ارقم ملحق کہا جاتا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے نفس نے جنگ کی طرف نکلنے کے لیے جھگڑا کیا۔ میں بڑا حیران ہوا اور سبحان اللہ! پڑھی کہ اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے کہ نفس برائی کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ نفس مجھے نیکی کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ (ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ دراصل یہ نفس تنہائی سے گھبرا گیا ہے اور لوگوں سے ملاقات کا خواہشمند ہے۔

تاکہ ان سے راحت حاصل کرے۔ لوگ اس کے بارے میں سنیں تو تعظیم و تکریم کے ساتھ اس کا استقبال کریں۔ میں نے (نفس سے) کہا۔ میں نہ تو تمھیں آبادی میں آماروں گا، اور نہ ہی کسی جان بچان والے کے پاس آماروں گا، تو اس نے میری بات کو قبول کر لیا۔ میں نے اس کے ساتھ بدگمانی کی اور کہا اللہ تعالیٰ زیادہ سچا ہے۔ میں نے اسے کہا: میں غیر مسلح ہو کر دشمن کے ساتھ جنگ کروں گا اور سب سے پہلا قتیل بنوں گا، تو پھر بھی اس نے میری تمام بات کو قبول کر لیا۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: اے میرے رب! مجھے (اس نفس کے بارے میں) آگاہ کرو۔ میں تیری تصدیق کرنے والا ہوں اور اس کی تکذیب۔ مجھے مکاشفہ ہوا گویا کہ وہ (نفس) کہہ رہا ہے۔ اے احمد! تم میری خواہشات سے باز رکھنے کے لیے ہر روز مجھے قتل کرتے ہو۔ اور کوئی بھی اس کو محسوس نہیں کرتا۔ (لیکن) اگر تم جنگ کرتے تو ایک ہی مرتبہ قتل ہو جاتے۔ میں بھی تمھارے ساتھ نجات پا جاتا۔ لوگ ایک دوسرے کو سناتے اور کہتے کہ احمد شہید ہو گیا، تو میرا چرچا اور وقار ہوتا۔ (احمد بن ارقم نے) کہا۔ پھر میں بیٹھ گیا اور اس سال جہاد کی طرف نہ نکلا۔

نفس کے دھوکے اور مکر کی طرف غور کرو تمہیں معلوم ہو گا کہ نفس موت کے بعد بھی کام کرنے سے باز نہیں آتا۔ کسی نے بہت خوب کہا: اپنے نفس سے محتاط رہو اس کی مکرشی سے مامون نہ رہو نفس کا شر شر شیطانوں سے زیادہ ہے۔

شاعر نے پھر سابقہ بات کی تاکید کی اور فرمایا:

(۲۵) وَلَا تُطِيعْ مِنْهُمَا خَصْمًا وَلَا حَكَمًا
فَأَنْتَ تَعْرِفُ كَيْدَ الْخَصْمِ وَالْحَكْمِ

ترک کن فرماں ایشاںِ نھم یا شد یا حکم
زاں کہ میب دانی تو مکرِ نھم و ہم مکرِ حکم

تو نہ کر ان کی اطاعت ہوں یہ حاکم یا عدو
جاننا ہے خوب تو مکرِ عدو مکرِ حکم!

ترجمہ: بصورتِ حکم یا نھم ان دونوں (نفس اور شیطان) کی اطاعت نہ کر
کیونکہ تم نھم اور حکم کے مکر کو جانتے ہو۔

لفظی تشریح

منہما مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے۔ اور تثنیہ کی ضمیر نفس اور شیطان کی طرف راجع ہے۔ فاء علت بیان کرنے کے لیے ہے۔ ایک نسخہ میں بجائے فار کے واو ہے۔ بعض علماء کے قول کے مطابق الف لام عہد خارجی کے لیے ہے، لیکن اظہر یہ ہے کہ یہاں الف لام تجنیس کے لیے ہے۔ الخضم وہ ہے جو اپنے آپ کو

ان دونوں کی طرف سے ہونا ظاہر کرے۔

الحکم وہ ہے جو یہ بات پوشیدہ رکھے۔ اور ہلاکتوں میں گمانے کے لیے وہ دھوکا دیتا رہے۔

معنوی تشریح

جس بات کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ شیطان اور نفس کی طرف سے ہے جیسے ظاہری بدعتی لوگ یا چھپے ہوئے فاسق لوگ ہیں، تو ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کر۔ کیونکہ (حکم و حکم میں سے) ہر ایک کی بات میں مکر اور تلبیس ہے اور ہر کام میں دھوکا اور تلبیس ہے۔ دشمن کے ساتھ محبت کرنے والا دشمن ہے اور دوست کو ناراض کرنے والا ابلیس ہے۔

تم میرے دشمن کے ساتھ پیار کرتے ہو پھر خیال کرتے ہو کہ میں تمہارا دوست ہوں یہ بات ناممکن ہے۔

شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: لا تطع منهم آثما او كفورا۔

یانبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ (خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ جب عاقل صارق، ناصح فاسق کو رکھے کہ وہ منہا ہی کے ساتھ متلون ہے اور لہو و لعب کے ساتھ مشتبہ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور توبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد

فرمایا:

اَتَاْمُوْنَ النَّاسِ بِالْبُرُوْتَتْسُوْنَ اَنْفُسِكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ

www.marfat.com

أَفَلَا تَعْقِلُونَ (کیا تم لوگوں کو حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔
حالانکہ کتاب (قرآن) بھی پڑھتے ہو۔ کیا تمہیں سمجھ نہیں آتی)

نیز فرمایا،

يا ايها الذين امنوا لم تقولون ما لا تفعلون۔ کبر مقتا عند
الله ان تقولوا ما لا تفعلون (اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات
کرتے ہو جو تم خود نہیں کرتے ہو بطور غصہ دلانے کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب
سے بڑی بات یہ ہے کہ تم ایسی بات کہو جو تم خود نہیں کرتے۔)

نیکی پر عمل نہ کرنے والے کا نیکی کا حکم دینا، اگرچہ اچھی بات ہے لیکن عرف ظاہری
کے مطابق گناہ ہے۔

(۲۶) اسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ قَوْلٍ بِلَا عَمَلٍ
لَقَدْ نَسَبْتُ بِهِ نَسْلًا لِّذِي عَقْمٍ

میں نے اللہ سے استغفار کیا کہ میں نے بلا عمل
بچہ منخواہم ازاں زن گو بود صاحب عقم

مجھ کو قول بے عمل سے توبہ کرنی چاہیے
گویا بانجھ عورت سے امید نسل رکھتے ہیں ہم

ترجمہ: میں ایسی بات سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں جس پر عمل نہ ہو۔

اس طرح سے میں نے بانجھ کے ساتھ اپنا نسب ملایا۔

لفظی تشریح

النسل اولاد، العقم بوزن فَرَسٌ وَعُنُقٌ اولاد کا نہ ہونا۔ بانچھپن، شاعر کا خیال ہے کہ جس طرح بے اولاد شخص کی طرف بچے کو منسوب کرنا جھوٹ اور تہمت ہے۔ اسی طرح قول و عمل کی نسبت ایسے آدمی کی طرف کرنا جو ان کے اہل نہ ہو، بھی سراسر جھوٹ ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ حکم کنندہ کا حال ظاہری یہ ہے کہ وہ خود اس کو ماننے والا ہے۔ گویا کہ اس نے اپنی ذات کی طرف یہ منسوب کیا کہ وہ اس عمل سے متاثر ہے اور گویا کہ یہ حالت طریقہ کے مطابق اس کے لیے ثابت ہے لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ اس کے افعال، اقوال کے مخالف ہیں۔ تو اس نے جس بات کا دعویٰ کیا ہے اس میں جھوٹا ہوگا۔ پھر شاعر نے بیان کیا کہ بغیر عمل کے بات کہنا اور دوسرے کو حکم دینا اسی کی نشان دہی کرتا ہے۔ اور فرمایا:

أَمْرُكَ الْخَيْرُ لَكِنْ مَا انْتَمَرْتُ بِهِ
وَمَا اسْتَقَمْتُ فَمَا قَوْلِي لَكَ اسْتَقِم

(۲۷)

امر کر دم من بہ خیرت خود نہ کر دم ہمچ خیر
راستی دروین نہ کر دم پس چہ سود از گفتنم

کی نصیحت دوسروں کو اور میں خود بے عمل
ہو نصیحت کا اثر کیا بے عمل جب خود میں ہم

ترجمہ: میں نے تمہیں نیکی کا حکم دیا لیکن خود اس پر عمل نہیں کیا۔ نہ ہی میں

نور سیدھے راستے پر ہوں تو تجھے میرا یہ کہنے کا کیا فائدہ کہ سیدھا راستہ اختیار کر۔

لفظی تشریح

پہلی دونوں جگہوں میں ما نافیہ ہے اور تیسری جگہ ما استفہامیہ ہے الخیر حرف جر نہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اکثر شارحین اسی بات کے قائل ہیں۔ اسی پر امام بیضاوی کا قول دلالت کرتا ہے، واصرت ان اکون من المومنین (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنین سے ہوں)۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں یہاں پر ان سے حرف جار حذف کیا گیا ہے اور جائز ہے کہ یہ حذف ان کے ساتھ عام ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ حذف اس کے علاوہ بھی جائز ہو۔ جیسے تم کہو: اصرتك الخیر فی فعل ما اصرت به۔ (میں نے آپ کو نیکی کا حکم دیا۔ پس جو میں نے حکم دیا ہے، وہ کرو)۔ محل حمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امر فعل دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے کبھی تو براہ راست اور کبھی باء کے ساتھ۔ اس شعر میں دونوں استعمال موجود ہیں۔ غالباً انھوں نے ظاہری استعمال کی طرف دیکھا ہے حقیقت حال واللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ممکن ہے کہ کبھی تو باء کے ساتھ استعمال ہوتا ہو اور کبھی بغیر باء کے۔

معنوی تشریح

امر سے مراد امر اور نہی دونوں ہیں اور خیر سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا انجام اچھا ہو مستقل استقامت سے مراد طاعت اور بندگی پر قائم رہنا۔ احکام کی تعمیل اور برائیوں سے اجتناب کرنا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میرے اس قول کی کوئی حقیقت نہیں ہے جب کہ وہ محض صورت ہی ہو۔ ایسی صورت میں کوئی اثر انگیزی اور بڑا نفع نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے، پہلے اپنے نفس کو نصیحت کرو اور وہ نصیحت قبول کرے تو پھر لوگوں کو نصیحت

کو ورنہ حیا کروکھا جائے گا کہ وہ ایسا طبیب ہے جو لوگوں کا علاج کرتا ہے حالانکہ وہ خود مریض ہے۔

وَلَا تَزُودُ قَبْلَ الْمَوْتِ نَافِلَةً
وَلَا أَصْلَ سِوَى فَرَضٍ وَلَا أَصْمِ

(۲۸)

توشہ ہرگز نہ کروم بہرِ زادِ آخرت
وز نماز و روزہ جز فرضے زیادہ در تم

زادِ راہِ آخرت اک نفل کا بھی تو نہیں
جز نمازِ فرض و روزہ کچھ نہیں رکھتے ہیں ہم

ترجمہ: موت سے قبل نہ تو میں نے نوافل کا زادِ راہ بنایا اور نہ ہی سوائے
فرضوں کے میں نے کوئی نماز پڑھی اور روزہ رکھا۔

لفظی تشریح

التزود طلبِ زاد اور اس کا آخری مرتبہ یہ ہے۔ مراد کی طرف توجہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا: وَتَزُودُوا فَاِنْ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى۔ اپنے لیے زادِ راہ بناؤ بیشک
بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ دنیا پل کی مانند ہے۔ لوگ اس پر سے
گزرنے والے ہیں اور اکثر بغیر عطا و نصیحت ہیں۔ لہذا سالک مرید کے لیے مراد
تک پہنچنے کے واسطے زادِ راہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ النافلة لغت میں مطلق
زیادتی کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں وہ طاعات مراد ہیں جو فرض اور سنن منکدرہ پر

زائد ہوں، تو جس طرح سفر خرچ دنیاوی سفر میں قرب مقصد کی طرف وسیلہ ہے۔
 ایسے ہی نفعی عبادات سیر معنوی میں مقصد اصلی کے ساتھ محبت کرنے کا ذریعہ ہیں۔
 حدیث شریف ہے کہ بندہ نوافل کے سبب میرے قریب ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس
 کے ساتھ محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس کے ساتھ محبت کرتا ہوں تو میں اس
 کی قوتِ سماعت اور قوتِ بصارت بن جاتا ہوں۔

معنوی تشریح

میں نے موت سے قبل نوافل میں سے کسی شئی کو اپنا زاد راہ نہیں بنایا۔ اور نہ میں
 مراتب کمال تک پہنچنے کے لیے فوت ہونے سے قبل تیار ہوا۔ اپنی کم ہمتی کے
 موجب فرض نماز، روزے پر اقتصار کیا۔ اور جیسا کہ عبودیت ادا کرنے کا حق تھا وہ
 راتوں کو جاگ کر کثرتِ نوافل سے ادا نہ کر سکا۔

یہاں سے علامہ بوسیری تشبیب سے مدحِ حبیب کی طرف منتقل ہوئے اور
 وصل لطیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بغیر وصلِ عطف کے فرمایا:

(۲۹) ظَلَمْتُ سُنَّةَ مَنْ أَحْيَى الظُّلَمَ إِلَى
 أَنْ أَشْتُكَ قَدْ مَاءُ الضُّرِّ مِنْ وَرَمِ
 مَنْ سَتَمَ كَرْدَمٍ بَسَّ بِرَسْنَتِ خَيْرِ الرِّسْلِ
 أَنْ كَرَا أَحْيَايَ شَبَاهَايَ پائے وکے کر دے م
 سنتِ بیداری شب پر کیا میں نے ستم
 طاعتِ شب کے سبب تھا جن کے قدموں پر دم

ترجمہ: میں نے اس کی سنت کو ترک کیا جس نے راتوں کو زندہ کیا۔ یہاں تک کہ ان کے قدم مبارک سو جن کے سبب تکلیف کی شکایت کرتے۔

لفظی تشریح

الظلم کسی شئی کو غیر محل میں رکھنا، اس سے مراد ہے کہ میں نے ترک کا قصد کیا۔ السنۃ پسندیدہ طریقہ۔ والظلم اس سے مراد رات ہے۔ بطریق لازم ذکر کر کے طزوم مراد لینا۔ الاحیاء کسی عبادت میں مشغول ہونے کی وجہ سے نیند کو ترک کرنا، کیونکہ نیند موت کی بہن ہے اور بیداری زندگی کی مانند ہے۔ ایقاظ اور احیاء برابر ہیں۔ نفس کو نیند سے بیدار رکھنا اسے زندہ کرنے کے مترادف ہے۔ حدیث شریف میں ہے: الحمد لله الذی احیانا بعد ما اماتنا (حمد ہے اس ذات باری تعالیٰ کی جس نے ہمیں موت کے بعد زندہ کیا)۔

قدیم تشریفین کی شکایت سے مراد ان کا عوارض بشریہ اور امور حسیہ کے سبب پیدا ہونے والے درد پر دلالت کرنا ہے۔ البتہ روح تو راحت معنویہ سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ اور وہ انسانی قدسی مقامات اور حالات سے مطمئن ہے۔ ظاہری اعضاء کی نسبت باطنی احوال کا اعتبار ہے۔ اسی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غنی (تونگری) کثرت مال سے نہیں بلکہ تونگری تو نفس کی تونگری ہے۔

الضّر: فتح اور ضمہ دونوں کے ساتھ۔ ینصوب بحذف حرف جار ہے یعنی وہ تکلیف جو درم کے سبب سے ہوتی ہے۔

معنوی تشریح: میں نے ان کی سنت کو ترک کیا جنہوں نے اللہ کے ذکر،

اس کی مناجات اور مختلف قسم کی طاعات میں اس قدر راتوں کو زندہ کیا کہ ان کے قدمین شریفین پر درم ہو گیا، لیکن اپنے مولیٰ کی عبادت کو ترک نہیں کیا۔ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ آپ اس قدر اہتمام کرتے ہیں حالانکہ میں نے آپ کو ہر طرح سے بخش دیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ اس کو مسلم و بخاری نے روایت کیا ہے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفعت کمال و علو مقام کے باوجود اس طور پر قیام فرماتے اور نماز پڑھتے جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوتے تو باقی مخلوق کو کیسے سزاوار ہو سکتا ہے کہ وہ چوپائوں کی مانند لمبی تان کر سوئے رہیں۔ کہا گیا ہے کہ عابد کے لیے اطاعت کرنے پر دو اجر ہیں۔ پہلا اجر نیند اور آرام ترک کرنے کی وجہ سے اور دوسرا عبادت کے تحمل کی وجہ سے! اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اجر بہ مقدار مشقت حاصل ہوتا ہے۔

جب علامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبارت کا ذکر کر چکے جو کہ عقلمندی میں درجات عیالیہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے تو حضور کی دنیا سے بے نیازی کے مقام اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تکالیف کے اختیار کرنے کی طرف اشارہ فرمایا

اور کہا ہے

وَشَدَّ مِنْ سَعْبٍ أَحْشَاءَهُ وَطَوَى

(۳۰)

تَحْتَ الْحِجَارَةِ كَشَحْمِثْرِفِ الْأَدْبِرِ

سنگ بستے بر شکم آں نازنین از گشنگی

سرف کر دے در رہ حق جملہ وینار و درم

بھوک کی شدت کے باعث اور فاقوں کے سبب
 آپ نے پتھر سے باندھا ناز پروردہ شکم
 ترجمہ : اور جس نے بھوک کے باعث اپنے پیٹ کو باندھ دیا اور نازک جلد
 (مبارک) والی کمر پتھر لپیٹ دیے۔

لفظی تشریح

شد کا احیا پر عطف ہے۔ من سبب ہے۔ سغب بھوک۔ الحشا
 دل۔ اور جس کو پیٹ محیط ہو۔ حشا البطن آنتیں۔ طوی لپیٹا۔ کشح کمر۔ یہ طوی کا مفعول
 ہے۔ المتوف اسم مفعول ہے۔ نازک۔ الادعہ ادیتہ کی جمع ہے۔ جلد۔

معنوی تشریح

میں نے اس کا طریقہ چھوڑا جنہوں نے بھوک کے ساتھ اس قدر ریاضت کی کہ آپ
 کو اپنے اعضا میں سے پیٹ اور لپٹیوں کے باندھنے کی حاجت ہوئی۔ اور آپ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے اپنی نرم و نازک کمر پتھر باندھا تاکہ آنتوں کے ہلکے پن پر پتھر کی ثقالت سے
 استعانت کریں اور پتھر کی برودت سے اعضا کی اندرونی حرارت سے آرام حاصل کریں
 باوجود اس کے کہ آپ سید الانبیاء و سید الاولیاء ہیں۔ آقا نے اپنے لیے غنی پر فقر
 کو ترجیح دی اور عقبی کے راستہ پر چلنے کے لیے یہی اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
 ان الانسان ليطغى ان رآه استغنى۔

البتہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول مبارک (کاد الفقر ان یکون کفراً) اپنی
 قدرت کے باوجود آپ کے کمال مشقت اور اپنی مراد پر کسی کا زیر بار نہ ہونے کی طرف
 اشارہ ہے۔ اسی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب لوگوں

کی نسبت انبیاء کی آزمائش سخت ہوتی ہے۔ پھر ان سے کم صوفیا کی۔

بھوک کے سبب پیٹ پر تپھر باندھنے کا واقعہ خندق کھودنے کے وقت ہوا۔ اس روایت کو بخاری نے حضرت جابر اور مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ فرمایا: میں ایک روز حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ صحابہ کرام کے پاس بیٹھے باتیں کرتے ہوئے پایا۔ اور حضور نے اپنے پیٹ مبارک پر پٹی باندھی ہوئی تھی صحابہ کرام نے کہا یہ بھوک کے سبب ہے۔ اس کو معنی نے نقل کیا ہے۔

چونکہ پہلے شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اور عبادت کی طرف اشارہ تھا۔ اور اس شعر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ریاضت اور روزے کی طرف اشارہ ہے۔ اس وجہ سے عوام میں سے ممکن ہے کہ کوئی سر بھرا یہ وہم کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ریاضت اضطراری (بسیب مجبوری کے) تھی اور خواص کے نزدیک اختیاری ریاضت معتبر ہوتی ہے۔ تو اس وہم کو دور کیا اور کہا ہے

③۱ وَرَأَوْدَتُهُ الْجِبَالَ الشُّمُّ مِنْ ذَهَبٍ
عَنْ نَفْسِهِ فَأَرَاهَا أَيُّهَا شَمِّمٌ

کوہ از زر کرد خود را عرض تا اگر دستبول
روے گردانید ازاں زر مصطفیٰ خیر ایشم

زر کے بن کر جب پہاڑ آئے کہ مائل ہوں حضور
کچھ توجہ تک نہ کی تھے آپ وہ عالی شمس

ترجمہ: سونے کے بڑے بڑے پہاڑوں نے اپنے آپ کو پیش کیا، تو حضور نے ان کو دکھایا کہ کتنے بلند ہیں۔ (بنظر حقارت ٹھکرا دیا۔)

لفظی تشریح

المراودة - پیش کش کرنا۔ باب مفاعلہ جب مغالبہ کے لیے نہ ہو تو مقابلہ کے لیے ہوتا ہے۔ الشم - یہ اشم اور شمم کی جمع ہے۔ ارتفاع اور بلندی کو کہتے ہیں۔ یہ ذهب (سونے) کی صفت یا اس سے حال واقع ہو رہا ہے۔ ایما شمم (بہت زیادہ بلندی)۔ اراھا کا مفعول ثانی ہے۔ اصل میں امی ما تھا۔ ما اس میں برائے تاکید زیادہ ہے۔ امی۔ شمم کی طرف مضاف ہے۔ یہ (شمم) مصدر بمعنی وصف ہے یعنی بلندی انتہا کی تھی جیسے کہا جاتا ہے۔ صورت بوجہ امی رجل (میں ایک مرد کے پاس سے گزرا جو مرد تھا یعنی مردانگی میں کامل تھا۔ پھر مقام کی مناسبت سے مضاف اور مضاف الیہ وصف کے معنوں میں استعمال کئے گئے۔

معنوی تشریح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے اراض فرما کر مولیٰ (اللہ تعالیٰ) کی طرف توجہ فرمائی۔ فقر کی تکالیف کو ردلت پر ترجیح دی۔ یہاں تک کہ دنیا روں کے بلند سرو قد پہاڑوں نے اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مختلف اقسام کی زینت کے ساتھ بھی آراستہ ہوتے حضور کی طرف حد درجہ کامیلان کیا کہ شاید حضور ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں گے جس سے حضور کی توجہ کے باعث ان کی شان بلند ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سا زاع البصر وما طغیٰ (نہ تو حضور کی نگاہ تھکی اور نہ ہی نافرمانی کی) (جلو نہ حق میں حضور اس قدر

منہمک تھے کہ دنیاوی مال و منال کی طرف آنکھ کا اٹھنا تو کجا اس کا خیال بھی دل میں پیدا نہ ہوا اور جمال جہاں آفرین کے دیدار میں محویت کا یہ عالم ہے کہ پلک بھی نہیں جھپکتی۔ مترجم، یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے بعد اس کے حکم کے مطابق ہوتی ہیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا تَمْدَنَّ عَيْنِكَ إِلَى مَا مَتَعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ
 زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لَنُفْتِنَهُ فِيهِ وَرِزْقَ رَبِّكَ خَيْرٌ
 وَالْبَقِيَّةُ -

(یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی توجہ ادھر نہ دیں جن کو ہم نے دنیاوی زندگی کی رونق سے متمتع کیا ہے۔ (دنیاوی آسائش) ان کے لیے آزمائش ہے۔ اور تمہارے رب کا دیا ہوا رزق بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی۔)

اس شعر میں اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ سے پوچھتا ہے کہ آیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ میں آپ کے لیے ان پہاڑوں کو سونا بنا دوں اور جہاں آپ جائیں وہ آپ کے ساتھ ساتھ چلے جائیں۔ حضور نے تھوڑی دیر سر کو جھکایا اور فرمایا: اے جبرائیل! یہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو۔ اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو۔ اس کو وہ اکٹھا کرتا ہے جو عقل سے محروم ہو۔ حضرت جبرائیل نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو اسی نچتے بات پر ثابت قدم رکھے۔ حضرت جلال الدین محلی نے فرمایا ہے کہ اس کو شفاء اور اس کے علاوہ دوسری کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ اسی روایت کے ضمن میں شاکر (شکر کرنے والا) غنی پر صابر فقیر کی فضیلت کی

شافی دلیل اور کافی بیان موجود ہے۔ عالی مرتبت سردار (ائمہ کرام) اور صوفیاء کے اصفاء گروہ کا اس پر اجماع ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے اسرار سے نفع دے اور ان کے نقوش کا تابع بنائے۔

نیز شاعر نے ارباب کمال میں سے کسی کے اس قول کی طرف اشارہ کیا: همة الرجال تلهيهم الجبال مردوں کی ہمت پہاڑوں کو گرا دیتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف تلمیح بھی ہے۔ وراثة التي هوفي بتيها عن نفسه۔

اس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادتی فضیلت کی طرف عمدہ اشارہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا حضور کو پیش کر دی، کیونکہ سونا چاندی تمام لذات و شہوات کو حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بعینہ کسی محاسبہ کے بطور اباحت پیش کیں، تو آپ نے رُخ پھیر لیا۔ اور انتہائی ضرورت اور اس سبب سے عبادات مالیہ کے حصول کے باوجود اس کو قبول نہ کیا۔

حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کو ایک خاتون نے اپنا نفس علی وجہ المحرمت پیش کیا تو آپ کو بے چینی اور جوصلے کا سامنا کرنا پڑا۔ کتنی عظیم ہمت ہے کیسی بڑی نعمت اور عمدہ پاکدامنی

وَ اَكَّدَتْ زُهْدَةً فِيهَا ضَرُورَةٌ
 اِنَّ الضَّرُورَةَ لَا تَعْدُو عَلَى الْعِصْمِ

با ضرورت ہا کہ بودش میل بر دنیا نہ کرو
 از ضرورت خستہ نہ بود آنکہ دور است از حرم

ایسی حاجت پر بھی تقویٰ کو کیا مضبوط تر
 یہ سچ ہے حاجت غالب آسکتی نہیں جب عیصم
 ترجمہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت نے آپ دنیا سے زہد کو
 ثابت کر دیا کہ ضرورت آپ کی عصمت پر غالب نہیں آسکتی۔

لفظی تشریح

الزهد نفس کا دنیا سے بے رغبتی کرنا اور خواہش سے منہ پھیرنا۔ الضرورة، شدت
 حاجت اور یہی اضطرار ہے جو کہ اختیار کی ضد ہے۔ عدا، یعدو۔ غالب آنا اور زبردستی
 قابض ہونا۔ العصم، عصمت کی جمع ہے۔ وہ ایک ایسی روکنے والی قوت ہے جس کو اللہ تعالیٰ
 نے اپنے خاص بندوں میں ودیعت فرمایا ہے۔ یہ قوت ان کو منہیات سے تعریض اور مامورات
 سے اعراض کرنے سے روکتی ہے۔

معنوی تشریح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری فقر اور آپ کی مؤقف حاجت نے آپ کے
 زہد، دین کی طرف رغبت اور ہوا میں چلنے والے سونے کے پہاڑوں کی طرف عدم توجہ کو
 ثابت کر دیا ہے۔ کہا کہ یہ امر خارق عادت ہے۔ اس کو کوئی اختیار نہیں کر سکتا سوائے اس کے
 کے جو عبادت کی حلاوت سے لطف اندوز ہوا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ انبیاء کے حق میں
 ترک کر دینا اور توجہ الی المولی اللہ تعالیٰ کی عصمت کے بغیر نہیں ہونا۔ اور اولیاءِ علماء کے حق
 میں اس کی حفاظت کے بغیر ترک کر دینا اور توجہ الی المولیٰ ناممکن ہے۔

پس جب فطری عصمت ان کو حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے ان
 کی بندہ مت غالب ہوتی ہے تو ضرورت غالبہ ان کے قوائے قلبیہ پر غالب نہیں ہو سکتی ہے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے قدسی ذوق میں سے عطا کرے اور ان کے انسانی تحفوں سے ہمیں نفع دے۔

(۳۳) وَكَيْفَ تَدْعُو إِلَى الدُّنْيَا ضَرُورَةً مِّنْ
لِّوَلَاةٍ لَّمْ تَخْرُجِ الدُّنْيَا مِنَ الْعَدَمِ
چوں تو اندن خواند بر دنیا ضرورت زان کر
ماندے دنیا گے بیرون نگشتے از عدم
کیا کرے مائل ضرورت ان کو دنیا کی طرف
گرنہ ہوتے آپ تو دنیا بھی ہوتی کالعدم

ترجمہ: اس ذات کو ضرورت دنیا کی طرف کیسے بلا سکتی ہے، کہ اگر وہ نہ ہوتا تو
دنیا عدم سے نکالی جاتی، (وجود میں نہ آتی۔)

لفظی تشریح

محلّی نے فرمایا ہے کہ تخرج فعل مجہول ہو کر استعمال ہو رہا ہے۔ اس میں ایک لطیف
نکتہ ہے جو کہ (عارفین سے) مخفی نہیں ہے۔ الدنیا اولیٰ (اسم تفصیل) کی مونث ہے۔
بمعنی آخرت کی نسبت ہمارے زیادہ قریب بعض نے کہا ہے کہ دنات سے مشتق ہے
جس کا معنی کینگی ہے۔ اس لفظ کو مقام تعجب سے نہایت مناسبت ہے۔ دنیا دراصل
دار یا الحیوۃ کی صفت ہے۔ اور کبھی لفظ دنیا مال و جاہ کی اعراض کا سد و اغراض
بواسطہ کے معنوں میں مستعمل ہوتی ہے۔ اور ان کے تابع مال کے سبب وبال کا باعث بننے
والی صورتوں پر بھی دنیا کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی اعتبار سے دنیا مذموم و کینی ہے البتہ تعجب

اللہ تعالیٰ کی رضا میں صرف ہو تو پھر مستحسن اور پسندیدہ بھی ہوتی ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے نیک مال نیک آدمی کے لیے ہی اچھا ہے، لیکن اس کے باوجود اکابر کا ملین کے نزدیک دنیا کا ترک کرنا ہی بہتر ہے۔ اسی سبب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے طالبِ دنیا! (تو دنیا کو طلب کرتا ہے) تاکہ تو نیک ہو جائے۔ تیرا دنیا کو ترک کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ایک آدمی کی گود میں درہم ہوں، وہ ان کو خرچ کرتا ہو اور دوسرا (شہنا) اللہ کو یاد کرتا ہو، تو اللہ کو یاد کرنے والا بہتر ہے۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا۔

دنیا اور آخرت علی وجہ الکمال دونوں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ یہ دونوں سوکنیں۔ اور ترازو کے دونوں پڑوں کی مانند ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنی دنیا کو پسند کیا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت کو پسند کیا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا۔ پس باقی رہنے والی چیزوں کو فانی ہونے والی چیزوں پر ترجیح دو۔

معنوی تشریح

ضرورتِ اختیاری و حاجتِ اضطراری اور فقر اس ذاتِ مقدسہ کو کیسے کہنی دنیا اور اس کے فانی اور رومی مقاصد کے میلان کی طرف بلا سکتے ہیں کہ اگر اس کا وجود نہ ہوتا تو دنیا عدم سے وجود میں نہ آتی اور نہ ہی کوئی موجود جہاں میں سوائے موجد (اللہ تعالیٰ) کے اپنا وجود پاتا۔

اس شعر سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ دنیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے اور وہ صرف حضور کے لیے اور آپ کے تابعین کے لیے ہی پیدا کی گئی ہے۔ (جب

یہ بات ہے تو وہ کیسے اس دنیا کے تابع ہو سکتے ہیں۔ یا اس کی خواہش میں مغلوب ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ان کی عالی ہمت اور گراں قدر خواہش تو یہ ہے کہ باقی رہنے والی نعمتوں کی طرف بھی توجہ نہ کی جائے۔ چہ جائیکہ لذات فانیہ کی طرف میلان ہو۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ دنیا اہل آخرت پر حرام ہے اور آخرت اہل دنیا پر حرام ہے۔ اور یہ دونوں اہل اللہ پر حرام ہیں۔

شعر میں اس حدیث کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی اور آپ نے عرش کے پائیوں پر یہ لکھا دیکھا تھا:

لا اله الا الله محمد رسول الله

تو آپ نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ وہ آپ کو حضور کے وسیلہ سے بخش دے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اب جب کہ تم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کیا ہے تو میں نے آپ کو بخش دیا ہے۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا۔ اس کو حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں موجود تمام چیزیں ان کے لیے پیدا فرمائیں۔ اور رات، دن اور چاند، سورج وغیرہ کو ان کے لیے مسخر فرمایا۔ البتہ یہ مشہور حدیث قدسی لولاک لما خلقت الافلاک لے محبوب! اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک تو پیدا نہ کرتا، جو ہے اس کی اصل کوئی نہیں ہے لیکن اس کے معنی صحیح ہیں۔ اور ان میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكُونِينَ وَالْثَّقَلَيْنِ
وَالْفَرِيقَيْنِ مِنْ عَرَبٍ وَمِنْ عَجْمٍ

(۳۲)

ان محمد سید کونین فخر النس و جاں
بہتر اہل دو عالم مہتر عرب و عجم !

ہیں محمد سید کونین شاہ جن و انس
اور شہنشاہ دو عالم مالک عرب و عجم

ترجمہ : حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت، جن و انس اور عرب و عجم
دونوں فریقوں کے سردار ہیں۔

لفظی تشریح

لفظ محمد میں کسرہ مروی ہے۔ بہ سبب ھن کے بدل ہونے کے اور بتدا
مخروف کی خبر ہونے کے لحاظ سے رفع بھی مروی ہے۔ بتدا مخروف ہو ہے زیادہ
درست یہ ہے کہ لفظ محمد بتدا ہے اور سید تا آخر اس کی خبر ہے۔ کونین
دنیا اور عقبی۔ یہاں مراد ان کے اہل ہیں۔ یعنی دنیا اور آخرت والے (یا کونین سے مراد
عالم الغیب اور عالم الشہادۃ ہیں۔ کہا گیا ہے کہ سید الکونین میں اصناف فی کے
ساتھ ہے۔

الثقلین اور الفریقین کا عطف کونین پر تمیم کے بعد تخصیص کے واسطے ہے
نیز اس بات کا جواب دینے کے لیے جس نے حضور کی رسالت کو جنوں کے علاوہ انسانوں
کے لیے اور عجم کے علاوہ عرب کے لیے ہی خاص کر دیا ہو۔ حسن پہلا بیانیہ ہے اور

دوسرا ضرورت کی وجہ سے زائدہ ہے۔ عرب اور عجم میں دو لغات ہیں۔ عَرَب و عَجَم اور عَرَب و عَجَم۔ اس شعر میں نہایت عمدہ اسلوب بیان ہے۔
 صحیح اصل میں اسم مفعول برائے مبالغہ ہے۔ پھر یہ لفظ و صفت سے اسمیت کی طرف منتقل ہو گیا۔ پس و صفت کی خوشبو علمیت میں جھلکتی ہے۔
 معنوی تشریح

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے محاورہ و مناقب بے شمار ہیں اور جن کے شان و شوہان بھی کثیر ہیں جب کہ انھوں نے حضور کے مراتب کو پہچانا۔ وہ کونین میں ہر موجود شئی کے سردار اور عالمین میں ہر ظہور پذیر ہونے والی شے سے افضل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دارین کو انہی کے سبب تخلیق فرمایا اور ان کو جنوں، انسانوں اور عرب و عجم میں سے ہر مکلف کے لیے رسول بنا کر بھیجا، بلکہ کہا گیا ہے کہ آپ ملائکہ کے بھی رسول ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ شجر و حجر، نباتات اور تمام مخلوقات اور سب حیوانات کے رسول ہیں۔ بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ آپ گذشتہ انبیاء کے بھی رسول ہیں۔ پس بالاطلاق حضور تمام کائنات سے علی الاطلاق افضل ہیں۔

نَبِينًا أَمَرَ النَّاهِي فَلَا أَحَدٌ
 أَبْرَفِي قَوْلٍ لَأَمِنَهُ وَلَا نَعَمِ

امر و ناہی سنجیب۔ اس رسولِ راست گو
 راست گو تر زوبہ بدور قول 'لا' و 'نعم'
 امر و ناہی کے پیمبر ہیں نہیں ان کا جواب
 میں نہایت صاف گو وہ قول 'لا' ہو یا 'نعم'

ترجمہ: ہمارے پیارے نبی (نبی کا حکم کرنے والے ہیں اور برائی سے) روکنے والے ہیں۔ پس کوئی بھی نفی یا اثبات کہنے میں حضور سے زیادہ راست باز نہیں ہے۔
لفظی تشریح

الذبی، مہموز اللام ہے۔ اور ہمزہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ بروزن فعل معنی فاعل بھی ہے اور مفعول بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خبر دینے والے بھی ہیں (یعنی فاعل) اور خبر دینے گئے بھی ہیں (یعنی مفعول) اور جمہور یا نئے مشدود کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ نبی نامحمد کا مبدل منشیہ ہے۔ کہا گیا ہے کہ لفظ نبی نبوۃؑ سے ماخوذ ہے۔ اور اس کا معنی بلندی ہے۔ پس حضور بلند مرتبہ ہیں نبی ایک ایسا انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ مبعوث کرے اور اس کی طرف وحی کرے۔ قطع نظر اس سے کہ اس کو تبلیغ کا حکم دیا ہے یا نہیں۔ پس نبی رسول سے عام ہے۔ امر و ناہی سے حضور کے رسول ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ اَبْرًا، بہت زیادہ سچا۔ راست باز۔

معنوی تشریح

ہمارے آقا و مولا اور نبی و رسول ہی من جانب اللہ مامور ہو کر پسندیدہ عقائد اعلیٰ اعمال اور بہترین اخلاق کا حکم دینے والے اور ردی افعال اور کینے کاموں سے روکنے والے ہیں۔ اور حضور ناقصین کی تکمیل میں حاذق ہیں اور اپنی ہر خبر میں صادق ہیں کیونکہ آپ اپنی نفسانی خواہش کے باعث گفتگو نہیں فرماتے۔ بلکہ (زبان مبارک سے جو گفتگو صادر ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلی یا نخی وحی کے سبب ہوتی ہے۔ پس نفی و اثبات میں کوئی بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سچا نہیں اور نہ ہی وعدہ و وعید اور باقی تمام حالات میں حضور سے زیادہ کوئی حق کہنے والا ہے۔

هُوَ الْجَبِيبُ الَّذِي تَرْجِي شَفَاعَتَهُ
لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْهُوََالِ مُقْتَحِمٍ
اِن جیب سے کو بود امید گاہ مردماں
در شفاعت نزد سختیہائے پچیدہ ہم
وہ جیب ایسے ہیں جن سے ہے شفاعت کی امید
ہوں گی نازل آفتیں پیش آئیں گے جب رنج و غم

ترجمہ: وہی ایک ایسا ذی شان محبوب ہے جس کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔ اچانک پیدا ہونے والے ہر خوف و مصیبت میں۔

لفظی تشریح

الجیب یعنی محبوب، مخلوق کی محبت، اپنے موافق کی طرف نفس کا میلان ہے اور خالق کی محبت اپنے بندے کے لیے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس کو سعادت کے ساتھ قدرت دینا، اپنی عبادت پر توفیق دینا اور اس کے لائق اسباب کا مہیا کرنا ہے، کیونکہ بندے پر اللہ کی رحمتوں کے خزانوں سے فیضان ہوتا ہے۔ شفاعتہ، غیر کی مدد سے غیر سے فضل اور عفو طلب کرنا۔ الہول یعنی خوف مصدر ہے فاعل یا مفعول کے معنوں میں مستعمل ہے۔ اقتحمت کسی معاملے میں شدت کے ساتھ داخل ہونا۔

معنوی تشریح

وہ بلند شان والا آقا اور واضح برہان والا نبی، وہ اللہ تعالیٰ کا ایسا جیب ہے جس کی شفاعت ثابت ہے۔ اور بڑے خوف میں ضرورت پوری ہونے کی امید کی جاتی ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کئی شفاعتیں ثابت ہیں۔ جیسا کہ معتمد احادیث میں وارد ہے۔ ان میں سے ایک شفاعت عظمیٰ ہے۔ وہ مقام محمود پر لوٹے حمد کا اٹھانا ہے۔ جس کا ہر چھوٹا بڑا محتاج ہے۔ یہ شفاعت یہ ہے کہ عذاب میں مبتلا لوگوں کا عذاب موقوف کرانا یا اس میں تخفیف کرانا۔ ایک یہ ہے مستحقین عذاب لوگوں کے گناہوں سے درگزر کرنا۔ ایک یہ ہے کہ مومنین میں اللہ تعالیٰ جن کو چاہے ان کے درجات بلند کرنا۔

دَعَا إِلَى اللَّهِ فَالْمُسْتَسْكُونَ بِهِ
 مُسْتَسْكُونَ بِحَبْلِ غَيْرِ مَنْقِصٍ
 مرد را خواندی بحق و ہر کہ دروے دست زد
 دست زد در حبل محکم کال بریدہ نشندم
 دعوت حق آپے دی اور کیا جس نے قبول
 اس نے ایسی ڈور تھامی جو نہ ہوگی منقصم



فَاقَ النَّبِيِّينَ فِي خَلْقٍ وَفِي خَلْقٍ
 وَلَمْ يُدْ أَنْوَاهُ فِي عِلْمٍ وَلَا كَرَمٍ

بہتر پیغمبروں میں در خلق و در خلق آمدہ
 کس چوا و نامد نہ در علم و نہ در وصف کرم

سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے خلق میں اور خلق میں
انبیاء میں سب سے اکمل آپ کا علم و کرم
ترجمہ: حضور تمام انبیاء سے حسن صورت و حسن سیرت میں بڑھ گئے۔ اور کوئی
بھی علم اور کرم میں حضور کے برابر نہیں ہے۔
لفظی تشریح

فاق فوق سے مشتق ہے۔ رفعت میں زیادہ ہونا۔ الخلق حسن صورت۔ اور وہ اعضاً
کا موزوں اور اشکال کا متناسب ہونا۔ الخلق حسن سیرت۔ اور وہ قوائے
نفسانیہ کا معتدل ہونا اور ان کا کمال سے متصف ہونا ہے۔ اوصاف کمال میں سے
علم کو خاص کیا کیونکہ وہ تمام فضائل کی اصل ہے اور کرم کو خاص کیا کیونکہ یہ نعمتوں میں
سے ہے اور وہ قدرت پر مبنی ہے پس یہ دونوں (علم و کرم) تمام کمالات کا مجموعہ ہیں۔
اور نظام کائنات کا مدار ہیں۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے جمال صوری میں اس قدر
فوقیت لے گئے کہ لوگوں نے آپ کو کریم ابن کریم ابن کریم پکارا اور کمال معنوی میں اس قدر بڑھ گئے
کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس آیت میں حضور کی تعریف کی۔ و انک لعلی خلق عظیم۔
جب انبیاء میں سے کوئی بھی علم کی کسی جنس میں اور کرم کی کسی نوع میں آپ کے مقارب
نہیں ہوا، تو علماء اولیا اور اصفیاء میں سے کوئی کس طرح حضور کے ساتھ ہمسری کا
دعویٰ کر سکتا ہے۔ ان رفیع الشان مناقب کی تفصیل مواہب لدنیہ میں دیکھیں۔

(۳۹) وَكُلُّهُمْ مِنْ رَّسُولِ اللَّهِ مَلْتَمَسٌ
غُرْفًا مِنَ الْبَحْرِ أَوْ شِفَاءً مِنَ الدَّيَمِ

ملتمس ازوے ہمہ انبیا و از رسل
یک کف از دریائے علم و شربتے ز ابر کرم

انبیاء سب ملتمس ہیں تاکہ مل جائے انھیں
ایک جرعمہ بحر سے یا قطرہ از ابر کرم

ترجمہ: ان (انبیاء) میں سے ہر ایک نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلبگار
ہے۔ سمندر سے ایک چلو کا یا موسلا و حار بارش سے ایک گھونٹ کا۔

لفظی تشریح

الغرف چلو بھڑنا۔ الرشف بارش۔ الیدیتم ویتہ کی جمع۔ رات دن مسلسل برسنے
والی بارش۔ رسول اللہ۔ اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ ذکر کیا تاکہ حضور کے وصف رفیع پر تنبیہ ہو۔

معنوی تشریح

تمام انبیاء یا ہر ایک (ان میں سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کناں اور

طالب امداد ہے جو کہ فرد کامل ہیں اور صاحب فضل مددگار ہیں وہ بحر علم سے کچھ شے یا مدد کثیر کے
طلب گار ہیں اور وہ آپ کی نعمتوں کے عطیات اور کرم کی بارشوں سے تھوڑی سی مقدار
کے خواہاں ہیں۔

وَوَاقِفُونَ لَدَيْهِ عِنْدَ حَدِّهِمْ
مِنْ نُقْطَةِ الْعِلْمِ أَوْ مِنْ شَكْلَةِ الْحَكْمِ

(۲۰)

نزد او استاده جملہ ہر یکے در حد خویش
نقطہ از علم دارو یا نصیب از حکم

اپنے حد مرتبہ پر سب کھڑے ہیں رو برو
جیسے نقطہ لفظ میں اعراب لفظوں میں ہم

ترجمہ: وہ (تمام کے تمام) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے اپنے مقام
پر علم کے نقطہ یا حکم کی شکل کی مانند کھڑے ہیں۔

لفظی تشریح

لدا یہ حضور کے سامنے۔ حدّ غایت بنتی۔ حکم حکمت، کی جمع۔ رائے اور
تدبیر کو نچتہ کرنا۔ علامہ نے نقطہ کو علم، اور شکل کو حکم کے ساتھ خاص کیا، کیونکہ شکل سے مزید
بیان حاصل ہوتا ہے جو نقطہ سے نہیں۔ یوں ہی کہا گیا ہے، لیکن اظہر یہ ہے کہ زیادہ ظہور
کے لیے نقطہ اولیٰ ہے اسی وجہ سے اس کو علم کی طرف مضاف کہا گیا ہے۔ اور شکل
ایک امر زائد ہے۔ اگرچہ نقطہ پر واضح شہادت کا مدار ہے لیکن شکل، نقطہ پر منحصر مفہوم کی
ماہیت سے خارج ہے۔ اسی وجہ سے اس کو حکم کی طرف منسوب کیا گیا۔ حکم ایسے دقیق امور
ہیں جو علوم شرعیہ کی طرف متفرع ہوتے ہیں۔

اسی وجہ سے حکم اظہر یہ کے رئیس نے جب باطنی حکم کے رئیس سے مستغنی ہونے
کا ارادہ کیا تو اس کو دروازے سے لوٹا دیا گیا اور وہ ایسے حجاب میں پڑ گیا جو ثواب سے

محروم اور عذاب میں مبتلا ہونے پر منتج ہوتا ہے۔

اور جب لفظ "کل" لفظاً و معنیٰ منفرد ہے تو اولاً متمس میں اس کی طرف ٹوٹائی جانے والی ضمیر کو مفرد لانا جائز ہے۔ اور دوسری مرتبہ واقفوں میں جمع لانا جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول کل کذب الرسل۔ ہر ایک نے رسولوں کی تکذیب کی۔ (کل لہ قانتون) ہر کوئی اس کا فرمانبردار ہے۔ (پہلی جگہ صیغہ واحد اور دوسری جگہ جمع مستعمل ہوا)۔

معنوی تشریح

علم سے مراد اللہ تعالیٰ کا غیر متناہی علم ہے۔ اور حکمت سے وہ حکمت مراد ہے جو گنتی اور شمار سے باہر ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے تمام انبیاء اور علماء کے ہر قسم کے علوم ایک نہ ختم ہونے والے نقطہ کی مانند ہیں۔ اور تمام لا دناؤں کی ہر قسم کی دانائی اللہ تعالیٰ کی لامحدود حکمتوں کے سامنے بمنزلہ ایک حرکت کے ہے۔ یہ نقطہ اور حکمت مکمل طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہیں۔ جب کہ باقی تمام نسبتاً کے لیے ایک معین حد اور معلوم و ظاہر مقام ہے جس پر وہ قائل ہیں۔ ذرا بھر اس سے آگے نہیں گزر سکتے ہیں۔

میں (شارح) نے جو کچھ نقطۃ العلم کے بارے میں بیاں کیا وہ اللہ تعالیٰ کے

اس قول کی طرف اشارہ ہے: وما اوتیتم من العلم الا قليلاً۔ تم کو

بہت تھوڑا علم دیا گیا۔ یا حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی اس بات کی طرف

اشارہ ہے کہ جب ایک چڑیا نے اپنی چونچ پانی میں ڈبوئی تو حضرت خضر علیہ السلام

نے کہا: تمہارا میرا اور تمام مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں صرف اسی قدر

ہے جتنا کہ اس چڑیا نے اپنی چونچ پانی میں ڈبوئی۔ اس کو بخاری نے روایت کیا۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ علم و حکم سے حضور کے تمام علوم و حکمتیں ماہوں۔
 کیونکہ حضور کا علم کئی اقسام کے فنون پر مشتمل ہے جیسے علم قرأت، علم تفسیر، علم لغت،
 علم تاریخ، علم مواعد، علم عقائد وغیرہ۔ مذکورہ اقسام میں سے ہر ایک علم و فن پر کئی
 مجلدات تصنیف ہوئیں کئی کتابیں تالیف ہوئیں۔

ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتیں ہر قسم کی حکمتوں کی جامع ہیں۔ ان میں
 سے ایک طب ظاہری ہے جو جسم سے متعلق ہے اور امراض روحانی کا معنوی علاج
 کرنے کا علم ہے۔ ان میں سے ایک اشیاء کے خواص اور ان کے منافع اور نقصانات
 کا علم ہونا ہے انہی میں ایک احوال فلکی و آفاقی کا علم ہونا ہے جس کو علم الہیئۃ کہتے ہیں۔
 ان میں سے ایک غیبی امور کا علم ہونا ہے جن کے متعلق کاہن اور نجومی عاجز ہو گئے
 ان میں سے ہی یہ علوم بھی ہیں۔ حقائق صوفیاء کا علم اور لغت عربی کے دقائق کا علم۔
 پس ان علوم کی تحریر سے کئی کتابیں مدون ہو گئیں اور ان کی تقریر نے منبرین ہو گئے
 یہاں تک کہ علمائے امت و زمانے انبیاء بن گئے اور ان کے لیے خوارق عادت
 ظاہر ہوئیں جو اولیاء اور اصفیاء کی طرف منسوب ہیں۔ پس ہر نبی کا علم اور حکمت حضور
 کی کتابِ علم کا ایک نقطہ ہے۔ اور حضور کے باب حکمت کی ایک حرکت ہے۔
 یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و منزلت کی نسبت باقی تمام انبیاء کا رتبہ
 اور حد کی حیثیت وہی ہے جو ایک نقطہ کو لفظ سے اور ایک شکل کو اس کے معنی اور مفہوم سے۔
 اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے جامع کلمات دیتے گئے
 اور مجھے مکارم اخلاق کا حکم دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا اسی طرف اشارہ ہے،
 وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ۔ تم اپنے رب کی طرف سے نازل

کئے گئے قرآن کا بہترین اتباع کرو۔

④۱ ﴿فَهُوَ الَّذِي تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُورَتُهُ
تَمَّ اصْطِفَاءً حَبِيبًا بَارِعًا النَّسَمِ﴾

از خلّاق او بود در صورت و معنی تمام
برگزیدش بر محبت خالق روح و نسّم!

صورت و سیرت میں ہیں سرکار عالی مرتبت
اس لیے ان کو کیا حق نے حبیبِ محترم

ترجمہ: پس وہی ایسی ذات ہے جو معنا و صورتاً مکمل ہوئی۔ پھر ذمی روح کو پیدا
کرنے والے نے آپ کو حبیب منتخب کر لیا۔

لفظی تشریح

فہو میں ہاء کو ساکن پڑھا جائے گا۔ اور معنایہ میں ؤ کو اشباع کے ساتھ۔ یہ

دونوں مشہور و متواتر لغات میں ہیں پس جس نے کہا کہ یہ ضرورتِ شعری کی وجہ ہے اس نے غلطی

کی۔ حبیباً حال واقع ہو رہا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ اصطفیٰ کا مفعول ثانی ہے کیونکہ اصطفیٰ

جعل کے معنی کو متضمن ہے۔ النسم۔ نسمة کی جمع ہے اس سے مراد یا تو نفس (روح)

ہے یا ہر ذی روح ہے بعض نے کہا کہ آدمی مراد ہے فیہو میں فاء جزاء کے لیے ہے۔

معنوی تشریح: جب معلوم ہو گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام

سے حسن و سیرت میں بڑھ گئے ہیں اور شریعت و حقیقت میں یا احوال و اعمال میں یا علم و عمل میں

ظاہر و باطن میں یا مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ میں یا مطلق کمال میں تمام انبیاء پر فوقیت لگے گئے نہیں تو یہ بات ظاہر ہو گئی کہ زمین و آسمان کی تخلیق کرنے والے اور روحوں کو پیدا کرنے والے نے آپ کو تمام مخلوق سے چن لیا ہے۔ لفظ **شَدَّ** یہاں صفات مصطفویہ میں ترتیب ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ **(شَدَّ)** باب تراخی میں سے ہے۔

یعنی آپ کے لیے صورت و سیرت مکمل ہونے کے بعد نبوت کا مرتبہ مقرر کیا گیا۔ اگرچہ اس مرتبہ کا عطا کرنا کمالات صوریہ کے وجود پر موقوف نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر یکساں قادر ہے۔ اختلاف تو امور عادیہ کی بنیاد پر ہے۔

اس میں اصطفا کی مدت کے انتظار کا بھی اشارہ ہے۔ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ پر ترجیح کی طرف اشارہ ہے۔ پس جس کو بچپن میں نبوت عطا کی گئی اگرچہ ذہن میں مذکورہ بیان کا الٹ متوہم ہے (پھر بھی حضور کا مقام و مرتبہ مرجح ہے) یہ مضمون کمالات عصامیہ سے استفاد ہے۔

شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف تلمیح ہے۔ اللہ یصطفیٰ... الخ اللہ تعالیٰ ملائکہ اور لوگوں میں سے رسول منتخب کرتا ہے۔ اور اس حدیث صحیح کی طرف بھی تلمیح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اولاد اسمعیل سے کنانہ کو منتخب کیا۔ کنانہ میں سے قریش کو چنا اور قریش سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم سے مجھ کو چنا۔ اس کو مسلم نے روایت کیا۔ اور ایک روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم میں اسمعیل کو چن لیا۔... الخ اس کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں بروز قیامت بنی آدم کا سردار ہوں،

لیکن کوئی فخر نہیں۔ میرے ہاتھ میں لوہا الحمد ہوگا، لیکن کوئی فخر نہیں۔ اس روز حضرت آدم اور ان کے علاوہ تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ میں پہلا انسان ہوں جس کی قبر شق ہوگی، لیکن کوئی فخر نہیں۔ میں سب سے پہلا شافع اور شافع (جس کی شفاعت مقبول کی جائے) ہوں اور کوئی فخر نہیں۔ اس کو احمد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا۔

(۲۲) مُنْزَعٌ عَنِ شَرِيكَ فِي مَحَاسِنِهِ
فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيهِ غَيْرُ مُنْقَسِمٍ

او منزه از شریک اندر محاسن آمدہ
جوہر حسن محمد پارہ نامدور رقم!

کوئی عالم میں نہیں ان کا محاسن میں شریک
حسن میں جوہر ہے یکتا جو نہ ہوگا منقسم!

ترجمہ: آپ اپنے محاسن میں شریک سے منزه ہیں۔ پس حضور کی ذات مقدسہ

میں جوہر حسن غیر منقسم ہے۔

لفظی تشریح

منزه خبر ثانی ہے ہو کی۔ المحاسن حسن کے خلاف قیاس جمع آتی ہے۔ فیہ اشباع ضمیر کے ساتھ۔ جار مجرور حسن کی صفت یا حال ہے، جوہر حسن جو کہ عرض ہے۔ اس کو ثابت کرنے اور اس پر عدم انقسام کا حکم لگانے میں لطافت ہے جو مخفی نہیں۔

مسنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاندار جمال صورت اور عمدہ سیرت میں کوئی بھی اس جہاں میں آپ کا شریک نہیں ہے۔ یا تو حقیقی طور پر من حیث المجموع تمام محاسن میں یا فرداً فرداً ہر ایک میں۔

گویا دوسروں کے محاسن حضور کے مقابلے میں حسن ہیں ہی نہیں۔

دَعَّ مَا دَعَّتْهُ النَّصَارَىٰ فِي نَدِيهِمْ
وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيهِ وَاحْكُمْ

(۴۳)

انچہ ترسایاں بگفتند در حق عیسیٰ مگو
پس بگو در حق سید انچہ خواہی در حکم

جو نصاریٰ نے کہا عیسیٰ کے حق میں تو نہ کہہ
جس قدر ممکن ہو کر مدحِ نبیٰ محترم

ترجمہ: نصاریٰ نے اپنے نبی کے متعلق جو دعویٰ کئے ان کو چھوڑ دینا ان کے
علاوہ) جو چاہے بطور مدح حضور کی ثنا خوانی میں حکم لگاؤ اور دانائی استعمال کرو۔

لفظی تشریح

لفظ نبی میں یا پر تشدید بھی جائز ہے اور ہمزہ کے ساتھ بھی جائز ہے اور جمع
کی ضمیر (ہم) کی ضمیر کو اشباع کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں وقف بھی کر سکتے ہیں مدحا
تمیز ہے۔ الاحتمال حکمت کا استعمال کرنا۔ اور حکم کو نچتہ کرنا۔

مسنوی تشریح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں وہ باتیں ترک کر دے جن کا دعویٰ نصاریٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے کیا۔ جیسے اتحاد، حلول، تثلیث، تناسخ، تو والد اور اس کے علاوہ ایسی چیزیں جو کفر، شرک اور گمراہی کا سبب بنتی ہیں جن پر عذاب اور سخت وبال مترتب ہوتا ہے۔ بعض نے کہا: مسیح ابن اللہ ہیں۔ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی مسیح ہے۔ بعض نے کہا: اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم منصب و مرتبہ اور شان کی بلندی کے باعث حضور کی نعت اور مدح کے طور پر جو چاہو کہو۔ لیکن دانائی سے کلام کرنا۔ مدح کا حکم گانے میں توقف کرنا۔ تاکہ حضور کی نعت حد انسانی اور وصف صمدانی سے متجاوز نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یا اهل الكتاب لا تغلوفی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور حق کے سوا اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی بات نہ کرو کہیں خاک اور کہاں رب الارباب۔

④ ۴۲

وَالنُّسْبُ إِلَىٰ ذَاتِهِ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ
وَالنُّسْبُ إِلَىٰ قَدْرِهِ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمٍ

نسبت اندر ذاتِ او کن ہر چہ خواہی از شرف
نسبت اندر قدر او کن ہر چہ خواہی از عظم
جو شرف ہو ذاتِ اقدس کی طرف منسوب کر
جتنی عظمت چاہتے کر شان والا میں رقم!

ترجمہ: حضور کی ذاتِ مقدسہ کی طرف جو چاہو عظیم مرتبہ منسوب کرو۔ اور آپ کے قدر رفیع کے ساتھ جو چاہو عظمت بیان کرو۔

لفظی تشریح

ما موصولہ ہے۔ من بیانہ ہے۔ تنوین برائے تعظیم یا فصاحت ہے۔

معنوی تشریح

جب تم نصاریٰ کے دعویٰ اور حیرت زدہ لوگوں کی گفتگو کی مانند (بیہودہ باتوں کو) ترک کرو گے تو پھر تمہارے لیے گنجائش ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ معظمہ کی طرف نسبت کے دائرہ میں رہ کر اوصافِ مکرر جیسے جمالِ صورت، کمالِ اخلاق، پسینے کی خوشبو، عقل کی تیزی، دل کی صفائی، بلاغتِ کلام، فصاحتِ لسان اور باقی تمام کمالات میں سے جو چاہیں بیان کریں، کیونکہ آپ منبعِ احسان اور مبدعِ رحمت ہیں۔ اور یہ بھی تمہارے لیے رخصت ہے کہ حضور کے کمالِ قدرت و مرتبہ، حضور کی عظمت اور باوقار ہدیت کا احاطہ کرنے والی نسبت میں، انواعِ عظمت، فنونِ کرامت اور اجناسِ معجزہ جن کی حد غیر متقنی اور تعداد غیر معدود ہے، میں سے جو چاہیں حضور کی ثنا خوانی کے لیے منسوب کریں۔

فَانِ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَمْ
حَدٌّ فَيُعْرَبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٍ

(۲۵)

فضل و جاہِ مصطفیٰ حد سے ندار و در کمال
تا تو اند کرو شخصے روشن آل را بیش و کم

حد نہیں ہے کوئی حضرت کے کمال و فضل کی
 ہو بیاں کس منہ سے تو صیفِ شہِ خیر الامم
 ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی کوئی حد نہیں کہ
 جس کو کوئی بیان کرنے والا بیان کر سکے۔

لفظی تشریح

الفاء برائے تعلیل کیونکہ بالتفصیل مدح ناممکن ہے۔ یعرب کا نصب نفی کے
 جواب میں واقع ہونے کے باعث ہے۔ عنہ کی ضمیر حد کی طرف راجع ہے۔ اور
 وزن کی رعایت کرتے ہوئے اس کو اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ الباء برائے
 استعانت ناطق سے متعلق ہے یا یعرب کے الاعراب کا معنی (یعرب کا مصدر)
 فصاحت، بیان اور وضاحت ہے۔ اور یہ سوائے زبان کے ناممکن ہے۔ پس اس کو منہ
 سے (بیان کرنے کو) تعبیر کرنا محل بول کر حال مراد لینا ہے۔ اس کو ذکر کرنے کا
 فائدہ باوجود اس کے کہ لفظ اس کے بغیر نہیں ہوتی، عموم حکم کے افادہ میں زیادتی ہے۔
 وما من دابة في الارض اس کے نظائر میں سے ہے۔

معنوی تشریح

میں نے تو تمہیں صرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کمالیہ کے متعلق
 اجمالی طور پر منسوب کرنے کو کہا، کیونکہ حضور کے فضائل تفصیلیہ کی کوئی انتہا نہیں ہے کہ کوئی
 غایت تک ان کو بیان کر سکے۔ اگرچہ وہ بیان کرنے والا علماء اور فصحاء کے مرتبہ کو ہی کیوں
 نہ پہنچ جائے۔

اس میں اشارہ ہے کہ حضور تمام ملائکہ اور تمام انبیاء سے افضل ہیں، بلکہ یہ بھی

اشارہ ہے کہ ذات محمدیت اور صفات احمدیت کی حقیقت کو کوئی نہیں جانتا مگر وہی جو ربوبیت کی صفات سے موصوف ہو۔ اسی وجہ سے بعض عارفین نے فرمایا، خلق نے صفات الوہیت کو تو پہچان لیا مگر صفات مصطفویہ کو نہ پہچانا۔

(۴۶) لَوْنًا سَبَتْ قَدْرَهُ آيَاتُ عِظْمًا
أَحْيَى اسْمُهُ حِينَ يُدْعَى دَارِسَ الرَّحْمِ
درخورد در بزرگی گر نمودے معجزات
یادِ نامش زندہ کردے استخوانہائے رُم

ان کی عظمت کے برابر معجزے ہوتے اگر
ہوتے زندہ نام سے سب استخوان ہائے رُم

ترجمہ: اگر آنحضرت کے معجزات از روئے عظمت آپ کے مرتبہ کی مناسبت
کر لیتے، تو جب بھی آپ کا نام لیا جاتا وہ بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کر دیتا۔

لفظی تشریح

العظم۔ صغیر کی ضد جیسا کہ قاموس میں ہے۔ پس یہ عظمت کے لیے مستعار ہوگا

الرّم الوتم کی جمع ہے۔ بوسیدہ ہڈیاں۔ جب نشان مٹ جائے تو کہتے ہیں۔ درس الرّم
نشان بالکل مٹ گیا۔ پس اندرس کا ذکر بوسیدگی میں اضافہ ہے۔ قدرہ مفعول بہ
ہے بسبب اہمیت کے اظہار کے مقدم رکھا گیا ہے۔ عظم تمیز ہے۔ جیسے طاب
زید نقسا۔ اسمہ فاعل ہے اچنی کا۔ احوار کی نسبت (بہ طرف اسم) مجازی ہے۔

کیونکہ احیاء حقیقی صفات الہیہ میں سے ہے۔ یداعی کی ضمیر اسمہ یا اللہ کی طرف را جرت ہے کہ اس کو حضور کے نام سے پکارا جاتے۔ در اس مفعول واقع ہو رہا ہے۔ اور اس میں اضافت از قبیل صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ یہ سارا جملہ لَوْ کے جواب میں ہے۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسی واضح نشانیاں ظاہر ہوئی ہیں جو آپ کی رسالت و نبوت پر دلالت کرتی ہیں اور ہمارے نبی مکرم کے ایسے معجزات کرامات ہیں جو حضور کے علوم مرتبت اور رفعت عظمت کا شعور دلاتے ہیں۔ جتنا کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق آپ کے مرتبہ، حکمت اور ارادے کا اقتضار ہے۔ اور آپ کے جملہ معجزات میں سے حضور کی امت کے بعض افراد کے ہاتھوں مردوں کو زندہ کرنا ہے اس کے باوصف اگر اللہ تعالیٰ حضور کی ذات مبارکہ اور عمدہ نشانیوں کے درمیان خوب صورت اور مکمل مناسبت چاہے تو قطع نظر کسی نشانی کے حضور کے کسی نام اقدس یا وصف عالی کو جب بھی پکارا اور ذکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ حقیقی اور مجازی اموات سے بوسیدہ ہڈیوں اور فانی اجسام کو زندہ کر دے، کیونکہ اسم محمدی اور وصف احمدی کی یہ خاصیت رکھی گئی ہے کہ جب بھی کسی میت پر ذکر کیا گیا تو وہ زندہ ہو گیا۔ کسی کافر یا غافل نے ذکر کیا تو اس کو مومن بنا دیا، اور ذاکر بن گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس درمکنون کے جمال اور کمتر سابقہ اور حکمت بالغہ کے ساتھ اس محفوظ جوہر کے کمال کو پوشیدہ کر دیا۔ شاید یہ اس لیے کہ ایمان غیبی ہو اور امر تکلیفی ہونہ کہ شہود عینی اور عیاں بدیہی ہو۔ یا اس لیے کہ عوام کے اقدام کے لیے پھیلنے کی جگہ اور ملکِ غلام اللہ تعالیٰ،

کی معرفت کے باعث جاہلوں کو نقصان دینے کا مقام نہ بن جائے۔
 اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس مقام پر یدعی کی ضمیر اسمہ کی طرف لوٹنے سے
 مبالغہ ہے یہ اس سے اولیٰ ہے کہ کہا جائے، یدعی اللہ تعالیٰ باسمائہ الحسنی۔
 یہ مراد نہیں ہے کہ قرآن کی شان حضور کے شرف کے باعث ہے جس کا بیان ناممکن ہے،
 کیونکہ سلسلہ کلام عظمت دلالت میں ہے نہ کہ شرف گفتگو (انداز بیان) میں۔ اگر قرآن کی
 دلالت ہمارے عظیم الشان نبی کی عظمت کی مقدار کے مطابق ظاہر ہو، تو کوئی بھی آپ کی
 نبوت و رسالت سے انکار نہ کرے۔ اور اللہ تعالیٰ دنیا میں آپ کی عظمت کو ظاہر کرے۔
 اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولو ان قرانا سیرت به الجبال..... الخ
 اگر اس قرآن کے ساتھ پہاڑوں کو چلایا جائے۔ یا زمین کو کھڑے کھڑے کر دیا جائے۔ یا
 مردوں سے گفتگو کی جائے، تو یہ قرآن ایسا ہو سکتا ہے، لیکن اس کو مذکورہ باتوں سے
 روک دیا گیا ہے، کیونکہ یہاں ایک بہت بڑا مانع تھا۔ بلکہ تمام معامد اللہ تعالیٰ کے
 ہاتھ میں ہے۔

میرے خیال کے مطابق اگر ناظم یوں کہتا ہے

لونا سبت قدرہ آیاتہ عظما

احیی اسمہ حین یدعی العظم فی الرحم

تو زیادہ مناسب ہوتا۔ مناسب لفظی مناطق لفظی کے قریب تر ہوتا اور حضور کی جامع
 ذات مقدسہ جن مشتمل لطائف کی متقاضی ہے ان کی بھی رعایت ہوتی۔

لَمْ يَتَّخِذْنَا بِمَا تَعَى الْعُقُولُ بِهِ
حُرْصًا عَلَيْنَا فَلَمْ تَرْتَبْ وَلَعْنَهُمْ

آنچه او فرمود عقل از فهم آل عاجز نہ شد
بر صلاح ما حرصیت بے گمان و بے نهم

باز رکھا امتحاں سے جس سے عاجز ہو سمجھ
مہربانی کی نہ بچتے یوں گمان و شک سے ہم

ترجمہ: آپ نے ہمیں آزمائش میں مبتلا نہیں کیا کہ (جس کے ادراک سے عقلیں
عاجز آجائیں۔ ہماری بہتری کی حرص کرتے ہوئے تو نہ ہم نے شک کیا اور نہ
ہی ہم متحیر ہوتے۔
لفظی تشریح

الاصحان ابتلاء آزمائش۔ وعی کسی کام سے عاجز ہونا اور ہدایت حاصل نہ کر سکرنا۔
العقل ایک ایسا مکہ ہے کہ صاحب عقل اس کے سبب رسوائیوں سے بچتا ہے۔ اور
غیر پسندیدہ چیزوں سے رکنا ہے۔ الحرص کسی شئی میں شدید رغبت کرنا۔ اس کی طرف
میلان کرنا۔ کوشش کرنا۔ الارتیاب شک تردد۔ وهم اس کو کہتے ہیں جبکہ جانب
باطل راجع ہو۔ ہمارے عقل مند آدمی کا متحیر ہونا۔

ما موصولہ ہے۔ بہ میں ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے۔ حرصاً مفعول لہ ہے

یا حال۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بے پایاں نرم خوئی اور بے حد رحمت کے باعث، عقائد اسلام میں سے ایسی کوئی بات نہیں لاتے اور نہ ہی ہمیں کسی ایسے حکم کی تکلیف دی ہے کہ جس کے ادراک سے عقل عاجز آجائے۔ یا صاحب عقل اس کے ادراک سے عاجز ہو کہ کون اس ملتِ بینا اور نورانی کیسوئی کو لایا، کیونکہ حضور ہمارے بہت زیادہ خیر خواہ ہیں اور مکمل طور پر آپ کی توجہ ہماری طرف ہے۔ پس ہم نے آپ کی رسالت میں شک نہیں کیا اور آپ کی متابعت میں حیران نہیں ہوئے۔ حقیقت و شریعت کے درمیان حضور کے جامع طریقہ کے بغیر ہم نے کوئی دوسرا راستہ اختیار نہیں کیا۔ اس شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے :

لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص
عليكم بالمؤمنين رؤوف رحيم۔

أَعْيَى الْوَرَىٰ فَهُمْ مَعَنَا ۖ فَلَيْسَ يَرَىٰ
لِلْقُرْبِ وَالْبُعْدِ فِيهِ غَيْرُ مُنْفَجِمِ

(۴۸)

عاقلاً از فہم معنی محسوسا جہانہ
اہل عالم جملہ در وصفش کشید ستندرم

بہر باطن کی حقیقت نے کیا خلقت کو ذنگ
دور سے نزدیک سے بس فہم بھی ہے منفخم !

ترجمہ: اس کے معانی کے مفہوم نے مخلوق کو عاجز کر دیا ہے۔ پس قرب و بعد میں کوئی آپ کے برابر نہیں ہے مگر عاجز۔

لفظی تشریح

الاعیاء عاجز بنانا۔ الوری مخلوق۔ معناه کی ضمیر اشباع کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ المعنی مقصود کلام۔ مکمل طور پر کسی شئی کا کمال۔ فی القرب کی بجائے ایک نسخہ میں اللقب بھی ہے تو وہاں لام معنی فی ہے۔ منہ کی بجائے ایک نسخہ میں فیہ ہے۔ بہر نوع ضمیر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ ایک نسخہ میں منہم ہے۔ دوسری صورت ضمیر وری کی طرف راجع ہے۔ دوسرے نسخہ کے مطابق معناه کی طرف ضمیر کا لوٹنا جائز کیا گیا ہے۔ الانفحار الزام کو قبول کرنا۔ اس کی اصل یہ ہے کہ مد مقابل پر جب الزام لگایا جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ فہم کی طرف اعیاء کی نسبت مجازی ہے۔ اصل میں ہے: اعیی اللہ الوری فہم معناه۔ یعنی اللہ نے مخلوق کو اس کی حقیقت سمجھنے سے عاجز کر دیا ہے۔ فہم اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اصل میں تھا: فہم ہم معناه۔ لیس میں ضمیر شان مستتر ہے اور ما بعد اس کا ضمیر شان کی تفسیر ہے۔ یرى فعل مجہول ہے۔ فی القرب والبعء، لیس کے متعلق ہے۔ غیر میں نصب بلحاظ یری کا مفعول ثانی ہونے کے جائز ہے، اس تقدیر پر کہ جب وہ رؤیة سے مشتق ہو۔

معنوی تشریح

حضور کے شاندار پوشیدہ معانی اور آپ کے عمدہ کمالات ساری نے تمام کائنات اور مخلوقات کو عاجز کر دیا۔ پس کوئی بھی قرب و بعد دونوں مکانوں میں یا عہد اور عصر

دونوں زمانوں میں حضور کا مساوی نہیں دیکھتا بلکہ جانتا بھی نہیں مگر وہ جو حضور کے معنی حقیقی کے ادراک سے عاجز اور آپ کی بنائے حقیقی سے ساکت ہے۔ برابر ہے کہ اس نے حضور کو دیکھا یا نہیں دیکھا سعادت مند ہے وہ جس نے آپ کا دیدار کیا۔ یا اپنے آقا کے مطالعہ یا آپ کے کمالات اور قرب کے مطالعہ سے متبر ہو جس کے حق میں کہا گیا ہے، ہائے شوق فراواں کتنا بڑا قرب ہے۔ اور کتنے عظیم کمالات ہیں۔ (اس کا) تحیر آپ کی ذات کے علاوہ صفات کی رفعت میں حال یا مقام میں اللہ تعالیٰ کے قرب کے سبب ہے جیسا کہ اولو العزم رسولوں مقربین فرشتوں اور حاملین عرش کو حاصل ہے۔

④ ۴۹
كَالشَّمْسِ تَطْهَرُ لِلْعَيْنَيْنِ مِنْ بَعْدِ
صَغِيرَةٍ وَتُكَلِّ الطَّرْفَ مِنْ أَمَمٍ

مثل خورشید است شائش گو بود کو چاک ز دور
در برابر چشم ہائے مردم اندازد بسم
وہ ہیں مثل شمس جو ظاہر ہو چھوٹا دور سے
اور آنکھیں قرب سے ہوتی ہیں خیرہ ایک دم

ترجمہ: جیسے کہ سورج دور سے چھوٹا معلوم ہوتا ہے اور قریب سے آنکھ کو
(دیکھنے سے) عاجز کر دیتا ہے۔

لفظی تشریح

بَعْدُ ایک لغت میں دو ضمنوں کے ساتھ۔ الاکلال اور اک سے عاجز کر دینا۔ الطرف
انکم۔ اقمم۔ بفتتین۔ قرب۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متذکرہ بالا وصف کے معانی کے ادراک
اور معانی کی سمجھ سے قریب و بعید اور بد بخت و نیک بخت سب عاجز ہو گئے۔ جیسے
سورج ہے دور سے آنکھوں کو چھوٹا نظر آتا ہے۔ اور قریب سے دیکھنے والے کو عاجز
بتا دیتا ہے۔ اور دیکھنے والا اور طہ حیرت میں پڑ جاتا ہے۔

یہ تشبیہ معقول کی محسوس کے ساتھ ہے تاکہ فہم منکوس کے لیے معنی قریب کیا جا سکے۔
حاصل کلام یہ کہ سورج (سائنس دانوں) کے کہنے کے مطابق کرۃ ارض سے
ایک سو ساٹھ سے کچھ زائد، گنا زیادہ ہے۔ جیسا کہ سورج دور سے محدود ظاہر ہوتا ہے،
ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور جیسا کہ سورج مسافت بعیدہ سے چھوٹا نظر
آتا ہے۔ جب کوئی شخص اس کی حقیقت و منزلت کے ادراک کی خاطر اس کے قریب
جاتا ہے تو اپنے آپ کو عاجز اور بے بس پاتا ہے۔ ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم
ہیں۔ آپ بادی النظر میں افراد بشری میں سے ایک فرد نظر آتے ہیں۔ مگر جب کوئی
آپ کے جمال ذات و کمال صفات میں تامل کرتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے اور آپ
کے درجات کے مراتب کے ادراک سے عاجز ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
و رفعتنا بعضهم فوق بعض درجات ہم نے بعض رسولوں کو بعض سے
درجات کے لحاظ سے بلند کیا۔ مفسرین نے کہا: بعض سے مراد حضور کی ذات والا

صفات ہی ہے۔ کہا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسرار سے غافل اغیار کی نظر میں صغیر ہیں۔ اور اہل بصیرت جو اہل اعیان و خلاصہ انسان ہیں، کی آنکھوں میں عظیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَتَوَلَّوْا لِمَنْ يَنْظُرُونَ الْيَكْ وَهَلْ لَا يَبْصُرُونَ۔ تم دیکھو گے کہ آپ کے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور باطن کو نہیں دیکھتے، اسی سے حضور کا ایک قول ہے: اے اللہ! مجھے (اپنی عظمت کے مشاہدہ کے مقابلہ میں) اپنی نظروں میں چھوٹا بنا دے اور (اپنی قدرت کے مکاشفہ سے) لوگوں کی نظروں میں بڑا بنا دے۔

⑤ وَكَيْفَ يُدْرِكُ فِي الدُّنْيَا حَقِيقَتَهُ
قَوْمٌ نِيَامُ تَسَلُّوا عَنْهُ بِالْحُلْمِ

چوں بداندیش حقیقت اہل عالم چوں بود
مست خواب دیدش در خواب داند مغنم

اہل دنیا کس طرح ان کی حقیقت پاسکے
خواب غفلت میں ہیں گویا قوم خوابیدہ ہیں عم

ترجمہ: دنیا آپ کی حقیقت کا ادراک کیسے کر سکتی ہے۔ وہ نختہ قوم خواب
کے خیالات و تصورات سے مطمئن ہو گئی ہے۔

لفظی تشریح

کیف ظرفِ یدرکہ کے متعلق ہے۔ یہ استبعاد اور استفہام انکاری کے لیے ہے
اور استفہام کی صدارت کے لیے مقدم آیا ہے۔ الحلم سوتے ہوئے کو بولتا ہے۔

یہاں اس سے مراد خیال ہے۔ القوم وہ مخلوق (الورعی) ہے یا انبیاء اور اولیاء کے علاوہ باقی مخلوق مراد ہے۔

معنوی تشریح

غافل جماعت اس کمینی دنیا میں ذات محمدی کی حقیقت اور صفات احمدی کی صداقت کیسے جان سکتی ہے جو کہ سوتے ہوئے لوگوں کی مانند ہے۔ انھوں نے خیالات اور ادھام سے حاصل شدہ معرفت پر ہی قناعت کر لی اور اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ لوگ سوتے ہوئے ہیں یعنی غافل ہیں۔ اور ایک اشارہ بھی ہے جس میں یہ بشارت پنہاں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کا آفتاب اور جلال کا ستارہ آخرت میں جو کہ ندامت کا وقت ہے۔ افق کمال پر ہوگا۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا: حضرت آدم اور اور ان کے علاوہ سب لوگ قیامت کے روز میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے نیز یہ کہ آخرت میں قریب و بعید سب کے لیے آنکھیں اسرار کے ادراک کے لیے کامل ہوں گی جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فبصرۃ الیوم حدید۔

اسی وجہ سے بعض عارفین نے کہا ہے کہ فانی دنیا میں رویت باری تعالیٰ ممنوع ہے، کیونکہ باقی کو باقی رہنے والی آنکھ سے ہی دیکھا جاسکتا ہے۔

⑤ فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيهِ آتَهُ بَشَرٌ
وَأَنَّه خَيْرُ خَلْقِ اللَّهِ كُلِّهِمْ

مبلغ معلوم مردم آنکہ سید آدمی ست
بہترین مردماں باشد رسول محتشم

انہما تے علم کہتی ہے وہ ہیں خیر البشر
جملہ مخلوقات میں رکھتے ہیں وہ شانِ ام

ترجمہ: حضور کے بار میں (ہمارا) مبلغِ علم ہی ہے کہ آپ ایک بشر ہیں۔ حالانکہ
آپ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔

لفظی تشریح

قرآتِ مکی کے مطابق نہرتِ شعری کے طور پر فیہ کی ہا کو اشباع کے ساتھ
اور کلہم کی میم کو مکسور اور اشباع کے ساتھ شعر کو پڑھا جاتے گا۔

معنوی تشریح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کی بنا کے بارے میں ہمارے علم کی رسائی
کی انتہا اور ہمارے فہم کی حد یہی ہے کہ آپ افرادِ انسانی میں سے بشرِ عظیم و جوہرِ جہیم ہیں،
حالانکہ آپ کی صفات کی حقیقت یہ ہے کہ آپ تمام کائنات سے افضل اور تمام
موجودات کے سردار ہیں۔

ناظم نے کلہم کے ساتھ تاکید، بعض لوگوں کے اختلاف کو دور کرنے کی غرض سے
ذکر کی یہ اہلِ ثقلین کو حضور کی حقیقت کا جانین میں احاطہ کرنے سے عجز اور قصور (کم فہمی)
کا احساس دلانا ہے۔

وَ كُلُّ أُمَّةٍ آتَى الرَّسُولُ الْكُورِ بِهَا
فَإِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُورِهِ بِهَيْمِ

(۵۲)

ہر چہ آوردند مجموع رسل از معجزات
آن ز نور مصطفیٰ آمد بایشان لاجرم

جو رسولان جلیل القدر کے تھے معجزے

آپ ہی کے نور سے پایا تھا سب نے یہ کرم

ترجمہ: اور وہ تمام معجزات جو سابقہ انبیائے کرام لائے ہیں۔ وہ ان کو حضور کے
نور سے ان کو ملے ہیں۔

لفظی تشریح

کل یہ لفظ ابتدا ہونے کے مرفوع ہے۔ واو جملوں کے عطف کی خاطر ہے۔
عصام الدین کا یہ قول بعید ہے کہ لفظ کل بہ سبب اِنّ (گزشتہ شعر میں) کے اسم پر
معطوف ہونے کے منصوب ہے۔ الّا ہی جمع آیہ کی معجزہ۔ الرسول برائے تخفیف
سین پر سکون ہے۔ رسول کی جمع ہے۔ الکواہر۔ کریم کی جمع۔ اس کا استعمال بطور کیفیت
ہے۔ ورنہ اس کے بغیر بھی بہ طریق اولیٰ (ان کی کرامت) سمجھی جاتی ہے۔

معنوی تشریح

وہ تمام خوارق عادات جو باقی انبیاء و مرسلین کو ملے ہیں، وہ تمام آیات ظاہرہ اور
معجزات باہرہ حضور کے اس نور اصلی کی بدولت پہنچے ہیں۔ جو ان کو بہ طریق فرع پہنچا،
پس سابقین کے معجزات حضور کا ہی معجزہ ہے جیسا کہ لاحقین (اولیاء کرام) کی کرامات
حضور کی کرامت ہے۔ سابقین و لاحقین درحقیقت آپ کے نائب ہیں۔ جیسے کہ شکر
کا مقدمہ (اگلا حصہ) سابقہ (پچھلا حصہ) سپہ سالار کے لیے چلتے ہیں اور اس کے حکم کے

مطابق کام کرتے ہیں۔ ایسے ہی ہر علم، معرفت، حکمت اور حکمت حضور کے انوار کی شعاع اور آپ کے اسرار کی چمک ہے۔

⑤۳ فَإِنَّ شَمْسَ فَضْلِ هُمْ كَوَاكِبُهَا
يُظْهِرُونَ أَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

اوبودخورشیدِ فضل و دیگر اسیار گاہا
روشنی سیار گاہا ظاہر کنند اندر ظلم

آفتابِ فضل ہیں وہ سب ستارے انبیاء
کرتے ہیں ظلمت میں ظاہر سب یہ انوارِ کرم

ترجمہ: بے شک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فضیلت کا سورج اور
باقی انبیاء کرام کو اکب ہیں۔ جو کہ تاریکی میں لوگوں کے لیے اپنے انوارِ ظاہر
کرتے ہیں۔

لفظی تشریح

یہ ایک اچھی تحلیل اور مستحسن تعلیل ہے۔ ناظم نے تشبیہ بلیغ کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم کو سورج سے تشبیہ دی ہے۔ (شمس فضل) میں اضافت من کے
ساتھ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے بزرگی دینے سے سورج ہیں۔ یونہی کہا گیا ہے۔ اظہر یہ
ہے کہ یہاں فضل بمعنی فضیلت اور زیادت ہے۔ اور اضافت تھوڑی سی ملاہست کی
وجہ سے ہے۔ الظلم جمع ہے ظلمت کی۔ تاریکی راتوں کی۔ للناس کی بجائے للمخلوق

ہوتا تو عام تھا۔

معنوی تشریح

جس طرح سورج زیادتی روشنی اور اصالت نور کے باعث تمام اقمار کو اکب سے متمیز ہے۔ ایسے ہی ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسرار فضائل و انوار شمائل کی فضیلت کے سبب تمام ارباب فاضل سے ممتاز ہیں۔ اور وہ انبیاء اور رسول اس سورج کے کو اکب کی مانند ہیں۔ (شمس فضل) اس میں اضافت اس کا قائدہ بھی ہے رہی ہے کہ کو اکب شمس مخصوص میں جو سورج کے فیضان سے استفاضہ اور اس کے نور سے استفادہ کرتے ہیں، اور وہ صرف چاند ہی ہے اور وہ مفرد ہے۔ تو اس کو جمع لانا، مشبہ بہ کے تعدد کی وجہ سے ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اختلاف احوال کے باعث جمع ذکر کیا، کیونکہ پہلے ہلال ہوتا ہے پھر بدر وغیرہ۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد مطلق کو اکب ہیں، تو اس صورت میں حکم بطور تغلیب یا مبالغہ اور دعا کے ہو گا۔ ناظم نے جو کہا ہے کہ یظہرن انوارہا۔ اپنے انوار ظاہر کرتے ہیں حالانکہ وہ خود سورج کے انوار ہیں، تو ان کو اپنی چمک کی وجہ سے مخصوص کیا گیا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آسمان عدل و فضل میں بسبب نور کی زیادتی اور اصل کی فضیلت کے بمنزلہ سورج کے ہیں۔ اور مشارق و مغارب میں باقی انبیاء کو اکب کے درمیان بمنزلہ چاند کے ہیں، کیونکہ وہ آپ کی نبوت قدیمہ کے نور سے استمداد کرتے ہیں اور آپ کی رسالت قدیمہ کی روشنی سے نورانیت حاصل کرتے ہیں یا یہ کہ وہ نجوم (ستاروں) کی مانند ہیں، جو کہ تاریک راتوں اور سخت تاریک اوقات میں لوگوں کے لیے اپنے انوار ظاہر کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کے لیے یا تمام لوگوں کے لیے لوگوں کی تخصیص اس لیے

کی کہ تمام مخلوق میں سوائے ہمارے نبی پاک کے کسی کو مبعوث نہیں کیا گیا۔ جب شمس محمدی کا نور طلوع ہوا تو اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء اور رسول غائب ہو گئے۔ اس طریقہ پر انبیاء جن کو مستور کو اکب سے تشبیہ دی گئی ہے، کو مونث کی ضمیر سے تعبیر کرنا معتبرہ کے حکم کے مطابق ہے۔ قرآن پاک میں جو اللہ تعالیٰ کا فرمان آیا ہے اس کے برعکس ہے۔

رَأَتْ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتَهُمْ لِي سَاجِدِينَ .

اس بیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ماقبل انبیاء کی شرائع کی ناسخ ہے۔ اور اس بات کی طرف ایمان ہے کہ آپ کے دن کے بعد رات نہیں ہے اور آپ کے دین پر زوال و فنا کی تاریخ نہیں چھا سکتی۔

اَكْرَمُ بِخَلْقِ نَبِيِّ زَانَهُ خُلُقٍ
بِالْحُسْنِ مُشْتَمِلٍ بِالْبَشْرِ مُتَّسِرٍ

(۵۲)

خلق پیغمبر نکو بر خلق خوش آراستند
مشتمل بر حسن باشد بر بشارت قسم

کیا عظیم الخلق صورت ہے مزین خلق سے
حسن صورت مشتمل ہے خندہ روئی سے ہم

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت ظاہری کتنی باکرامت ہے جس کو اخلاق نے آراستہ کیا ہے۔ جو صورت ظاہری حسن پر مشتمل ہے اور بشارت

سے متصف ہے۔

لفظی تشریح

اگر عربہ صیغہ تعجب۔ الخُلُق خلقت اور صورت۔ الخُلُق صفت و سیرت۔ الاشتغال، اصل میں شملہ پٹینے اور اجابت دعوت کے وقت اس کو پہننے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ البَشَر سرور کے باعث جلد کے ظاہری حصہ پر جو آثار ظاہر ہوں۔ اس کو بشاشت بھی کہتے ہیں۔ بعض نسخوں میں البَشَر کی بجائے البر ہے۔ وہ وسعت خیر اور سخاوت کو کہتے ہیں۔ الاتسام کسی شے سے متصف ہونا۔ وسمة سے مشتق ہے جس کا معنی علامت ہے۔ زائدہ خلق پورا جملہ "نبی" کی صفت ہے یا خلق نبی کی۔ بالحسن یہ مشتعل کے متعلق ہے۔ یہ مجبور ہو کر دوسری صفت ہے اور اس کا مابعد بھی ایسے ہی ہے حسن خلق کی طرف راجع ہے اور بشاشت خلق سے متعلق ہے۔ اور ہر ایک دونوں میں سے عام ہے۔ یہی بات میرے ذوق میں آئی ہے۔

معنوی تشریح

یہ باعظمت نبی اور اس کی صورت ظاہری کتنی کریم ہے جس کو سیرت باطنی اور صورت ظاہری نے حسین و آراستہ بنایا ہے۔ وہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نور علی نور۔ اور فرمایا: مثل نورہ کمشکوہ فیہا مصباح۔ آپ کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے کہ ایک قندیل ہو اس میں مصباح ہو جو اشمال حسن اور تمام حالات، مقامات حرکات اور سکناات کے احاطہ کرنے سے موصوف ہو جو مکمل سرور دائمی بشاشت اور عام و خاص کے سامنے تقسیم اور خوشی سے متصف ہو اس طور پر کہ نیک علام (اللہ تعالیٰ) اس سے راضی ہو علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ان پر صلوٰۃ و سلام نازل ہو جب تک کہ دن اور راتیں موجود ہیں۔

اگر تو چاہتا ہے کہ حضور کی تخلیق جسمی کی صفات میں سے تھوڑا سا ادراک کرے یا آپ کے اخلاق عالیہ کی نعمتوں میں سے کچھ خوشبو سونگھے تو تم شفا اور مواہب (کتابوں کے نام ہیں) کو لازم پکڑو۔ تاکہ تم عجائب و غرائب حاصل کر سکو۔

⑤ كَالزَّهْرِ فِي تَرْفٍ وَالْبَدْرِ فِي شَرْفٍ
وَالْبَحْرِ فِي كَرَمٍ وَالذَّهْرِ فِي هِمَمٍ

چوں بہار از تازگی بدہم چوں بدر اندر شرف
بہمچوں دریا در کرم چوں روزگار اندر ہم
تازگی میں ہیں وہ غنچہ اور شرف میں مثل بدر
دہر میں ہمت ہیں اور بخشش میں دریا سے کرم

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نزاکت میں بھول بزرگی میں چودھویں کے چاند
سخاوت میں سمندر اور ہمت میں زمانہ کی طرح ہیں۔

معنوی تشریح

آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرف و کرم میں بھول کی مانند ہیں، لطافت، طراوت اور
لطافت میں اور رفعت، آب و تاب اور نیا باری میں چودھویں کے چاند کے مانند ہے
جس کی روشنی تمام کائنات پر پھیلتی ہے اور جس کا نور تمام مخلوقات پر تاب ہے۔
الزہر اور البدر آپ کی صورتِ مکرمہ سے متعلق ہیں۔ جب کہ البحر اور الدهر آخری دونوں
وصف آپ سیرتِ معظّمہ کی طرف راجع ہیں۔ آپ افراد انسان کے ساتھ مختلف النوع

اسانات کرنے میں سمندر کی مثل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یخروج منه اللؤلؤ والمرجان (نکلتے ہیں اس سمندر سے موتی اور مونگے)۔

آپ زمانے کی مانند ہیں بہمت فضل

اور نیت میں۔ دہر عصر سے اعم ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد بہادری اور بہمت کی بلندی ہے۔ جہاں تک وصف کا تعلق ہے تو یہ تحقیقی ہے۔ اور جہاں تک تشبیہ کا تعلق ہے تو یہ تشبیہ ارفیل نعمت معنوی کو امر حسی سے تشبیہ دینا ہے۔

جو آپ کے بدن مبارک کے گداز پن اور جسد اطہر کی نزاکت کے بارے میں آیا ہے ان روایات میں سے ایک یہ ہے جس کو شیخین نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "میں نے کسی حریر اور نہ ہی کسی دیباچ کو چھوا ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی مبارک سے نرم تر ہو۔ اور جو کچھ آپ کے مقام کی بلندی اور چہرے کی نورانیت کے معلق مذکور ہے ان میں سے ایک روایت جس کی طرف آپ نے یہ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے: عالم کو عابد پر ایسے ہی فضیلت ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر۔ (اس کو احمد اور ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے) اور آپ کے کرم و احسان، نیکی اور بخشش کے بارے میں مروی ہے جس کو مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے آپ سے دو پہاڑوں کے درمیان موجود بکریوں کے ریوڑ کا سوال کیا، تو آپ نے اس کو وہی دے دیا، تو وہ آدمی اپنی قوم میں آیا اور کہا: اے میری قوم! مسلمان ہو جاؤ۔ خدا کی قسم! محمد اس قدر عطا کرتے ہیں کہ ان کو فقر کا ذرا اندیشہ نہیں ہوتا۔ جو باتیں آپ کی قوت قلب، بہمت اور شجاعت کے ملکہ پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب مسلمان

جنگ حنین میں کفار کے سامنے سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے تو آپ قلت کے باوجود
مقابلے میں ڈٹے رہے یہاں تک کہ کفار ان ننگریوں کے باعث شکست کھا گئے جو
آپ نے ان کی طرف پھینکی تھیں۔ اور حضرت برابر بن عازب سے مروی ہے، خدا کی قسم!
جب جنگ خوب گرم ہو جاتی تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نپاہ میں اپنے آپ کو بچاتے
تھے۔ ان دونوں حدیثوں کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

آخری تشبیہ تحینات ادب میں شعرا عرب کی عادت اور مبالغہ کے مطابق ہے۔
اس کی مثال شاعر کا یہ قول ہے جو وہ اپنے ممدوح کے بارے میں کہتا ہے:

لہ ہمراہ منتھی لکبا رہا

وہنتہ الصغری اجل من الدھر

(میرے ممدوح کی ہمتیں بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے بڑی ہمت کی تو

کوئی حد نہیں۔ ہاں، اس کی چھوٹی ہمت بھی زمانے سے بڑی ہے۔)

یہ شعر حضرت حسان کی طرف منسوب ہے۔ اس سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کی مدح کی ہے۔

كَانَتْهُ وَهُوَ فَرْدٌ فِي جَلَالَتِهِ

فِي عَسْكَرِ حَيْنٍ تَلْقَاهُ وَفِي حَشَمِهِ

گر کسے دیدیش تنہا خود ہی پنداشتے
کز بزرگی اوست اندر شکر و خیل و حشم

ہیں جلال و رعرب میں سرکار عالی بے نظیر
جیسے گرد و پیش رکھتا ہے کوئی فوج و حشم

ترجمہ: جب آپ سنا ہوں تو پھر بھی اپنی جلالت کے سبب یوں معلوم ہوتا ہے گویا
کہ آپ بہت بڑے شکر میں تکنت کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔

لفظی تشریح

فی جلالۃ فرد کی صفت ہے۔ فی عسکوۃ منذوف کے متعلق ہے۔ کائنات کی خبر ہونے
کے لحاظ سے محل رفع میں ہے۔ ایک نسخہ میں حشم کے بدلے بھقہ ہے۔ جو کہ بھم کی جمع
بمعنی بہادر ہے بعض نے کہا ہے کہ بھمۃ کی جمع ہے بروزن تھمہ بمعنی عسکر سوار۔
لیکن آنے والے قواعدی کے مطابق اس لفظ کو لانے کے لیے نسخہ مشورہ ہی اولیٰ ہے۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حالانکہ اپنی ذات کے لحاظ سے منفرد، اپنی صفات
کی عظمت کے اعتبار سے ثابت اور کمال ہیبت و جلال عظمت ایسے کمالات کے ظہور
میں بیگانہ ہیں۔ اس کے باوصف یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہت بڑے شکر کے قلب
اور لاتعداد جانثاروں کے جھرمٹ میں ہیں۔ اسے مخاطب! جب تو حضور کو ملے گا تو اس
موجب ہمایوں میں دیکھے گا۔

اس بیت میں، حالت افراد میں آپ کی قوت شجاعت و عظمت مہابت کی طرف
اشارہ ہے۔ اور اس بات کا ایما ہے کہ آسمانی ملائکہ اور رجال الغیب آپ کے تابع
ہیں اور ان کی مصاحبت کی وجہ سے یوں ظاہر ہوتا ہے۔

ایک نسخہ میں من جلالہ ہے۔ اس صورت میں یہ کات سے حاصل ہونے والی تشبیہ کی علت ہے اور وہ معنی میں وجہ تشبیہ ہے جب کہ مفرد و مختار کو وقار اور ہیبت میں عسکر و چشم کی معیت سے تشبیہ و نیا مقصود ہے۔

⑤ كَانَمَا اللُّوْلُو الْمَكْنُونُ فِي صَدْفٍ

مِنْ مَّعْدِنِي مُنْطِقٍ مِّنْهُ وَمُبْتَسِمٍ

وَرِ مَكْنُونٍ وَرِ صَدْفٍ وَنَدَانٍ اَوْ بَدِ كَوْتِيَا

وَاِنْ دِهْنٍ كَوِيَا كَهْمِي اَفْشَا نَدْمَرُو اَرِيْدَهْم

ہیں وہ دندان مبارک مثل موتی سیپ میں

معدن نطق و تبسم ہے وہ دہن محترم

ترجمہ: یوں معلوم ہوتا ہے کہ تکلم و تبسم کانیں میں اور آپ صدف میں دیکھنوں ہیں۔

لفظی تشریح

شعر کو لؤلؤ کے پہلے ہمنے کو ساکن یا واو سے بدل کر اور منہ کی ہاء کو اشباع کیسا

پڑھا جائے گا۔ یہ ضمیر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ المنطق،

نطق کی جگہ۔ وہ دل اور زبان میں اور دونوں بیان کا منظر ہیں۔ المبتسم بصیغۃ مفعول۔ جلتے

تبسم۔ وہ لبہ لائے مبارکہ میں جو کہ دندان مبارک کا منظر ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ منطق اور مبتسم دونوں

مصدر ہوں۔ اور اضافت بمعنی لام ہو۔ پہلی صورت میں اضافت بیانیہ ہے۔

شعر میں دو تشبیہیں ہیں۔ ان میں سے ایک معنوی اور دوسری حسی ہے۔

معنوی تشریح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع کلمات اور موتی، دندان مبارک کا نطق اپنی لطافت اور چمک دمک میں درکنون کی مانند ہے۔ جیسے بھتری نے کہا ہے

فمن لؤلؤ یبديه عند ابتسامه

ومن لؤلؤ عند الكلام تساقطه

(میرا محبوب) تبسم کے وقت موتی ظاہر کرتا ہے۔ اور گفتگو کے وقت موتی

جھاڑتا ہے۔)

ناظم نے منہ اور دل کو معدن سے تشبیہ دی ہے اس لحاظ سے کہ یہ زیادہ لطافت ظاہر کرتے ہیں۔ موتی کو کنون سے موصوف کیا جو کہ اپنی معدن اور صدف میں ہونے کی وجہ سے طراوت پر دلالت کرتا ہے نہ اس سے خارج ہونے سے (کیونکہ صدف کے اندر والا موتی صدف سے خارج موتی سے) چمک دمک میں زیادہ حسین ہوتا ہے۔

حضرت علامہ محلی نے حکایت بیان کی ہے کہ کسی نے خواب میں دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر اس شعر سے اور اس پہلے شعر سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بہت خوب صورت انداز میں بیان کر رہے ہیں۔

جب ناظم نے حال حیات میں صورت و سیرت کے بعض صورتی اور معنوی کمالات کی طرف اشارہ کیا تو اب اس بات کی طرف ایسا کرنا چاہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مہمات کی حالت میں بھی تمام مخلوقات سے ممتاز ہیں۔ جیسے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجساد مبارک کو کھائے۔

لَطِيبٌ يَعْدِلُ تَرْبًا ضَمًّا عَظْمَهُ
طُوبَىٰ لِمُنْتَشِقٍ مِّنْهُ وَ مَلْتَمِمْ

ہیچ بوتے خوش چوبوتے خواہ گاہ او نہ بود
نیک بخت آنکس کہ بو تیدست و پوسیدست ہم

ہے وہ خوش قسمت جو سونگھے اور پوسے اسے
اے خوشا خوشبوتے خاک تربتِ شاہِ امم

ترجمہ: کوئی خوشبو اس مٹی کے برابر نہیں ہو سکتی جو کے جسمِ اقدس سے لگی ہے۔
کس قدر سعادت مند ہے وہ شخص جس نے اس کو سونگھا ہے اور پوسہ دیا ہے۔

لفظی تشریح

الطيب خوشبو۔ عدل مساوی ہونا۔ ترب بمعنی تربة یا تراب ہے یہ منصوب
بنزع الخافض ہے۔ الضم اکٹھا یا جمع کرنا۔ اعظم مڈیاں۔ جمع عظم کی۔ طوبی۔ طاب
سے مشتق ہے بروزن بشریٰ اور زلفی۔ طوبی میں واویا سے بدلی ہوئی ہے۔ ما قبل مضموم
ہونے کی وجہ سے۔ یہ مرفوع ہے جیسے سلام لك، یا یہ منصوب المحل ہے جیسے سلاماً
لك یہاں لام (حرف جار) بیانیہ ہے۔ جیسے سقیالک میں ہے۔ اس کا معنی ہے
تم بھلائی اور اچھائی کو پسند کرو۔ اس میں تعجب اور تمنی کے معنی بھی ہیں۔ انتشق سونگھنا۔ منہ
کی ہاؤ کو اشباع کے ساتھ پڑھیں گے۔ اور اس کی ضمیر ترب کی طرف راجع ہے اور یہی
زیادہ بیغ ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے۔۔

التَّشْحَهُ، بوسہ دینا۔

معنوی تشریح

مشک عبیر یا عنبر وغیرہ میں سے کوئی بھی ایسی خوشبو موجود نہیں ہے جو حضور کی قبر انور کی خاک کے مساوی ہو سکے۔ وہ قبر جس نے حضور کے اعضا کو چھوا، آپ کے اجزا کو جمع کیا اور جسم شریف کو محیط ہوئی اور بدن لطیف سے مقرون ہوئی۔ اس وجہ سے ناظم متعجب ہوتا ہے اور اس کو حاصل کرنے کی تمنا کرتا ہے۔

پس متفق علیہ حدیث میں ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ مروی ہے فرمایا کہ میں نے کوئی ایسا عنبر یا مشک نہیں سونگھا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک سے زیادہ خوشبودار ہو۔

یہ شعر حضرت بتول زہرا فاطمہ کبریٰ کے مرثیہ سے اخذ کیا گیا ہے آپ فرماتی ہیں سے

صبت علی مصائب لوانہا

صبت علی الایام صون لیا لیا

ماذا علی شم تریبہ احمد

لولم یشمدی الزمان غوالیا

پھر علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حریم اقدس کعبہ سے افضل ہے جو اختلاف مشہور ہے وہ مکہ اور مدینہ دونوں شہروں کے درمیان ہے بلکہ امام غزالی سے تو یہاں تک مروی ہے کہ وہ خاک مقدس جو حضور کے جسد اطہر سے زمین سے ملی وہ مرتبہ میں عرش سے بھی بلند ہے۔

جب ناظم یہ بیان کر چکا کہ حضور کی رسائی تمام احوال میں کمال تک ہے۔ اب اس بات

کی طرف اشارہ فرمایا کہ (آپ کے) جمال کے آثار مبادی سے ہی ظاہر ہیں۔ اور کہا :

أَبَانَ مَوْلِدُهُ عَنِ طَيْبِ عُنْصُرِهِ
يَا طَيْبَ مُبْتَدَأِ إِمْنَةٍ وَمُخْتَلَمِ

۵۹

وقتِ زادنِ پاکی ذاتِ شیرِ نفسِ شدید
پاکِ بودش مبتدا و پاکِ بودش مختتم

ان کی پیدائش سے ساری خوبیاں ظاہر ہوئیں
پاک ان کی ابتدا اور پاک ان کا مختتم

ترجمہ : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ولادت اس کے بہترین عنصر کی تھی

ظاہر ہوا۔ سبحان اللہ! کیسی عمدہ ہے وہ ذات جس کا زمانہ ابتدا اور اختتام

دونوں ہی بہت شاندار ہیں۔

لفظی تشریح

الابانۃ ظاہر کرنا۔ المولد، المبتدا اور المختتم یہ سب اسمائے زمان ہیں۔ ایک نسخہ میں مبتدا کی بجائے مفتوح ہے۔ العنصر اصل، ارکان۔ منہ کی ہا اشباع کے ساتھ ضمیر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ولادت آپ کے مادہ، اصل، نسب، لطافت، خلقت اور حسب کے نظام سے، اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اظہار سے ظاہر ہوا۔ پس اے میری قوم! تم آپ کے زمانہ خلقت کی ابتداء و اظہار اور آپ کی اختتام رحلت کا وقت دیکھو (کتنا عمدہ اور شاندار ہے)۔

مذاہب کے لیے ہے تعجب اور محبت برائے فہم و ترغیب ہے۔ اس شعر میں حضور کی حسن ابتداء اور حسن خاتمہ کی طرف اشارہ ہے اور ابتداء، جو کہ انتہا کی اساس ہوتی ہے، میں سعادت کی بندی کی جھلک ہے۔ اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کے وصال کے بعد جبین انور چومتے ہوئے عرض کیا تھا طِبَّتْ حَيًّا وَيَمُتًا کہ آپ کی حیات و موت کتنی پاکیزہ و عمدہ ہے! ابتدا اور اختتام سے مراد استمرار اور دوام ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: وَ سَبَّحُوْهُ بَكْرَةً وَاَصِيْلًا (صبح و شام ہمیشہ) اس کی تفسیح کرو، وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ان کے لیے

اس میں رزق ہے صبح و شام۔ (ہمیشہ)

يَوْمٌ تَفْرَسُ فِيهِ الْفُرْسُ أَنَّهُمْ
قَدْ أَنَا رُوِي بِحُلُولِ الْبُؤْسِ وَالنِّقْمِ

۶۰

اہلِ فرس آں رُوزِ دانستند کایشاں را نمود
بعد ازیں دردِ بلا و خواری و رنج و نفتم

اہلِ فارس کو ولادت کی خبر جب مل گئی
ہو گئے دہشت زدہ اور چھپا گیا رنجِ دالم

ترجمہ: اس روز اہل فارس نے اپنی فراست سے سمجھ لیا کہ وہ سزا اور خوف کے نزول
کے باعث ڈرائے گئے۔

لفظی تشریح

یوم سے مراد مطلق وقت ہے، کیونکہ آنے والے شعر میں بھی آ رہا ہے۔ (وبات
کسوی) یہ ما قبل شعر میں موجود لفظ مولدا سے بدل ہے یا یہ خبر ہے اور اس کا ابتدا
مخروف ہے جو کہ ہو ہے۔ تفرس، دیکھنا اور فراست سے معلوم کرنا، فراست ایک
ایسی قوت ہے جس سے انسان ظاہری آثار کے سبب معافی باطنہ کا ادراک کرتا ہے۔
الفرس، فارس کے باشندوں کا اسم جمع ہے۔ لغت عرب میں راء پر کسر ہے اور
کلام عجم میں راء کو ساکن پڑھا جاتا ہے۔ اِنَّہُمْ اس کی میم پر ضمہ پڑھا جائے گا۔ بُؤْس
ہمزہ کے ساتھ اور بغیر ہمزہ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ ایسے خوف کو کہا جاتا ہے جو غم اور
رکھ کا باعث ہو۔ النقم بکسر نون وفتح قاف نقمة کی جمع یعنی سزا۔

معنوی تشریح

اہل فارس کو بطریق فراست اپنے علماء اور اکابر سے معلوم ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کا وقت آچکا ہے چونکہ وہ ایسی خونناک اور ہیبت ناک علامات دیکھ چکے تھے کہ ان کی سلطنت اور ملت اب ختم ہو جائے گی۔ آپ کی ولادت کے وقت ایسی علامات ظاہر ہوئیں جنہیں ارباصات کہا جاتا ہے۔ ارباص معجزات سے پہلے ظاہر ہونے والے خوارق کو کہا جاتا ہے۔ جن میں سے بعض کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے لیکن سب کو ذکر کرنا مصنف کے بس میں نہیں۔

وَبَاتِ اَيُّوَانُ كِسْرَى وَهُوَ مُنْصَدِعٌ
كَتَمَلِ اَصْحَابِ كِسْرَى غَيْرِ مُلْتَمِ

(۶۱)

طاق کسری شد خراب و کسری شکست
در شکست احوال کفار و گرنامد بسم

قصر کسری گر پڑا اور پارہ پارہ ہو گیا!
اور پراگندہ ہوئے کسری کے ساتھی ایک دم

ترجمہ: اور ایوان کسری رات کو پھٹ گیا۔ جیسے کہ کسری کے ساتھی یعنی لشکر جو منتشر ہونے کے بعد منظم نہ ہو سکا۔

لفظی تشریح

بات۔ تفرس پر عطف ہے۔ بمعنی صارا یعنی رات کے وقت ہو گیا۔ اس سے مراد

لیلۃ المیلاد ہے۔ الایوان ہر اس مستقف (حجیت والی) عمارت کو کہتے ہیں جس کے سامنے
کی جانب دیوار نہ ہو۔ کسریٰ خسرو سے معرب ہے۔ یہ فارس کے بادشاہوں کا لقب نام
ہے۔ جیسے مصر کے بادشاہوں کا نام فرعون۔ روم کے بادشاہوں کا نام قیصر حبشہ کے بادشاہوں
کا نام نجاشی ترکوں کا خاقان اور چین کا تیغ ہے۔ الانصداع پھٹنا۔ الشمل اجتماع کے
بعد متفرق ہونا۔ التَّغْمِ متصل ہونا۔

دوسری دفعہ جو کسریٰ مذکور ہے وہ پے کا غیر ہے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ اضمار کے
موقع پر اظہار کروایا گیا ہو۔ پے سے مراد نوشیروان عادل بن قباہ ہے اور یہی ہے کہ حضور
نے ارشاد فرمایا: ”میں بادشاہ عادل کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ امام سخاوی کے کہنے کے مطابق
اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ دوسرے کسریٰ سے مراد پرویز بن ہرمز بن یزدین نوشیروان
شرح منظوم میں ہے کہ یہ دوسرا امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن طاؤس بن
ہرمز، کا چچا ہے۔ حضرت امام اعظم کے جد امجد طاؤس اور پرویز دونوں ہرمز کے بیٹے
ہونے کے باعث بھائی ٹھہرے۔ اس طرح پرویز حضرت کے والد ماجد کا چچا ہوا مترجم
اور آپ کے شاگرد رشید حضرت امام محمد کا نسب بھی طاؤس پر آپ کے نسب سے مل جاتا ہے۔

امام محمد کا شجرہ یوں ہو گا: محمد بن حسن بن عبد اللہ بن طاؤس۔

غیر ملتئم بات کی خبر ہے۔ کشل یہ جار مجبور غیر ملتئم کے متعلق ہے۔
یہ گروہ صرف اس لیے متصل نہیں ہوا تھا تا کہ تذکرہ باقی رہے۔ اس کی صفت یلتئم
ہے جو کہ شمل سے حال واقع ہو رہا ہے۔ پس التئام سے مراد اتفاق ہے۔

مسنوی تشریح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور آپ کے نور کی چمک کی رات کسریٰ کا ایوان

ٹوٹ گیا۔ جو کہ ان کے تباہ ہونے پر اشارہ ہے اور غیور ملتئم ان کے عدم تہور کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے دوسرے کے ساتھ اقبال مندی کے بعد متفرق ہو گئے۔ ان کو ایسی حکومت کرنے کا اتفاق ہوا کہ دنیا میں کسی بادشاہ کو ایسی بادشاہی کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس کی مسند، مقام چشم، تخت پر بیٹھا، خادمین اور معاونین کا حاضر خدمت ہونے کے باوجود وہ شکست کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ اسلام آگیا۔ روانت ہے کہ جب ایوان گونجا تو وہ بذات خود اور اس کے مددگار بھی گر پڑے۔ جب کہ اس موقع پر چودہ کنگرے بھی گر پڑے تھے تو اس نے عرب کے ایک بادشاہ نعمان ابن مندر کے پاس ایک قاصد بھیجا۔ تاکہ یہ جو ظاہر ہوا ہے اس کے بارے اس سے پوچھے۔ تو خبر سلیم کے پاس لے جاتی گی۔

وہ عرب کے کاہنوں میں سب سے زیادہ ماہر تھا۔ اس کے جسم میں ماسولے سر کے کوئی ہڈی بالکل نہ تھی۔ اس نے کہا: شاید اس کے مختلف اسباب ہوں اور کنگروں

کی تعداد کے مطابق بادشاہ مرجانیں گے۔ پس ان میں سے دس بادشاہ، چار سال میں مر گئے اور باقی چار حضرت امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک ہلاک ہو گئے۔

وَالنَّارُ خَامِدَةٌ الْاَنْفَاسِ مِنْ اَسْفِ

(۶۲)

عَلَيْهِ وَالنَّهْرُ سَاهِي الْعَيْنِ مِنْ سَدْرِ

النَّارِ كِبْرًا بِمِرْدَا حَسَنٍ وَانْدُوهُ وَمَلَالِ

بِجِثْمَةِ اَبِ رِوَالٍ شَدَّ حَشَكٌ دَرَجُوْتَيْ سَدْمِ

اکثر فارس نے ٹھنڈی سانس لی افسوس سے
نہر بھی چشموں کو بھولی از رہ اندوہ و غم

ترجمہ : اور آگ اس پر غم کے باعث بجھ گئی۔ اور حیرت سے چشمہ کا پانی ختم

ہو گیا۔
لفظی تشریح

الخمود بجھانا۔ نفس النار شعلوں سے کنا یہ ہے الساہی غافل، السدھر حیرت النادر
خامدہ کا پورا جملہ ہو منصدع پر عطف ہے اور جاتر ہے کہ بات الخ عطف ہو کیونکہ
یہ جملے مفردات کے حکم میں ہیں۔

معنوی تشریح

وہ آگ جو ایک ہزار سال سے بھڑک رہی تھی۔ چونکہ لوگ اس کی عبادت کرتے تھے۔
اور اس آگ کے خادم بھی تھے۔ جو ہمہ وقت اس کی حفاظت کرتے اور اس پر نذر ہوتے تھے
تو وہ آگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور ولادت اور آپ کی نبوت و ولادت کے
سورج کی شعاعوں کی نورانیت کے وقت بجھ گئی اور اس کی حرارت ختم ہو گئی۔

اس شعر میں حضور کے نور سے اقتباس اور آگ سے دور رہنے کی طرف اشارہ ہے
آگ نے کسری پر یا فارس پر یا ان کے کافروں پر افسوس کیا کہ وہ اس کی عبادت کرتے
ہیں اور اس کے خالق کی عبادت کو ترک کرتے ہیں یا یہ کہ ان کے سے ان کا عبور منفقو
تھا بنا بریں سبب تأسف کیا۔

اس مکرم گھڑی اور معظم رات (جس میں ظہور قدسی تھا) نہر فرات کا چشمہ جہاں

تیرہ الزاق میں جاری ہوا ہے، بند ہو گیا۔ وہ مسادہ میں واقع ہے۔ جو کہ دمشق اور عرق کے درمیان قصبہ واقع ہے یا پھر عین سے مراد دیکھنے والی آنکھ ہے۔ بمعنی یوں ہے۔ فرات کے پانی کا چشمہ۔ کہا گیا ہے کہ نہر کسری جس کے اوپر شاندار بند بنایا گیا ہے۔ اور اس پر بہترین جگہ بنائی گئی ہے۔ اس پر دنیا کے حیرت انگیز ترین رقبہ خرچ کی گئی۔ بنی آدم کی آنکھ نے اس کی مثل کبھی نہیں دیکھا۔ اس رات اس کا اس طرح خشک ہوا جیسے سنگدل کی آنکھ سے قدرت الہیہ اور عظمت سلطانی کی حسرت دیکھ کر بھی حیرانگی کے باعث آنسو نہ نکلیں۔

اس میں اشارہ ہے کہ جمادات مغیرہ ربانی کے تغیر اور متواضعانہ کے اثر کو قبول کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پتھروں میں سے بعض ایسے ہیں جن سے نہریں بہتی ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو پھر ان سے پانی نکلتا ہے۔ بعض ایسے ہیں جو خشیت الہی سے گر پڑتے ہیں۔ اور ایک مقام پر فرمایا: ”ہم نے کہا، اے آگ! تو ابراہیم (علیہ السلام) پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا۔“ ایک مقام پر فرمایا: ”ہر ایک شی اپنے رب کے حکم سے تباہ کرتی جاتی ہے۔“ اور فرمایا: ”ہم نے اس (فارون) کو اور اس کے گھر کو بھی زمین میں دھنسا دیا۔“

اس سارے بیان میں اس طبیعت کا رد ہے جو اصول شرعیہ کے مخالف ہے۔ اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ علوم عقلیہ کی نہر جو دقائق فلسفہ کو متضمن ہے۔ اس کی حضور کے علوم شرعیہ کے سمندر اور معارف حقیقی کے چشمہ کے سامنے کوئی وقعت نہیں ہے۔

ۛ

وَسَاءَ سَاوَةٍ اَنْ غَاضَتْ بِحَيْرِنَهَا
وَرَدَّ وَاَرِدُهَا بِالغَيْظِ حَيْثَ ظَهَرَ

ساوہ نمگیں شد چو کشتش آب و دریا چو خشک
تشنگای زوباز کشتند جملگی در و رد و غم

اہل ساوہ تھے پریشاں خشک چشمے دیکھ کر
لوٹتے تھے گھاٹ سے غصہ میں پیسے پرالم

ترجمہ: اور ساوہ دور ہو گیا کہ اس کے سمندر کا پانی نیچے اتر گیا۔ اور پانی کے طالب کو
جب پیاس لگی تو وہ غیظ و غضب کے عالم میں لوٹ آیا۔

لفظی تشریح

سَاءَ نَمَّكِيْنَ ہونا۔ ساوہ ایک شہر ہے جو زمانہ قدیم میں مکمل طور پر مہدان کا تابو تھا
اور ہارون الرشید کے زمانہ میں قسم کے تابع ہو گیا جو کہ کاشان کے قریب ہے۔
غاص کم ہونا۔ بطور لازم و متعدی دونوں طرح آیا ہے۔ بحیرہ، بحر کی تصغیر بعض نے
کہا ہے، بحیرہ بڑا ہوتا ہے اور تصغیر برائے تعظیم ہے۔ رَدَّ مجہول ہے۔ اور اس سے قبل
وَاوُ عَطْفِ کے لیے ہے یا حال کے لیے۔ الواد ن پانی میں جھانکنے والا پانی میں داخل
ہو یا نہ ہو۔ آگے بڑھنے والے کو بھی کہا جاتا ہے۔ باء ملا بست کے لیے ہے۔ غیظ
اگر ظار کے ساتھ ہو تو اس کا معنی غضب و غصہ ہے۔ اگر غیض فساد کے ساتھ ہو تو پانی کا
کم ہونا معنی ہوگا۔ یہ جار مجرور مل کر رُو کے متعلق ہوگا۔ اور حین، رُو غَيْظٍ یا وَاَرِدُ کے

متعلق ہوگا۔ ظہی یہ ظہما سے فعل ماضی ہے۔ یعنی پیاس لگنا۔ جب ہمزہ وقف کے طور پر ساکن ہوا تو اس کو یاء سے بدل دیا گیا۔ بعض نسخوں میں جو حذف یاء کے ساتھ لکھا گیا ہے وہ قلم کا سہو ہے۔

۱۱۔ معنوی تشریح

سادہ کے ارد گرد یہود و نصاریٰ کی معتبر عبادت گاہیں اور مشہور سیر گاہیں تھیں جب اس صورت کے باد صفا اہل سادہ بڑے غمزہ ہوتے جب انھوں نے خلاف عادت، میاں کی رات کو وہاں کے سمندر میں سے پانی کی کمی کو دیکھا۔ اور پانی کا طالب قاصد اے یوں و مراحم قہر و غضب سے یا پانی کی کمی اور تھکاوٹ کے باعث واپس مڑ آیا جب اس کو پیاس نئی تھی اور اپنے آپ پر غصے کے عالم میں پیاسا ہی واپس ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ وہ اہل عذاب کا سمندر ہے وہ سراب کا ایک ٹکڑا ہے، جس کو پیاسا پانی خیال کرتا ہے۔ بخلاف کوثر کے جو خیر البشر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا ہے، وہ تو ایسا ہے کہ جس نے اس میں سے ایک گھونٹ بھی پی لیا وہ پھر اس کے بعد پیاسا نہ ہوگا۔

ایک نسخہ میں غماضت کے بدلے غماضت ہے۔ وہ معنی میں زیادہ واضح اور مدعا پر دلالت کرتا ہے۔ ناظم کے وارد ہاکنے سے نقصان کا وہم دور ہو جاتا ہے۔ وارد کا معنی سابق ہے۔ جب سابق کا یہ حال ہے کہ اس کو پانی نہیں مل رہا، تو لاحق کا کیا عالم ہوگا۔ پانی بالکل اٹھنے ختم ہونے کی تاکید اس قول سے کر دی۔

كَانَ بِالنَّارِ مَا بِالْمَاءِ مِنْ بُرْءٍ
حُزْنًا وَبِالنَّارِ مَا بِالْمَاءِ مِنْ ضَرْمٍ

(۶۳)

گو تیار جائے آتش آب بودے سرد و تر
از غم و بر جائے آب آتش بدے سوزاں گرم

پانی پانی ہو گئی تھی آگ مارے رنج کے
اور پانی ہو گیا تھا آتشیں از سوز و غم

ترجمہ: آگ کو غم کے باعث نمی حاصل ہو گئی۔ اور پانی افسوس کے سبب آگ کی سی
حرارت میں تبدیل ہو گیا۔

لفظی تشریح

الضَّوْمُ آگ کا شعلہ یا چنگاری۔ النار اور الماء میں الف لام عہدی ہے یعنی فارس
کی آگ اور بحیرہ کا پانی بعض نے کہا ہے کہ الف لام جنس کا ہے مگر پہلی بات اظہر ہے۔

معنوی تشریح

پانی میں جو گیلیا پن تھا۔ وہ گویا کہ آگ کو حاصل ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آگ کو کفر اور
کفار کے زوال پر گہرا دکھ تھا۔ گویا کہ وہ کفر کے اضمحلال اور اپنے پیاریوں کی جلا وطنی پر آہ و بکا کر
رہی تھی اور اپنے احباب کی جدائی پر رو رہی تھی۔ پانی کو آگ کا شعلہ اور بھڑک پہنچ گئی تھی۔
اس کو بھی اپنے ساتھیوں اور دوستوں کی جدائی کا غم تھا۔ گویا کہ وہ بھی اپنی سیرگاہوں کے
ختم ہونے پر افسوس کرنے کے لیے اور روشوں کے مفقود ہونے پر درد کا اظہار کرنے

کے لیے جل رہا ہے۔

(۶۵) وَالْجِنَّ تَهْتَفُونَ وَالْأَنْوَارُ سَاطِعَةٌ
وَالْحَقُّ يُظْهِرُ مِنْ مَعْنَى وَمِنْ كَلِمَةٍ

شکر شیطان فغاں کر دند زاندوہ تمام
نور حق تاباں زمعنی و کلم شد دمبدم

کی فغاں جنات نے انوار بھی چمکے ادھر
نور حق روشن ہوا الفاظ و معنی سے بسم

ترجمہ: اور جن آوازیں دے رہے تھے جب کہ انوار پھیلے ہوئے تھے۔ اور حق،
معنی اور کلام سے ظاہر ہو رہا تھا۔

لفظی تشریح

الجن۔ جنہ سے مانوڑ ہے جس کا معنی چھپانا ہے۔ چونکہ یہ لوگوں کی آنکھوں سے
پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا نام جن رکھا۔ ہتف، چھینا۔ بات کو اس طرح سمجھانا کہ
سامع تکلم کو نہ دیکھ سکے۔ الحق، امر نبوت۔

معنوی تشریح

جنوں کے گروہ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا علم ہو گیا۔ اور ان کو حضور
کی رسالت کا وقت آنے کی خبر دی گئی۔ اس نور کے ظہور کے وقت انوار دنیا پر اس طرح
نظام ہونے کے روم اور شام کے محلات روشن ہو گئے۔ اور حق یعنی امر نبوت ایسے

معنی سے ظاہر ہوا جو کہ ولادت کو مقرون ہے۔ اور وہ روشن کرنا ہے۔ اور اس کلام سے ظاہر ہوا جو اشاعت کے ارادہ کے لیے جنوں سے منطوق ہوئی۔

مردی ہے کہ لوگوں نے ابوقبیس اور حجون پہاڑ سے اس درمکنوں کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کی مدح میں جنوں کی اصوات سنیں کسی نے ان کو نہیں دیکھا۔

”تحقیق خیر البریہ احمد پیدا ہوتے“

ام عثمان بن ابی الیاس سے منقول ہے۔ فرماتی ہیں: میں حضور کی ولادت کی رات حاضر تھی، تو میں نے دیکھا کہ انوار تمام لوگوں اور شہروں (ملکوں) پر چھاتے ہوئے ہیں صغیر بنت عبدالمطلب کہتی ہیں کہ میں نے ایسا نور دیکھا جو دستے کی روشنی پر غالب تھا۔ بعض نے کہا کہ جنوں کی آواز (شور) سے مراد یہ ہے جو انھوں نے کاہنوں کو خبر دی کہ عنقریب واضح اور پھیلنے والے انوار کی جلو میں ایک صاحب نبوت پیدا ہوگا۔ کہا گیا ہے کہ آپ کی حقیقت آپ کی صورت اور معنی سے ظاہر ہوتی ہے یا حضور کے ظاہر و باطن سے یا امور معقولہ محسوسہ سے یا قرآن کے معانی اور الفاظ سے آپ کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

عَدُوا وَصَمُوا فَأَعْلَانُ الْبَشَائِرِ لَمْ

(۶۶)

تُسْمَعُ وَبَارِقَةٌ الْإِنْذَارِ لَمْ تُشْمِ

کو رو کر گشتند شنیدند بشارت از خدا

ہم ندیدند برق بیم از غایت رنج و غم

اندھے اور بہرے تھے سنتے کس طرح خوشخبریاں
بلکہ خوفِ برق بھی ان کو نہ تھا از رنج و غم

ترجمہ: وہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ پس نہ تو بشار کا اعلان سنا گیا اور نہ ہی
انذار کی چمک کو ان سے دیکھا جاسکا۔

لفظی تشریح

عوا اور صموا میں ضمیر اہل غنم کی طرف راجع ہے۔ جس پر قرینہ حال دلالت کرتا ہے
ذکر حبیب (اہل غنم) کی تعداد پر دلالت نہیں کرتا۔ (قرینہ یہ ہے کہ) اشیاء اپنی اصداد
سے واضح ہوتی ہیں۔ اعلان مصدر اعلن کا۔ ظاہر کرنا۔ اعلان ہو تو وہ علم کی جمع
ہے جس کا معنی علانیہ ہے۔ البشائر۔ بشیر کی جمع بعض نے کہا ہے کہ بشارۃ کی
جمع ہے بمعنی خوشخبری۔ ایسی خبر جو سرور اور خوشی کا سبب ہو اور پہلے نہ سنی ہو۔ یہ مذکور
مونت دونوں طرح مروی ہے۔ البارقة یہ مصدر ہے بمعنی برق (چمک) جیسے کہ الکاذبة۔
اللہ تعالیٰ کے اس قول میں لیس لوقعتها کاذبة۔ (قیامت کے واقع ہونے میں کوئی
جھوٹ نہیں ہے) بعض نے کہا ہے کہ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ پھر اس کا معنی تو اس ہے۔
اس صورت میں اس سے مراد چمک دار انذار ہے۔ الانذار ایسا اعلان جس میں تخویف
اور نصیحت دونوں ہوں۔ شاعر بجلی کی چمک کی طرف دیکھنا۔

معنوی تشریح

کفار انوار کے دیکھنے سے اندھے ہو گئے۔ پس انہوں نے انذار کی طرف نہ
دیکھا جو اپنی چمک دمک اور روشنی کے سبب نظر آسکتی تھی اور وہ اخبار اور اطلاعات سے

بھی بہرے ہو گئے۔ پس انھوں نے نبوت کی بشارتیں نہ سنیں جو علی وجہ الاعلان واقع ہو رہی تھیں۔ شاعر نے کہا ہے

لقد اسمعت لونا دیت حیّا
ولکن لا حیاہ لمن تنادی

(بے شک تو نے سنایا۔ کاش! تو کسی زندہ کو پکارتا (تو تیری آواز کا جواب دینا، لیکن تو جس کو پکار رہا ہے۔ اس میں زندگی (کی کوئی رمت بھی باقی نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کفار نے نہ تو خوشخبری دینے والے کی بشارت سے انتفاع کیا اور نہ ہی ڈرانے والے کی نذارت سے متاثر ہوتے۔ نہ ہی آیات و معجزات مرئیہ سے اور نہ سنائی دینے والی ولالات اور حکمیات سے۔ نہ ہی آپ کی ولادت باسعادت کی رات پھیلنے والے انوار سے اور نہ ہی آپ کی رسالت کے ظہور سے متعلق جنوں کی اخبار سے نہ وہ متاثر ہوئے جب انھوں نے کسری کا ٹوٹا ہوا محل دیکھا۔ اور نہ ہی کامیوں کے قول سے۔ جب ان کو خبر دی گئی، کیونکہ وہ حق بات سننے اور قبول کرنے سے بہرے تھے اور حق دیکھنے اور پہنچنے سے اندھے۔

اس شعر میں لف و نشر مشوش ہے۔ اظہر یہ ہے کہ اس کا عکس ہے۔ ما بعد لفظی و معنوی لحاظ سے ماقبل سے متعلق ہے۔ پس یہ اس قسم سے ہے۔ جیسے قرآن پاک میں ہے:

یوم تبیض و جواہ و تسود و جواہ۔ فاما الذین اسودت وجوهہم...

مِنْ بَعْدِ مَا أَخْبَرَ الْأَقْوَامَ كَاهِنُهُمْ
بِأَنَّ دِينَهُمُ الْمَعْرُوجُ لَمَّا قَامَ

پس ازاں کا اخبار ایشیاں کر وہ پوونڈ کاہنوں
انکہ دینِ شاں کثرت نیست خواہ گشت ہم

دی خبر اقوام کے سب کاہنوں نے بعد ازاں
دین ان کے ہو گئے باطل ہوئے سب کا عدم

ترجمہ: باوجود اس کے کہ ان قوموں کے کاہنوں نے ان کو آگاہ کر دیا تھا کہ ان کا
ٹپڑھا (غلط) دین قائم رہنے والا نہیں ہے۔ (پھر بھی وہ اندھے اور بہرے
بنے رہے۔

لفظی تشریح

من بعد یہ جار مجرور میں دو سابقہ عوامل متنازع ہیں۔ الکاہن وہ شخص جو جنوں کے گروہ
سے سن کر بعض امور غیبیہ کی خبر دیتا ہے۔ جنوں کے گروہ آسمانی فرشتوں سے چوری کر کے بتاتے
ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں سے کوئی بھی ماسوائے اللہ
تعالیٰ کے غیب نہیں جانتا۔ الا عوجاج ٹپڑھا پن اور امور حسیہ میں صورت کے عدم
استقامت کو کہتے ہیں اور غیر حسی امور میں معنوی استقامت معدوم ہونے کو عوجاج
سے تعبیر کرتے ہیں۔ قامت السوق (بازار کھڑا ہوا) یعنی جب بازار میں خرید و فروخت

عروج پر ہو۔

مسنوی تشریح

کفار پھر سے ہی رہتے ہیں جب کہ انھوں نے انذار کی بشارتوں کو اس کے بعد بھی نہ سنا
 جب کہ ان کے کاہتوں نے اپنی کفار قوم کو یہ بتا دیا تھا کہ ان کا وہ طریقہ جس کو انھوں نے بطور
 دین اپنایا ہے اور وہ اس درست راستے سے نکل گئے ہیں جن پر ان کو فطری طور پر پیدا کیا
 گیا ہے۔ وہ طریقہ قائم نہیں رہے گا اور اس کو رواج حاصل نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا،
 کہہ دوں کہ حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔ اس شعر میں اشارہ ہے کہ حضور کی نبوت و رسالت کی
 حقیقت و صداقت پر یہ (کاہتوں کی خبر) محقق و مبطل ہے۔
 بار بار انکاری طور پر آنکھوں کا نور بجھ جانے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے لہا۔ اسی وجہ
 سے ناظم بھی کہتا ہے

وَبَعْدَ مَا عَاينُوا فِي الْاُفُقِ مِنْ شُهْبٍ
 مُنْقَضَةٍ وَفَوْقَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ صَنَمٍ

(۶۸)

ویدہ بودند ز آسماں آتش بزیر افتادہ بود
 در زمین ہم سزنگوں از خواری افتادہ صنم

بعد ازاں یوں ٹوٹتے تاروں کو دیکھا چرخ نے
 اور منہ کے بل گرے سب سزنگوں ہو کر صنم

ترجمہ: اور اس کے باوجود کہ انھوں نے افق میں ستاروں کو دیکھا جو کہ زمین
 کے اندر بتوں کے گرنے کی مانند گر رہے تھے۔

لفظی تشریح

بعد بر اور نصب دونوں طرح مروی ہے۔ ما مصدریہ ہے یا موصولہ الافق
 فاء پر سکون برائے تخفیف ہے ویسے ضمہ ہے۔ آفاق کی واحد ہے۔ آسمان کی اطراف۔
 الشہب۔ شہاب کی جمع ہے۔ روشن ستارے۔ اس کا اطلاق پھیلنے والی آگ کے شعلہ پر
 بھی ہوتا ہے۔ زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ یہ شہاب ستارے کی آگ سے منفعل ہوتا ہے
 بذاتِ خود یہ کواکب نہیں۔ البتہ کواکب ان کو اپنے حال کے مطابق فلک میں کبھی کبھی ضم
 کر لیتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے آگ کی چنگاری لی جائے جب کہ وہ ثابت اور کامل ہو
 ناقص نہ ہو۔ انقضا ض سقوط۔ نزا۔ انقض السہم تیرا گیا۔ مُنْقَضَةٌ میں (رفع نصب
 اور جر) تینوں حرکات جائز ہیں۔ وفق، یہ منصوب بنزع الخافض یا بوجہ حال واقع ہونے
 کے ہے یعنی اس حال میں کہ شہاب اس بات کے موافق ہوں جو زمین میں رہے۔

معنوی تشریح

وہ کفار اندھے ہو گئے جب کہ انھوں نے انذار کی واضح بجلیوں کو اس کے بعد بھی نہ
 دیکھا جب کہ انھوں نے آسمان کے اطراف میں شہاب لے گرنے کا معائنہ کیا جو کہ زمین
 کے اندر گر کر خاک میں ملنے والے بتوں کی طرح گرے۔ حاصل گفت گویا یہ ہے کہ ان کفار
 کو آفاقی نشانیوں، استراقاتِ سمعی (جنوں کی چوڑی کردہ اخبار کی سماعت)، اور بتوں کا
 مغلوب ہو کر منہ کے بل گرنے جیسی مشاہداتی نشانیوں نے ان کو کوئی فائدہ نہیں دیا۔ پس
 جیسے ان کو بیان سے کوئی فائدہ نہیں ایسے ہی عیاں یعنی مشاہدے سے بھی ان کی کوئی
 اصلاح نہ ہوئی۔

حَتَّىٰ غَدَا عَنْ طَرِيقِ الْوَجِي مُنْهَزِمٌ
مِّنَ الشَّيَاطِينِ يَقْفُوا إِثْرَ مُنْهَزِمِ

(۶۹)

از طریقِ وحی دیواں جملہ آوارہ شدند
دل شکستہ از پئے ہم میر سیدند از ہزم

بھاگتے تھے راستے سے وحی کے شیطان یوں
ایک پیچھے دوسرے کے سر پر رکھ اپنا قدم

ترجمہ: یہاں تک کہ شیاطین وحی کے راستے سے ایک دوسرے کے پیچھے پے
در پے بھاگ گئے۔

لفظی تشریح

حتیٰ عاطفہ ہے یا ابتدائیہ۔ یہ منقضیہ کے متعلق ہے۔ غدا بمعنی سار بقول لعین بمعنی
ذہب ہے۔ اس کا عطف منقضیہ پر ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول فالق الاصباح و
جعل اللیل سکنا۔ صبح کو پھاڑنے والا اور وہ جس نے رات کو پرسکون بنایا، منہزم
غدا کا اسم۔ یقفوا اس کی خبر ہے۔ اثر ظرف ہے۔ من الشیاطین۔ منہزم کی
صفت ہے عن طریق الوحی۔ ایک نسخہ میں عن طریق الحق ہے۔ یہ یقفوا کے
متعلق ہے، کیونکہ یقفوا، ہرب کے معنی کو متضمن ہے۔ ایسے ہی کہا گیا ہے بعض نے
کہا ہے کہ یہ غدا کے متعلق ہے۔ اظہر یہ ہے کہ یہ منہزم کے متعلق ہے۔ طریق الوحی
سے آسمان کے دروازے مراد ہیں۔

معنوی تشریح

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت ستارے
 ٹوٹ کر گرے۔ یہاں تک کہ چوری کرنے والے شیاطین بیٹھے پھرتے ہوئے آسمان کے
 دروازوں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ جو کہ انبیاء و مرسلین کی وحی کا راستہ ہیں۔ ہر شیطان
 نے ایک دوسرے کے پیچھے درپے درپے اتباع کی۔

حاصل کلام یہ کہ شہاب کے مسلسل کثرت کے ساتھ گرنے کا واقعہ نبی پاک صلی اللہ علیہ
 وسلم کے ظہور قدسی اور ولادت کے وقت ظاہر ہوا۔ اور کفار اس قسم کے واقعہ سے قبل معبود
 نہ تھے۔ اگرچہ ان کو فی الجملہ یہ علم تھا کہ یہ ستارے ان کے لیے رجوم بن کر ٹوٹتے ہیں جیسے کہ
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے آسمان دنیا کو مصابیح سے مزین کیا۔ اور ان کو شیاطین کے
 واسطے رجوم بنایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان (جنوں کی) حکایت کرتے ہوئے یہ جو فرمایا ہے،
 ترجمہ: (اور بے شک ہم نے آسمان کو چھو تو ہم نے اس کو پایا کہ وہ اس کی تراست کی گئی
 ہے اور شہاب سے پڑے۔ ہم پہلے تو سننے کے لیے آسمان میں اپنی جگہوں پر بیٹھا کرتے تھے
 پس اب جو بھی سنے گا وہ اپنی ناک میں شہاب پائے گا)
 تو اس سے مراد بعثت کے بعد ہے۔ ایسے ہی شیخ جلال الدین محلی نے اس کی تحقیق کی ہے۔
 اللہ تعالیٰ ان کے مقام کو بلند کرے۔

⑤ كَانَهُمْ هَرَبًا اَبْطَالًا اَبْرَهَةَ
 اَوْ عَسْكَرًا بِالْحَصَى مِنْ رَاْحَتَيْهِ رَمَى

چوں دلیرانِ مین بووند گویا در گریز !
یا چوں آلِ شکر کہ از خاکِ نفس گشتند کم

تھا وہ شکر ابرہہ کا یا پراگتدہ سی فوج
سنگریز سے جن پہ پھینکے تھے یدِ شاہِ امم

ترجمہ: گویا کہ وہ (شیاطین) بھاگنے کے لحاظ سے ابرہہ کے بہادر سپاہی ہیں۔
یا اس کے شکر کی مانند بھاگ رہے ہیں جن پر حضور کی ہتھیلیوں سے کنسکریاں
پھینکی گئیں۔

لفظی تشریح

کانہم کی ضمیر کا مرجع شیاطین ہیں۔ ہو با تمیز ہے یا حال ہے بمعنی ہار بین۔
والابطال۔ بطل کی جمع۔ بہادر۔ ابرہہ اسحابِ فیل کے سالار کا نام ہے۔ عسکر۔
ابطال پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ والراحۃ۔ ہتھیلی کا اندرونی حصہ۔ رہی
میں ضمیر عسکر کی طرف راجع ہے۔

معنوی تشریح

شیاطین پر جب آسمان دنیا سے شہاب پھینکے جاتے اور پھلی زمین کی طرف بھاگ
رہے ہوتے تو یوں معلوم ہوتا کہ گویا وہ ابرہہ کے بہادر ہیں۔ جب ابا بیل نے ان پر جیل پتھر کی
کنسکریاں پھینکیں۔ جب کہ وہ ہاتھیوں کے ساتھ حملہ کرنے لگے تھے۔ (تو وہ بھاگ گئے) یا
پھر وہ بدر یا حنین کے مقام پر کفار کے شکر کی مانند ہیں کہ جب ان پر کنسکریاں حضور کی
مبارک ہتھیلیوں سے پھینکی گئیں تو وہ شکست کھا گئے۔ رومی فعل کے مجہول ہونے میں اللہ تعالیٰ

کے طرف اشارہ ہے: وما رمیت اذ رمیت ولكن اللہ رمی (جب آپ نے اپنی پستی تھیں تو وہ آپ نے نہ پستی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں۔)

پہلے مصرع اصحابِ فیل کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ آپ بارہ ماہ بیعِ لاول سوموار کے عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ اس واقعہ کے سبب یہ ہوا کہ یمن کے بادشاہ نے یمن میں ایک گرجا تعمیر کرایا تاکہ حاجیوں کو بیت اللہ سے پھیر کر اس کی طرف متوجہ کرے۔ نہ ہو کائنات میں سے ایک آدمی نے اس میں گندگی کا ڈھیر لگا دیا۔ بادشاہ نے قسم کھائی کہ اگر وہ گرجا کو گرائے گا۔ اس نے ایک عظیم شکر اور تعداد فوج کے ساتھ مکہ شریف کی طرف تیش قدمی کی۔ جب مکہ میں داخل ہونے کی تیاری کی، تو ان پر غشی طاری ہو گئی۔ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ اور سبیل پتھر کی کسکریاں پھینکی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ کسکری چنے کے دانے سے کم اور مسور کے دانے سے بڑی ہوتی۔ کسکری کا پتھر مسور کے خود پر گرتی اور دربر سے باہر نکل جاتی اور ان کو کھائے ہوتے چارے کی مانند بنا دیتا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اس کی طرف ہی اشارہ ہے: الحد ترکیف فعلا اصحاب الفیل (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے اصحابِ فیل کے ساتھ کیا کیا۔) دوسرے مصرع میں اشارہ ہے:-

بخاری کی روایت کے مطابق غزوہ بدر کی طرف ہے۔ اور امام مسلم کی روایت کے مطابق غزوہ خنین کی طرف ہے۔ یہ واقعہ حضور کے معجزات میں سے ہے۔ آپ نے مٹی کی ایک مٹھی لی اور فرمایا: شاہت الوجوه (چہرے بد صورت ہو جائیں، اور کافروں کے پیروں کی طرف پھینکا۔ کوئی آنکھ بھی باقی نہ رہی مگر یہ کہ اس سے کچھ مٹی داخل ہوئی۔ عصام الدین نے کہا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ آپ نے کسکریوں کی مٹھی لی تھی۔ اور

اس شعر سے بھی کمن کریوں کا مفہوم حاصل ہوتا ہے۔ میں (شارح) کہتا ہوں کہ ناظم نے جو "راخہ" (تھیلی) کو تشبیہ استعمال کیا ہے وہ باعتبار دو غزوات میں دو واقعات کے ہے۔

نَبْدًا بِهٖ بَعْدَ تَسْبِيْحِ بَطْنِهَا

(۴)

نَبْدًا الْمَسْبِيْحِ مِنْ أَحْشَاءِ مُلْتَقِمِ

او فگندہ از پتے تسبیح دروست رسول

مثل تسبیحی کہ یونس را بفگندہ از شکم

لے کے نام اللہ کا پھینکا جو کس کراپ نے

حضرت یونس کو اگلا جیسے ماہی کا شکم

ترجمہ: آپ نے کمن کریوں کو اپنی تھیلیوں سے تسبیح کے بعد پھینکا جیسا کہ تسبیح کہنے والے (حضرت یونس) کو مچھلی کے پیٹ سے باہر پھینکا گیا۔

لفظی تشریح

نَبْدًا پھینکنا مصدر اپنے غیر لفظ سے ہے۔ اس کی تقدیر یوں ہے۔ نَبْدًا نَبْدًا

بہ۔ باء زائدہ ہے تاکہ مصدر کا عمل قومی ہو۔ بہ کے اندر ضمیر صی کی طرف راجع ہے

اور اس کے مذکر لانے کی وجہ ہے کہ وہ ایک اسم جنس ہے۔ اور بطنہما میں ضمیر

داحتیہ کی طرف راجع ہے المسبیح تسبیح کہنے والا۔ مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں

نَبْدًا الْمَسْبِيْحِ مضاف کے مقدر ہونے سے نَبْدًا کی صفت سے اصل میں ہے نَبْدًا مَثَل

المسبح، یا اس سے بدل ہے۔ دریں صورت وہ مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اس طرح عبارت یوں ہے: نبذ الله المسبح۔ الاحشاء جمع حشی۔ أنت (جو کچھ پیٹ کے اندر ہے) الملتقم، نکلنے والا۔ (مچھلی)

معنوی تشریح

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی کئی عظیم بیس کیا تھا اپنی باکرامت ہتھیلیوں سے پھینکیں۔ تسبیح اس قدر بلند آواز سے تھی کہ بعض صحابہ کرام نے سنی۔ آپ نے کتکریوں کو ایسے پھینکا جیسے حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے نکلنے کے بعد اس کے پیٹ سے باہر نکالا گیا جب کہ انھوں نے یہ تسبیح کہی تھی: لا اله الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فالتصمہ الحوت... الخ پس ان کو نکل لیا ٹری مچھلی نے اس حال میں کہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ اگر وہ سجین میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اس مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ ہم نے ان کو کھلے میدان میں ڈال دیا اور وہ بیمار تھے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر کے منہ پر کتکریاں پھینکی تھیں اور کفر بھاگ بھاگ گیا حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالا اور وہ متحیر ہو کر واپس آئے، تو اس سے پہلے واقعہ کو دوسرے کے ساتھ تشبیہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ

اولاً: یہ دونوں واقعات خارق عادت ہیں۔ ثانیاً: جس حضرت یونس کا مچھلی کے پیٹ سے نکلنا ان کی نجات اور قوم کی ہدایت کا سبب بنا۔ ایسے ہی حضرت نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کا کنکریاں پھینکنا مسلمانوں کی خلاصی اور بعض کافروں کی ہدایت کا سبب بنا۔

حضرت جلال الدین محلی نے کہا کہ ناظم پھینکی گئی کنکریوں کی تسبیح کی دلیل پر تو واقف ہو گئے مگر اس آدمی پر آگاہ نہیں ہوتے جس نے اس بارے میں نفی کا اعتراض کیا ہے۔ یا اس ثابت شدہ تسبیح کو کسی اور مقام کے لیے ثابت کرنے کا قصد کیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی لی۔ ان کنکریوں نے آپ کی مٹھی مبارک میں تسبیح کہی ہم نے تسبیح کو سنا۔ اس کو صاحب شعاہ وغیرہ نے ذکر کیا۔ اسی پر ناظم کا قول بھی ہے۔

لیکن اس صورت میں حضور کے کنکریاں پھینکنے کی کوئی وجہ تعبیر اور حضرت یونس علیہ السلام باہر نکلنے کے ساتھ کوئی وجہ تشبیہ ظاہر نہیں ہوتی۔

جَاءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْأَشْجَارُ سَاجِدًا
تَمْشِي إِلَيْهِ عَلَى سَاقٍ بِلَا قَدَمٍ

(۷۲)

ہم درخت آمد بفرمائش بہ نزد و سجدہ کرد
می دویدے سوے او دائم بساق بے قدم

ہو کے مسجود آپ کی دعوت پہ اشجار آگئے
پیر سے چلتے ہوتے رکھتے نہ تھے گو وہ قدم

ترجمہ: درخت، حضور کے بلانے پر متواضع ہو کر قدموں کے بغیر اپنے تنوں

پر چلتے ہوتے آتے۔

لفظی تشریح

السجدة بستان ہونا۔ اور یہ سر کو زمین پر رکھنے سے مکمل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کی تفسیروں کی گئی ہے۔ وضع افضل الاجزاء (سراسر) علی ارض الارض (الارض) سے بہتر چیز کو گھٹایا اور کمینہ شتے پر رکھنا یا پھر وہاں پر مراد خضوع اور فرماں برداری ہے۔

درخت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے سبب آتے۔ اور جب حضور ان کو طلب فرمایا تو انھوں نے دعوت کو قبول کیا۔ اور اس طرح آتے کہ وہ مطیع اور عاجزی کی حالت میں سر کے بل آتے اور اپنے تنوں پر خضوع کے ساتھ بغیر قدموں کے گتے۔

اس شعر میں مختلف قسم کی خوارق عادت ہیں :

① نباتات کا خطاب کو سمجھنا۔ حالانکہ وہ زندہ چیزوں میں سے نہیں ہیں۔

② ان کا آنا۔

③ مختلف قسم کی متعدد حرکات و سکنات کرنا۔

④ ان کا حضور علیہ السلام کی طرف قصد کرنا۔

⑤ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے تواضع کرنا۔

⑥ پھر ان کا بغیر قدموں کے تنوں کے بل چلنا۔ یا تو سر کے بل چلنا ہے۔ یا پھر

عاجزی اور خضوع کے ساتھ۔

عصام الدین محلی نے فرمایا کہ یہ واقعہ ایک ہی درخت سے حاصل ہوا۔ درختوں

کے جمع کا صیغہ ذکر کرنا تکرار پر محمول ہے۔ یعنی وجود واحد ہونے کے باوجود حرکت کا تکرار مراد ہے، لیکن وہ اس چیز سے غافل ہیں۔ جو صاحب شفا اور ان کے علاوہ دیگر اہل وفات نے شامل مصطفیٰ علیہ التحیۃ والتنار کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ ایک ایک اعرابی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کسی معجزہ (نشانی) کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا، اس درخت سے کہو کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا تے ہیں۔ (یہ حکم پہنچنے کی دیر تھی کہ) وہ درخت اٹس بائیں، آگے پیچھے جھکا۔ (اس طرح) اپنی بڑی کاٹیں پھر وہ بڑی زمین میں سے کھینچتا ہوا آیا اور حضور کے آگے آکر کھڑا ہو گیا۔ کہا: السلام علیک یا رسول اللہ! اعرابی نے کہا: آپ اس کو حکم دیں کہ یہ اپنی جگہ واپس چلا جاتے، تو وہ درخت اپنی جگہ جا کر سیدھا ہو گیا۔ امام مسلم نے کتاب کے آخر میں حضرت جابر سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ ادھر ادھر دیکھا کوئی چیز ایسی نظر نہ آئی جو ستر کا کام دے سکے۔ اچانک آپ نے وادی کے دونوں کناروں پر وہ درخت دیکھے۔ آپ ایک کی طرف تشریف لے گئے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑی اور فرمایا، اللہ تعالیٰ کے اذن سے میری اطاعت کرو۔ وہ اطاعت کرتا ہوا ساتھ چل پڑا یہاں تک کہ دوسرے درخت کے پاس تشریف لائے، اور اسے بھی منہ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے اذن سے میری اطاعت کرو۔ یہاں تک کہ پھر قضائے حاجت کے بعد دونوں جدا ہو گئے۔ ہر ایک اپنے اپنے تئیں پر کھڑا ہوگا۔

كَانَمَا سَطَرَتْ سَطْرًا لَهَا كَتَبَتْ

(۷۳)

فَرُوْعَهَا مِنْ بَدِيعِ الْخَطِّ فِي اللَّقْمِ

گوئیَا نخلے کہ کردند شاخہا بر ہر درخت
می نوستندے خط نیکو عجب اندر رسم

ان درختوں نے لکیریں خوب کھینچیں اور لکھا
ڈالیوں سے اپنی وسطِ راہ میں با پیچ و خم

ترجمہ: گویا وہ درخت ایک خط کھینچے ہوتے آتے۔ اور ان کی شاخیں ان سطور
کے درمیان خوبصورتی پیدا کر رہی تھیں۔

لفظی تشریح

کانہا میں ما کا فہ ہے۔ السطر لکنا۔ لہا میں لام بمعنی وقت ہے۔ الفروع
ٹہنیاں۔ البدیع عجیب و غریب۔ بروزن فعل بمعنی مفعول ہے۔ اضافت از قسم صفت
کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ من۔ ما موصولہ کا بیان ہے۔ اور ضمیر عائد مجذوف ہے
اصل میں تھا، کتبتہ۔ اللقم، راستے کا درمیان حصہ۔ بعض نے کہا ہے: اس کا معنی لوح
ہے بعض نے کہا کہ روائت اور درانت کے اعتبار سے پہلا معنی ہی مناسب ہے۔ الباء
معنی فی ہے۔ لقم میں قلم کی تقلیب ہے۔ اٹائے ہوئے حروف ہیں۔ وہ لکھنے کا
ایک آلہ ہے۔ اس میں کچھ غرابت ہے جو کہ محسنات بدیعہ سے ہے۔

معنوی تشریح

پچھلے شعر میں گزر چکا ہے کہ حضور نے درختوں کو بلایا تو وہ اپنی جڑیں گھسیٹتے ہوئے
آئے۔ راستہ غبار آلود ہونے کے باعث درختوں کی ٹہنیوں سے راستہ میں گھسٹنے کے باعث

لکیریں پڑگئیں، ناظم نے زمین میں درختوں کی ٹہنیوں کے نشانات کو متدبر (سمجھدار) کے لیے ایسے خط سے تشبیہ دی جو کہ غور و فکر کرنے والے کے نزدیک معانی کا فائدہ دینے والے لفظ پر دلالت کرے۔

مِثْلَ الْغَمَامَةِ اَنْى سَارَ سَائِرَةٌ

(۷۲)

تَقِيهِ حَرًّا وَطَيْسٍ لِّلْهَجِيرِ حَيْثُ!

ابر بوند سے برسرِ شش تا او برفتنے ہر کجا
تا نگاہش داشت از گرمائے تابستان گرم

ابر کے مانند وہ سایہ فگن تھے آپ بے
تا بچانے گرم موسم کی حرارت سے ہم

ترجمہ: ان درختوں کا حضور کے پاس آنا بادل کی ٹکڑی کی طرح ہے کہ حضور جہاں
جہاں بھی تشریف لے جاتے وہ ساتھ چلتی رہتی۔ اور آپ کو دوپہر کی سخت گرمی
سے بچاتی۔

لفظی تشریح

مخذوف مصدر کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اى مجیداً مثل
الغمامة۔ الغمامة عین پرقتہ عصام الدین نے وہم کیا ہے کہ یہ بروزن عمامتہ ہے
مگر یہ درست نہیں ہے، کیونکہ عمامتہ کی عین پرکسرہ ہے۔ جیسا کہ قاموس وغیرہ میں ہے۔
مثل کو اگر مرفوع پڑھیں تو یہ خبر مبتدا مخذوف کی ہوگی۔ جو کہ ”ھى“ ہے جس کا مرجع الاسما

ہے اس صورت میں معنی یہ ہے۔ درخت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے
 خدمت کرنے میں بادل کے مانند ہیں یا ان کا آنا بادل کے سایہ کرنے کی طرح ہے
 اس طرح مضاف مخدوف ہوگا۔ اٹی کا معنی ہے؛ کس جگہ سے کہاں تک۔ یا بمعنی
 کیف ہے۔ یعنی کیسے آئے پیدل یا سوار، تیز یا آہستہ۔ مسائرۃ مرفوع بلحاظ خبر
 مبتدا مقدر کی جو کہ صی ہے۔ تقیہ، حفاظت کرنا۔ یہ بھی مقدر مبتدا کی دوسری خبر ہے
 یا نیا جملہ ہے۔ یا اپنے مابعد کا واقع حال ہونے کے باعث منصوب ہے، تو معنی ہوگا؛
 (درختوں کی آمد) وہ بادل کے مشابہ ہے جب کہ وہ چلنے والی ہو کہ کیسے چلے۔ الوطیس
 تنور۔ مراد گرم ہوا کا تنور ہے۔ صی فعل ماضی ہے۔ اس کے آخر کا سکون بوجہ
 وقف عارضی ہے۔ یہ وطیس کی صفت ہے۔ کہا جاتا ہے؛ صی الوطیس جب کہ جنگ
 سخت گرم ہو جائے یا کوئی مشکل معاملہ درپیش ہو تو یہ محاورہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اللہ بید
 دوپہر۔

بار معنی فی ہے ایسے ہی لام بھی فی کے معنوں میں ہے۔ جیسا کہ بعض نسخوں میں مذکور ہے۔

معنوی تشریح

درخت حضور کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہوتے چل کر آپ کے پاس آتے جیسا کہ
 بادل چلتے ہوئے اور دن کی سخت گرمی سے آپ کو بچاتے ہوئے آتے اور اہل انبیاء
 جہاں کہیں نبی مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے جاتے، درخت آپ کی خدمت سے
 مشرف ہوتے۔ بادلوں نے (آپ کی خدمت کرنے پر) فخر کیا اور سایہ کرنے کے لیے بلند
 ہو گئے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تمام بلندیاں اور پستیاں آپ کے سامنے
 سرنگوں ہیں۔

محلّی نے کہا ہے کہ ترمذی کی روایت کے مطابق بادلوں کا حضور علیہ السلام پر سایہ کرنے کا واقعہ شام کی طرف تاجروں کے قافلہ میں اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ سفر کے دوران کپڑوں میں آیا تھا۔ اسام الدین نے کہا: ناظم یوں کہتا:

دشّل الغمامہ لہما سار سائرۃ
دفتہ حر و طیس للہجیر حمی

یعنی انی کی بجائے لہما اور تقیہ کی بجائے وقتہ ہوتا تو زیادہ مناسب تھا کیونکہ انی۔ ان کے معنی کو متضمن ہے اور اس کا مدخول بہ استقبال کے معنوں میں ہوتا ہے اور حال یہ ہے کہ مقام ماضی کا مقصدی ہے۔

اس اشکال کو دور کرنے میں جو بات دل کو کھٹکٹی ہے اس کی غانت یہ ہے کہ اس سیر (سفر) سے ما قبل کی طرف نظر کرنے سے مستقبل سے یہ تعبیر کیا جائے کہ بادل کے موجود ہونے کا وہ زمانہ ابتدا ہے۔

اَقْسَمْتُ بِالْقَبْرِ الْمُنَشِقِّ اِنَّ لَمَّا
مِنْ قَلْبِهِ نِسْبَةً مَبْرُورَةَ الْقَسَمِ

(۷۵)

میں خورم سو گند بہر ما ہے کہ منشق شد ازو
نسبتے داروز قلبش ز اں درست آمد قسم

قلب پاک مصطفیٰ سے چاند کو نسبت ہے خاص
ماہ منشق کی قسم کھاتا ہوں میں سچی قسم !!

ترجمہ : میں دو ٹوک سے ہونے والے چاند کی سچی قسم اٹھا سکتا ہوں اس کو آپ کے قلب انور سے خصوصی نسبت ہے۔

لفظی تشریح

کہا گیا ہے کہ یہاں غیر اللہ کی قسم شاعروں کی عادت کے مطابق ہے وگرنہ شرع نے تو اس کو شرک شمار کیا ہے۔ اسی وجہ سے اس طرح کی قسموں میں مضاف مقدر سمجھا جاتا ہے تقدیر یوں ہوتی: اقسمت برب القمر اس اعتبار سے کہ یہ کلام اللہ سے حکایت کے طور پر ذکر کیا گیا ہو (تو وہ بھی جائز نہیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی بعض موجودات کی عظمت بیان کرنے کی خاطر مخلوقات میں جس کی چاہے، قسم اٹھانا روا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول: کلا والقمر.... الخ

عصام الدین نے اس کو غریب کہا ہے۔ اور کہا کہ جس قسم سے حکم کی تاکید مراد ہو وہ منع نہیں ہے۔ اسی وجہ سے محاورات میں چاند کی قسم وغیرہ اٹھائی جاتی ہے اور اس سے روکنا ممنوع ہے۔

میں (شراح) کہتا ہوں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے آپ نے فرمایا: جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔ اس کو امام ترمذی اور حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند سے روایت کیا ہے، اور صحیحین (بخاری و مسلم) میں آیا ہے کہ غیر اللہ کی قسم نہ اٹھاؤ۔ جو کوئی قسم اٹھائے وہ اللہ کی قسم اٹھائے یا چپ کر جائے۔

طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بات دراصل یہ ہے کہ قسم مخلوق بہ (جس کی قسم کھائی گئی ہے) کی تعظیم کے لیے کھائی جاتی ہے۔ اور صیغہ تعظیم مخصوص ہے صرف

اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ (اس وجہ سے) اللہ تعالیٰ کے اسماء کے علاوہ قسم اٹھانا مکروہ ہے اس میں نبی، کعبہ، ملائکہ، مارنا، موت، زندگی اور روح وغیرہ سب برابر ہیں۔ قسم کا اطلاق ابتدائی تین راتیں گزرنے کے بعد رات کو روشن ہونے والے پر ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کو ہلال کہا جاتا ہے۔ لہذا اور قلبہ دونوں کی ضمیریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راجع ہیں مہجورۃ القسم ایسی نسبت کی صفت ہے جو قسم کو صحیح کرنے والی ہو۔ اس طرح کہ اگر قسم اٹھانے والا اس نسبت کے ثبوت کی قسم اٹھائے تو وہ سچا ہوا اور قسم سے پورا اثر جاتے بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ یمین (قسم) کی صفت ہے۔ اس پر اہمیت نے دلالت کی۔

معنوی تشریح

بے شک شوق ہونے والے چاند کو حضور کے قلب النور اور سینہ ازہر سے بالکل واضح مناسبت اور صحیح مشابہت ہے۔ اس طرح کہ اس نسبت کے متعلق قسم اٹھانے والا سچا ہے۔

یہ انشفاق بلا ضرورت التیام اور بغیر کسی اثر کے واقع ہوا۔ ان میں سے ایک آیات میں سے ایک آیت ہے اور دوسرا معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

انشقاق قلب کے بارے میں امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کی ہے ایک دفعہ جبرائیل علیہ السلام آتے جب کہ حضور (ایام طفولیت میں) بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ انھوں نے آپ کو پکڑ کر لٹا لیا۔ اور دل کے مقام پر سے سینے مبارک کو شوق کیا۔ دل کو نکالا اور اس میں سے کوئی چیز نکالی۔ کہا، یہ آپ میں سے شیطان کا حصہ ہے پھر اس کو سونے کے تھال میں دھویا اور نرم کیا۔ پھر اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ نبی پاک صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اپنے سینے میں سلائی کا نشان دیکھتا تھا۔

صحیحین میں حضرت ابو ذر سے ایک روایت مروی ہے۔ حضور نے فرمایا: میں جب مکہ تھا، تو میرے مکان کی چھت پھٹی، بہر ایل اترا۔ میرے سینے کو چہرہ بھرا، اس کو زمزم کے پانی سے دھویا۔ پھر وہ ایمان و حکمت سے بھرا ہوا سونے کا تھا لائے اور میرے سینے میں اٹیل دیا۔

پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور مجھے آسمان پر لے گئے۔ الخ

اشفاقِ قمر کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں بیان فرمایا ہے:

اقتربت الساعة وانشق القمر۔ وان یروا ایتة یعرضوا ویقولوا سحر

مستمر (قیامت قریب ہو گئی۔ اور چاند پھٹ گیا۔ اگر وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ

پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسلسل جادو ہے۔) اور صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ

عنه سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ

ان کو کوئی معجزہ دکھائیں، تو انھوں نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا مطالبہ کیا۔ یہاں تک

کہ انھوں نے دو ٹکڑوں کے درمیان کئی اجزا دیکھے۔ انتہی۔

یہ بات ثابت ہے کہ اشفاقِ قمر دو مرتبہ ہوا۔ اور یہ بھی پہلے گزر چکا ہے کہ شقِ صد

کا واقعہ بھی دو مرتبہ ہوا، تو قلبِ منیر اور قمرِ مستنیر کے درمیان دو نسبتیں ہو گئیں۔

④ وَمَا حَوَى الْغَارُ مِنْ خَيْرٍ وَمِنْ كَرَمٍ
وَ كُلُّ طَرْفٍ مِّنَ الْكُفَّارِ عِنْدُ عَمِيٍّ

جمع کردہ غار خیمہ رات و کرامت ہا جسے
 باسمِ چشمِ کافر گشت زین شاں کور ہم
 کیا نظر آتا انھیں کفار تھے سب کور چشم
 غار میں جو ہو گئے تھے جمع بانخیمہ کرم

ترجمہ: اور یاد کرو جب کہ غار (ثور) نے خیر اور کرم کو اکٹھا کر دیا۔ اور کفار کی ہر
 آنکھ آپ کو دیکھنے سے اندھی تھی۔

لفظی تشریح

ثور مکہ میں ایک پہاڑ ہے۔ من، کفار کا بیان ہے۔ خیر اور کرم سے مراد افعالِ جلیلہ
 اخلاقِ جلیلہ، وہی اور کسی عاداتِ مبارکہ ہیں۔ یہ حذفِ مضاف کے طریقہ سے ہے۔
 اصل میں تھا۔ (من اهل خیر و من اهل کرم) اور اس طرح کا اطلاق مبالغہ کے
 طور پر ہوتا ہے۔ جیسے رجل عدل (بہت عادل مرد)۔

معنوی تشریح

خیر اور کرم دونوں سے مراد نبی اور ولی (حضرت ابو بکر صدیق) ہو سکتا ہے یا یہ مراد
 لفظِ شمر مرتب کے طور پر ہے۔ پس خیر مطلق سے خیر البریہ حضورِ سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ
 علیہ وسلم اور کرم سے افضل الامت (حضرت ابو بکر صدیق) مراد ہیں۔

ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی کا ہم پر احسان نہیں مگر یہ کہ ہم نے اس کا بدلہ چکا
 دیا ہے سوائے ابو بکر کے۔ بے شک ابو بکر کا ہم پر احسان ہے۔ جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ ان

کو قیامت کے روز عطا کرے گا۔ مجھے کسی کے مال نے نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر کے مال نے نفع دیا ہے۔

حضور نبی اکرم اور حضرت صدیق کے نشانات کا کھوج لگانے کے لیے غار کے ارد گرد چکر لگانے والے کفار کی نظر کو پھیر دیا گیا۔ عنہ کی ضمیر کو مفرد ذکر کیا، کیونکہ اصل متبوع ہوتا ہے۔ یا اس کی تقدیر یوں ہے: عن کل واحد منہما۔ دونوں میں کسی کی طرف بھی ان کی آنکھ نہ اٹھ سکی، اندھی رہی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وترہم ینظرون الیک وہم لا یبصرون آپ کا خیال ہے کہ وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ ان میں بصارت ہی نہیں۔
کسی شاعر نے کہا ہے

ویؤذی ضوء شمس عین خفاش

وقال کما یضئ ریح الورد بالجمل

صحیحین میں ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے کہا: میں نے ان کے قدموں کو اپنے سروں پر دیکھا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کوئی اپنے قدموں کی طرف دیکھے تو ہمیں دیکھ لے تو حضور نے فرمایا، ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو۔ قرآن پاک میں ہے: الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اذا خرجہ الذین کفروا ثانی اثنین اذہما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا۔

﴿۷۷﴾ فَالصِّدْقُ فِي الْغَارِ وَالصِّدِّيقُ لَمْ يَرِ مَا

وَهُمْ يَقُولُونَ مَا بِالْغَارِ مِنْ أَمْرٍ

صدق و صدیقند در غار و کس ایشان را ندید
کافراں گفتند کس اینجانہ باشد منکتم

صدق اور صدیق اکبر غار ہی میں تھے چھپے
غار میں کوئی نہیں کفار کہتے تھے بسم

ترجمہ: سر ابا صدق (حضرت نبی اکرم) اور صدیق (ابوبکر) غار میں دکھائی نہیں دیتے
حالانکہ وہ کفار آپس میں کہہ رہے تھے۔ غار میں کوئی بھی نہیں۔

لفظی تشریح

الصدق مصدر یعنی صادق و مصدوق ہے یا بالمعنی الاعم صاحب صدق مراد ہے۔
یا مبالغہ کے طور پر ہے۔ جیسے رجل عدل یعنی ایسا صادق و مصدوق جس پر صدق منحصر ہو
بلکہ وہ عین صدق ہو۔ مراد نبی اکرم کا غار ثور میں صدیق اکبر کی معیت میں تشریف فرما ہوا۔ جبکہ صدیق کا معنی ہوتا
ہے: کثرت سے سچ بولنے والا اس طرح کہ صدق سے مفارق نہ ہو پس صدق کے
لیے ایسی چیز ہے جو ناقابل انفاک ہے۔ بعض علماء نے لَمْ یُورِیَا کہا ہے۔ یا مفتوح
اور رار مکسورہ کے ساتھ۔ یعنی لَمْ یُورِیَا وَلَمْ یُزُولَا۔ اس صورت میں اس کا اصل
یوں ہوگا۔ اس فعل کا عین کلمہ واؤ اور اس کے بعد یار واحد مذکر غائب صیغہ ہونے کی صورت
میں التفا کے ساکنین کے سبب واؤ۔ یار کی اتباع میں حذف ہو گئی۔ البتہ استعمال کی
صورت میں اس کی ہنیت یوں ہی ہے یعنی یار کو کسی عارضے کے سبب حرکت دینے
کی صورت میں یار برقرار رہتی ہے۔ اور یونہی میم کو بھی عارضی طور پر حرکت دے دی
جاتی ہے۔ یہ دونوں صورتیں تنزیل کی ہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ ضرورت شعر پر محمول کہنے

کی بجائے غارضے پر اعتبار نہ کیا جاتے کیونکہ یہ محل نظر ہے۔ اس لیے کہ ضرورت شعر میں اس قسم کا حذف غیر قیاسی ہے۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کے لیے مراد ہی معنی اخذ کرنے میں تشویشناک التباس کا باعث بنتا ہے۔ اور بالکل یہی صورت حال ہے اس قول میں جس میں کہا گیا کہ یہ لفظ روم سے مشتق ہے اور مجہول کا صیغہ ہے۔ روم کا معنی طلب کرنا ہے عجیب بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں صرف مطلوب ہی نہیں بلکہ محبوب بھی ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ ورم سے مشتق ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے باوجود ادب کی وجہ سے طیش میں نہیں آئے بعض نے کہا ہے کہ زہروں سے پیدائندہ ورم سے آپ برا فروختہ نہیں ہوئے، کیونکہ غارسانپوں کا ٹھکانہ تھی۔ اس صورت میں یہ خوارق عادات میں سے ہو گا بعض نے کہا ہے کہ یہ صیغہ مفرد کا موکد بانوں خفیفہ ہے تو وقف کی وجہ سے نون کو الف سے بدل دیا ہے ضمیر حضرت ابو بکر کی طرف راجع ہے اور (یہ بیان) کے بارے میں خبر ہے جب کہ آپ کے قدم مبارک کو سانپ نے ڈس لیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے درد ختم ہو گیا۔

بعض نسخوں میں ”رؤیہ“ سے بصیغہ مجہول درج ہے۔ اس کا معنی ظاہر ہے، لیکن بعض شارحین نے کہا ہے کہ یہ کتاب میں تصحیف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وہم یقولون۔ حال یہ ہے کہ غار کے دروازے پر کھڑے کفار، جو خدائے قہار کی مدد سے آنکھوں سے اندھے تھے، یہ کہتے ہیں کہ غار میں کوئی نہیں ہے۔

أرمر وأرمر۔ کوئی ایک۔ ارم سے پہلے من برائے مبالغہ ہے۔

وہ کفار غار کے منہ پر مکڑی کے جال، کبوتری کے انڈے اور اس کے غار کے ارد گرد

اڑتے کو دیکھ رہے تھے۔

مسنوی تشریح

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہما غار ثور کے اندر پناہ گزین ہوئے۔ کفار بھی آپ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اور غار ثور کے دھانے تک پہنچ گئے۔ مگر وہاں انھوں نے کچھ ایسی علامات دیکھیں جن سے ان کو یہ وہم بھی نہ گزرا کہ غار کے اندر کوئی ہے۔ اور ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ یہاں غار کے اندر کوئی بھی نہیں ہے۔ جلا کر حضور نبی اکرم اور حضرت صدیق تقریباً سامنے ہی تھے مگر وہ دکھائی نہ دیئے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ سے منقول ایک خبر پچھلے شعر میں گزر چکی ہے۔

وہ علامات یہ تھیں :

① کبوتری کا گھونسلہ اور اس کا منڈلانا۔

② گھونسلے میں انڈا۔

بعض روایات میں ہے کہ قدرت خداوندی سے غار کے آگے بول کا درخت کہیں

دور سے آگیا۔ اور اس پر کبوتری نے گھونسلہ بنایا۔ اور انڈے دے کر سینے بیٹھ گئی۔

③ مکڑی نے غار کے منہ پر جالاتن دیا۔

مزید تشریح اگلے شعر میں ملاحظہ فرمائیں :

④ ظَنُّوا الْحَمَامَ وَظَنُّوا الْعَنْكَبُوتَ عَلَى
خَيْرِ الْبَرِيَّةِ لَمْ تَسْجُجْ وَلَمْ تَحْمِ

تخم بنہادہ کبوتر بدبہ بفت عت کبوت
کافراں راشد گماں کا نجانیا سودہ نسیم

دیکھ کر انڈے کبوتر کے اُدھر مگر می کا جال
تھا گماں کفار کو اس میں نہیں شاہ امم

ترجمہ: انھوں (کفار) نے کبوتر می اور مگر می کو خیال کیا کہ مگر می نے حضور نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم پر جالا نہیں بنا۔ اور کبوتر می نہیں اڑی۔

لفظی تشریح

البریۃ تشدید اور ہمزہ کے ساتھ مخلوقات۔ خیر البریۃ سے مراد سید الانبیاء و
الاولیاء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لَمَّا تَحْمَمَ (حام) کسی شے کے گر و چکر لگانا۔
دونوں فعلوں کو مونث لانے کا سبب یہ ہے کہ ناظم نے کبوتر می اور مگر می کی جنس مراد لی
ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عت کبوت میں مشہور ہے کہ جالا بننا مونث کا شغل ہوتا ہے جیسا
کہ انڈے دینا مونث کے ساتھ مخصوص ہے۔

معنوی تشریح

کفار نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم تعیین کے باعث گمان کیا کہ مگر می
نے جالا نہیں بنا اور کبوتر می غار کے گر و نہیں اڑی، تو انھوں نے خیال کیا کہ گھر میں کوئی
مکین نہیں ہے۔ اور وہ نشانات کا کھوج لگانے سے باز آگئے۔ کہنے لگے۔ اگر کوئی غار
میں ہوتا تو یہ نشانات ختم ہو چکے ہوتے۔ جب کسی نے کہا کہ تم اس غار میں داخل ہوتے
ہو کیا تم اس پر مگر می کا جالا نہیں دیکھتے تو امیہ بن خلف یولا، یہ علامات تو میں نے

(حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت سے قبل دیکھی تھیں۔

یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت پر واضح ترین دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت بڑے دشمن سے ایک کمزور ترین شخص (جالا) کے ذریعے بچالیا۔ نیز یہ اللہ تعالیٰ کے بلند مرتبہ نبی اور واضح دوست کے مراتب کی بلندی پر اظہر علامات میں سے ہے کہ پرندے اور کیڑے مکوڑے آپ کی خدمت کرتے ہیں جیسا کہ آپ کے لیے ظاہر ہوا۔

ناظم نے بہت بہتر انداز میں مختلف قسم کے معجزات اور خوارق عادات ذکر کی ہیں کہا گیا ہے کہ حرم کے کتو بر اس وقت اسی کبوتری کی نسل سے ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جالابننے کی وجہ عنکیوت (مکڑی) کو قتل کرنے سے روک دیا ہے۔

④۹ وَقَايَةُ اللَّهِ أَغْنَتْ عَنْ مُضَاعَفَةِ
مِّنَ الدَّرْوَعِ وَعَنْ عَالٍ مِّنَ الْأُطْمِ

چوں خدا اور از مکر دشمنان محفوظ داشت
برزرہ حاجت نبودش و بحسن قلعه ہم

کی حفاظت آپ کی ایسی خدائے پاک نے
زرہ اور قلعوں سے مستغنی ہوئے شہاۃ امم

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی حفاظت نے آپ کو متعدد زرعوں اور اونچے قلعوں
سے مستغنی کر دیا۔

لفظی تشریح

الاطم - اطمئنة، کی جمع ہے قلعہ۔

معنوی تشریح

اللہ تعالیٰ ملک جبار کی حفاظت نے اپنے نبی مختار کو ذرعوں اور متعدد اسلحہ اور بلند و بالا قلعوں سے مستغنی کر دیا۔ اس کی توجہ کافی ہے۔ اور اس کی حفاظت مکمل حفاظت ہے۔ کیونکہ اپنی مرضی کے مطابق جس کو چاہے اس کو اپنی مخلوقات میں سے جس سے چاہے اس سے حفاظت کرتا ہے۔ جو بھی اس کی پناہ اور حفاظت کا ارادہ کرے اس کو اپنی عجیب و غریب مصنوعات سے بچاتا ہے۔ جیسے کہ اس نے غار کو مضبوط قلعہ اور مکڑی کے جالے کو قوت میں مضبوط ذرع بنا دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حفاظت فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت اتری: **وَاللّٰهُ يَعْصَمُكَ مِنَ النَّاسِ**۔ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا، تو آپ نے قبر مبارک سے سر نکالا اور فرمایا: لوگو! واپس چلے جاؤ۔ میرے رب نے مجھے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عصمت پہلے بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے تھی مگر، پہلے بواضع حجاب تھی جب حجاب اٹھ گیا تو رب الارباب نے (بغیر حجاب) کے حفاظت کی۔

شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: **الانصوۃ فقد نصوۃ اللہ**۔ اگر تم نے اس کی مدد نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کی ہے اور ناظم اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے: **وما النصر الا من عند اللہ**

العزیز الحکیم۔) نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے جو کہ غالب حکمت والا ہے۔)

مَا سَأَمَنِي الدَّهْرُ ضِيَاءً وَاسْتَجَرْتُ بِهِ
إِلَّا وَنِدْتُ جَوَارًا مِنْهُ لِمَ يَضْمِ

رنج اگر دیدم زدہر و خواستم ازوے اماں
در جوار او خصلوص از ہر بلائے یافتم

جب زمانے نے ستیا میں نے لی اُن کی پناہ
جب ملی ان کی مدد بس دور تھا سب رنج و غم

ترجمہ: زمانے نے مجھے ظلم کی سختی نہیں چکھائی۔ حال یہ ہے کہ جب بھی میں نے
حضور کی پناہ مانگی۔ مجھے پناہ مل گئی۔ اور زمانہ مجھ پر کوئی ظلم نہ کر سکا۔

لفظی تشریح

السوم۔ شدت اور محبت کا ذائقہ چکھانا۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:
یسومونکم سوء العذاب (وہ تم کو بُرے عذاب کا ذائقہ چکھائیں گے۔ ایک نسخہ
میں سامنی کے بجائے ضامنی ہے جو کہ ضمیمہ بمعنی ظلم ہے۔ اور دہر کی طرف نسبت
مجازی عرفی ہے۔ جو کہ مطلق زمانہ مراد ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں پر مضاف مقدر مانا جائے
یعنی خالق الدہر کہا جائے۔ ضیاء نسخہ سین (سامنی) کے مطابق مفعول
ثانی ہے اور نسخہ ضاد (ضامنی) کے مطابق مفعول مطلق ہے ایک نسخہ ضیاء
کی بجائے یوماً ہے جو کہ منصوب علی الظرفیت ہے۔ استجرت کا سامنی

پر عطف ہے۔ الاستیجار پناہ طلب کرنا۔

بعض نے اس کا معنی پناہ حاصل کرنا، التجا کرنا اور نجات چاہنا کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ استیجار حال ہے (چونکہ حال جب فعل ماضی واقع ہو رہا ہو تو اس کے لیے قد کا انا شرط ہے) قد مقدر ہے اور یہی اظہر ہے۔ استثناء مفرغ ہے۔
 بدہ کی ضمیر کا مرجع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ نلت۔ نال سے مشتق ہے۔
 مراد تک پہنچ جانا۔ اپنی آرزو اور مقصود کو حاصل کرنا۔ منہ میں ضمیر ضمیم کی طرف راجع ہے
 الجوار بکسر جیم۔ مجاورت کرنا۔ حفاظت کرنا۔ اگر جوار کا معنی خلاص ہو تو۔ اور اگر جوار کا
 معنی طلب ہو تو ظمیر البریۃ کے لینے ہے۔ لحدیضم مجہول استعمال کیا گیا ہے
 پھر یہ شعر اور اس کا مابعد بعض نسخوں میں قصیدہ کے آخر میں اس قول خدمت بمذیع الخ
 سے پہلے واقع ہوتے۔

معنوی تشریح

اللہ تعالیٰ نے امور اکوان میں سے کوئی تکلیف مجھے کسی زمانہ، کسی وقت اور کسی گھڑی
 بھی نہیں پہنچائی۔ اور حال یہ ہے کہ جب بھی میں نے اس کی طرف التجار کی اور خلاصی کو اس
 کے حوالے کیا تو میں نے اس سے خلاصی کو حاصل کیا اور پناہ کو پایا۔ زمانہ (مجھ پر) نہ
 غالب ہو سکا۔ اور نہ ہی ظلم کر سکا۔ نہ مجھے حقیر جانا، بلکہ احترام کیا۔

① وَلَا التَّمَسْتُ غِنَى الدَّارَيْنِ مِنْ يَدِهِ
 إِلَّا اسْتَمْتُ النَّدَى مِنْ خَيْرِ مُسْتَلِمٍ

ہر چیز کو دم التماس از نعمتِ ہر دوسرا
 یافتم بوجہ بہتر انچہ از دے یافتم
 دستِ اقدس سے طلب کی دین دنیا جب کبھی
 سرفرازی ہو گئی جب مل گیا دستِ کرم

ترجمہ : میں نے جب بھی دونوں جہاں کی دولت آپ سے مانگی تو میں نے
 بہترین عطا کنندہ سے سخاوت اور بخشش حاصل کی۔

لفظی تشریح

المستلم بفتح اللام۔ یہ اسم مکان ہے یا اسم مفعول۔

معنوی تشریح

میں نے غنائے دنیا بالکفایت اور غنائے عقبی بالسلامت، آپ کے احسان و اتقان
 سے نہیں مانگا مگر یہ کہ میں نے عطا کو حاصل کیا اور بہترین مطلوب اور مستلم سے اپنی آرزوں
 کو پایا۔ دونوں شعروں کا حاصل یہ ہے کہ صوری اور معنوی تکلیف کا دور کرنا، دینی اور
 دنیاوی نفع کا کتاب حضور کی ذاتِ مقدرہ کے تمسک سے حاصل ہے اور آپ کے آستانہ
 عالیہ پر کھڑا ہونے سے ملتا ہے۔

لَا تُنْكِرِ الْوَحْيَ مِنْ رُؤْيَاہُ اِنَّ لَكَ
 قَلْبًا اِذَا نَامَتِ الْعَيْنَانِ لَمْ يَنْمِ

(۸۲)

ۛ

پس مکن انکار وحی از خواب پیغمبر از آنک
چشمش او در خواب رفتی دل بدشس بیدار ہم

اس وحی کا تونہ منکر ہو جو آتے خواب میں
آنکھیں سوتی تھیں مگر رہتا تھا دل بیدار ہم

ترجمہ: خوابوں میں آپ پر وحی اترنے کا انکار نہ کر کیونکہ بے شک آپ کا
ایک ایسا دل ہے کہ جب آنکھیں سو جاتی ہیں تو وہ نہیں سوتا۔

لفظی تشریح

لوحینم بفتح النون۔ ایک نسخہ میں اذا کی بجائے متی ہے۔

معنوی تشریح

اے منکر! تو اس بات سے انکار نہ کر۔ اور نہ ہی وحی ربانی اور الہام صحافی جو کہ
آپ کو نیند کے دوران خوابوں میں حاصل ہوتا ہے، کو بعید سمجھ۔ کیونکہ کا دل مقدس عظیم اور
سینہ بے کینہ وسیع ہے۔ اور جب آپ کی آنکھیں سو جاتی ہیں۔ تو خوابوں میں آپ کا
دن مبارک نہیں سوتا۔ صحیحین میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

فَذَاكَ حِينَ بُلُوغٍ مِّنْ نَّبُوْتِي
فَلَيْسَ يُنْكِرُ فِيْهِ حَالٌ مُّحْتَلِمٌ

(۳)

وحی در خواب دل پیغمبری بودی ورا
خواب او منکر مشو تو مثل خواب محتلم

تھا وہ معراجِ نبوت کا زمانہ آپ کے
پس نہ کر انکار ہرگز مثلِ خوابِ محتمل

ترجمہ: یہ حال تو حدِ نبوت پر پہنچنے کا ہے لیکن بالغ ہونے کی حالت میں تو وحی
کے بارے میں انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

لفظی تشریح

فیہ کی ہا کو شعر میں اشباع کے ساتھ پڑھیں گے۔ اور یہ ضمیر حین البلوغ کی
طرف ہے۔ المحتمل بفتح اللام مصدر میمی ہے بمعنی احتمال۔ (بالغ ہونا) ایسے ہی کہا گیا۔
اظہر یہ ہے کہ یہ مکسور اللام ہے۔ بمعنی بالغ۔

معنوی تشریح

وہ عظیم الشان اور مکرم وحی امر نبوت کے آغاز اور رسالت کی ابتداء کے وقت تھی۔
آپ کو نبوت چالیسویں سال کے بعد عطا کی گئی۔ اور یہ ابتداء نبوت کی حد ہے، لیکن اس
زمانہ میں ان اوقات کے پہنچنے سے قبل جب کہ آپ رجولیت کی حد تک پہنچ گئے اور
اوصاف کمال سے موصوف ہو گئے۔ خواب میں وحی کے دعویٰ کا انکار نہیں کیا جاسکتا
کیونکہ وہ مقدمات وحی نبی میں سے ہے۔

شرح السنۃ میں ہے کہ آپ کے تمام ایام وحی کی مدت ۲۳ سال ہے جس
میں سے چھ ماہ خواب (کے ذریعہ وحی) کے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کی تشریح کی گئی ہے۔ مومن کا خواب اجزائے نبوت میں سے
چھالیسواں جزو ہے۔

(۸۴) تَبَارَكَ اللهُ مَا وَحَى بِمُكْتَسَبٍ
وَأَوْ نَبِيٍّ عَلَى غَيْبٍ بِمُتَّهَمٍ

پس بزرگ است آن خدا و وحی او کیسے نہ ہو
ہم رسول اور نہ بدبر علم غیبش متہم

بارک اللہ سعی سے حاصل نہیں ہوتی ہے وحی

اور نہ علم غیب پر کوئی نبی رہے متہم

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ذات برکت والی ہے۔ وحی کسی نہیں ہے اور نہ ہی
کوئی نبی غیب سے متہم ہے۔

لفظی تشریح

مکتسب اور متہم دونوں مجہول کے صیغے ہیں۔

معنوی تشریح

اس کی خیر کثیر ہو۔ نفع دائمی ہو۔ اس کی کبریائی عظیم اور عالی ہو۔ یہ بطور تعجب انشاء
ہے یعنی سبحان اللہ اس کی وحی اکتساب اعمال سے حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی
یہ گمان کر کہ اخلاق اس کا سبب ہیں، بلکہ یہ تو محض اس کی مہبت اور مجر و عطیہ ہے۔
یہ اس کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ رسالت کے مستحق کو
سب سے بہتر جانتا ہے۔ امور کائنات کی خبریں اور مغیبات کی اطلاع ہر اس نبی
نے دی ہے جس کی نبوت ثابت اور معجزات متحقق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وما هو على الغيب بضمين ظار مثله کی قرأت کے مطابق اس کے معنی مستم ہیں۔

﴿۸۵﴾ كَمَا بَرَأْتَ وَصَبًا بِاللَّيْسِ رَاحَتُهُ
وَاطْلَقَتْ أَرِبًا مِّنْ رَّبْقَةِ اللَّيْسِ

پس کساں را او شفا دے بالیدن بدست
دارہائیدے سے دیواں گال را از لم
جب چھو اوست مبارک ہو گئی کامل شفا
اور رہا پائی جنوں سے اکثروں نے از کرم

ترجمہ: کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن کو حضور کی ہتھیلی نے بیماری سے بری کیا،
شفا دی۔ اور حاجت مندوں کو گناہوں اور جنوں کے فتنوں کی بندھن سے
خلاصی دی۔

لفظی تشریح

کہ خبر یہ ہے۔ الوصب ورد اور تعجب۔ ایک نسخہ میں بکسر صاد یعنی وصب
ہے بمعنی مرض یہی زیادہ واضح ہے۔ راحة ہتھیلی یا اس کا اندرونی حصہ۔ اطلاق
قید سے نکلا۔ ادب حاجت ایک نسخہ میں بکسر را (ارِب) ہے بمعنی صاحب حاجت۔
معنی کے لحاظ سے یہی اظہر ہے۔ الربقة ایسا رس جس کی گانٹھ ہو اور اس سے چوپائیوں
کو باندھا جاتا ہے۔ اللہم چھوٹے گناہ جنوں کا کچھ حصہ، کیونکہ جنوں فتنہ انگیز ہوتا ہے۔

معنوی تشریح

بہت سے مصیبت زدہ اور بیمار لوگوں کو دکھ اور بیماری سے حضور کی رفیع الشان اور عظیم المرتبت ہتھیلی مبارک کی برکت سے راحت نصیب ہوتی۔ کتنے ایسے حاجت مند لوگ ہیں جن کو حضور کی ہتھیلی نے گناہوں کے ڈھنگے سے خلاصی دی یا تو نبوت کے ساتھ اور یا شفاعت کے سبب جو کہ بلندی درجات کا باعث ہے۔

کتنے ایسے ظاہری و باطنی جنوں میں مبتلا لوگ ہیں جن کو اپنے جنوں اور فتنہ انگیزی کی مار بکی کی گانٹھ سے رہائی دلائی۔ اور ان کو محراب کی طرف توجہ کرنے والے مجذوب بنا دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ ایک بڑ کا آپ کے سامنے لایا گیا جس کو جنوں تھا۔ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اس کے سینہ پر پھیلا۔

اس کے پیٹ سے کالے کتے کے بچے کی مانند کوئی شئی نکلی

حضور نے اس کو اپنے ہاتھ مبارک سے کاٹ دیا۔ اور اس کا کوئی اثر بھی باقی نہ رہا۔ اس صاحب شفا اور دیگر اصحاب نے کثیر واقعات کے ساتھ بیان کیا ہے۔

وَ اَحْيَتِ السَّنَةَ الشَّهْبَاءَ دَعْوَتُهُ
حَتَّى حَكَتْ غُرَّةً فِي الْاَعْصِرِ الدُّهُمِ

(۸۶)

دعوتِ او قحط و تنگی از جہاں برداشتہ
تاہور و اسپید بودی در سیاہی و نسیم

خشک سالی کی سفیدی ہو گئی کا فور سب اک دُعا نے آپ کی برسا دیا ابر کرم

ترجمہ: آپ کی دُعا نے قحط سالی کو زندہ کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ تاریک زمانوں
میں، پیشانی کی (چمک کی) حکایت کرنے لگا۔

لفظی تشریح

قاموس میں ہے کہ الشہب کا معنی ہے: وہ سفیدی جو نیپٹی کے ساتھ ہو۔ سنہ
شہباً وہ سال جس میں کوئی سبزہ اور بارش نہ ہو۔ الغرۃ پیشانی کی سفیدی۔ العصر
جمع عصر کی۔ زمانہ۔ اللّٰهُمَّ جمع ادھم کی۔ سیاہ۔ دُعا کی طرف اسیار کی نسبت مجازی و سببی ہے۔

معنوی تشریح

آپ کی دُعا نے اس سال کو پانی سے سیراب کر کے زندہ کر دیا جس میں زمین بارش
کی کمی کے باعث خشک تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہم نے پانی سے ہر شے کو زندہ کیا
یعنی ایسی قحط سالی تھی کہ نباتات کے باعث جو سیاہی (تروتازگی) زمین پر ہوتی، نباتات
نہ ہونے کے باعث زمین کی سفیدی اس سیاہی پر غالب آنے کے سبب وہ سال شہباً
کہلایا۔ اور یہ سفیدی کے طور سے ہے۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ رزق
کم ہوتا ہے، لیکن بالکل معدوم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ سال واضح طور پر اپنی پیشانی پر
سفیدی کو سیاہی مائل کر دے اور روشنی کو ظاہر کر دے۔

الغوة یلفظ غوة الفوس (گھوڑے کی پیشانی میں سفیدی) سے مستعار ہے۔
سیاہ زمانوں سے مقصد زراعت کی بہت زیادہ سبزی ہے یہاں تک کہ کثرت زراعت

کے باعث زمین پر سیاہی معلوم ہوتی ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ وہ سال باقی سالوں سے سرسبز و شاداب تھا گویا کہ وہ باقی سالوں میں ماتھے کی سفیدی (غزہ) ہے اور ہر شے کی غزہ اچھی ہوتی ہے بعض نے کہا ہے کہ سیاہ زمانوں سے مراد قحط اور منگانی کے زمانے ہیں۔

⑧۷
بِعَارِضٍ جَادًا أَوْ خَلَّتِ الْبِطَاحُ بِهَا
سَيِّبًا مِّنَ الْيَمِّ أَوْ سَيِّلًا مِّنَ الْعَرَمِ

برودعائش آمدے باراں و وادی پُر شدے
گو تیا دریا بندے یا گو تیا سیلِ عرم

ہو گئی کثرت سے بارش ندیاں بہنے لگیں
موج دریا کی نظر آتی تھی سیلابِ عرم

ترجمہ: (آپ کی دعائے خشک سال کو زندہ کیا اس، بادل کے ساتھ جو خوب
برسا۔ یا اے مخاطب! تو نے اس خشک سال میں وادیوں کو خیال کیا کہ ان میں
دریا کا وافر پانی یا تہید سیلاب ہے۔

لفظی تشریح

العارض بادل، بار کا تعلق احیت یا دعوتہ یا حکت یا جاد سے ہے مشتق
جو ہے۔

خلت بکسر النحر خیال سے مشتق ہے بطن کرنا یا گمان کرنا۔ البطاح بطحا کی جمع

ایسی وسیع وادی جو کنکریوں پر مشتمل ہو۔ بھا کی ضمیر السنۃ الشہباء کی طرف راجع ہے۔
سیبیا عطا یا جاری پانی۔ یہ کلمہ خلت کا مفعول ثانی ہونے کے باعث منصوب ہے اور یہ
مرفوع بھی رواست کیا گیا ہے۔ اس طرح کہ یہ مبتدا مؤخر ہو اور بھا اس کی خبر مقدم ہو۔ اور
جملہ اس کا مفعول ثانی بن کر محل نصیب میں ہو۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے مردہ زمین کو بسبب بادلوں کی آمد کے زندہ
کر دیا۔ اس بادل نے بہت زیادہ بارش برسائی۔ یا اس قدر بارش برسائی کہ اسے مخاطب:
تو نے اس سال وسیع وادیوں کو پانی کی عنایا بہت بڑا طوفان پانی کی کثرت کے
باعث گمان کیا کہ یہ پانی سمندر سے ہے یا وادی میں چلنے والا سیل عرم ہے۔
اس شعر میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں اللہ تعالیٰ
کے آسمان اور زمین کے ملکوت میں تاثیر موجود ہے۔

شیخین نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ جمعہ کے روز ایک آدمی مسجد میں داخل
ہوا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس نے
عرض کیا: یا رسول اللہ! ماں ہلاک ہو گئی اور راستے منقطع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا
فرماتیں کہ ہماری مدد کریں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور
تین دفعہ کہا: اے اللہ! ہماری مدد کر۔ حال یہ تھا کہ ہم آسمان پر نہ کوئی بادل اور نہ ہی بادل کا
ٹکڑا دیکھ رہے تھے، تو اچانک ایک کالی گنگھور گھٹا اٹھی اور خوب بارش برسائی۔ خدا کی
قسم! ہم نے ایک ہفتہ تک سورج نہ دیکھا۔ پھر اگلے جمعہ ایک آدمی داخل ہوا جب کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، عرض کیا: یا رسول اللہ! اموال ہلاک ہو گئے۔

اور راستے منقطع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اس کو روک لے۔ حضورؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا: لے اللہ! اب ہم پر نہیں بلکہ ہمارے اڑوس پڑوس میں (بارش برسا) پس وہ بادل اکھڑ گیا اور ہم باہر نکل کر چلنے پھرنے لگے۔ حضرت انس سے پوچھا گیا۔ کہا یہ وہی پہلا آدمی تھا، تو آپ نے کہا: میں نہیں جانتا۔

سبت سے مراد کچھ عرصہ (مدت) مراد ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے ہم پر اگلے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ التہرۃ بادل کا ٹکڑا ایسے ہی محلی نے ذکر کیا ہے۔ آخری امام بخاری کی روایت کے مطابق زیادہ مناسب یہ ہے کہ سبت کی تفسیر ہفتہ (سات دن) سے کی جائے یعنی ہفتہ سے ہفتہ تک۔ جیسا کہ صاحب نہایت نے کہا ہے۔ اس نے مزید کہا: کہا گیا ہے کہ سبت سے مراد زمانے کی کچھ مدت ہے۔ خواہ زیادہ ہو یا کم۔

⑧۸ دَعْنِي وَوَصِفِي آيَاتٍ لَّهُ ظَهَرَتْ
ظُهُورُ نَارِ الْقُرْآنِ لَيْلًا عَلَى عِلْمِ

گوکش کن تا معجزات کویم کہ آن روشن بود
ہمچوں آتش در شب تار یک بر فوق علم

چھوڑ دے مجھ کو بیاں کرنے نبی کے معجزات
جو ہے شب میں مثل مہمانی کی آگ او پر علم

ترجمہ: اے مخاطب! مجھے آپ کی وہ نشانیاں بیان کرنے دے جو اس قدر واضح اور ظاہر ہیں جس طرح کہ رات کے وقت پہاڑ پر ضیافت کی آگ ظاہر

ہوتی ہے۔

لفظی تشریح

القریٰ بلسراف۔ ضیافت مکانی۔ العلم پہاڑ۔

و اذ معیت کی ہے، کیونکہ ضریح منسوب پر عطف کرنے سے مقصود و مطلوب میں منسل

آتا ہے۔

معنوی تشریح

اے ناصح مجھے کلام میں اختصار کرنے کی نصیحت چھوڑ دے کہ یہ بات انسان کو ملال اور اکتاہٹ کی طرف سے جاتی ہے، کیونکہ حبیب اپنے ذکر سے سیر نہیں ہوتا، مجھے بشمول میرے وصف کے چھوڑ دو جو کہ میں نے آیاتِ بیانات اور واضح علامات اور ظاہر ہونے والے معجزات سے توصیف کی یہ معجزات اور دیگر مذکورہ باتیں دنیا میں جہالت کی تاریکی محاسن اخلاق کے باعث اس طرح ظاہر ہیں جس طرح کے رات کے وقت علامت کے طور پر پہاڑوں کی چوٹیوں پر آگ نمودار ہوتی ہے، کیونکہ رات محتاج لوگوں کی حاضری اور مجاہدین اور مسافرین میں سے مشتاق لوگوں کی رسائی میں ہلاکت کا باعث ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ آیاتِ قرآنیہ اور دلالاتِ فرقانیہ اس وقت ظاہر ہوتیں، جب ان کی شدید ضرورت تھی اور حضور اس قدر بلند مرتبہ ہو گئے کہ اس سے مزید بلندی کا امکان نہیں ہے۔

قَالِدُّرِيْزْدَادُ حَسَنًا وَهُوَ مُنْتَظَمٌ

(۸۶)

وَلَيْسَ يَنْقُصُ قَدْرًا غَيْرَ مُنْتَظَمٍ

در اگر در رشتہ باشد حسن او زاید بود
ورنہ در رشتہ بود قدرش نہ کرد و بیچ کم

حسن ہوتا ہے دو بالا موتیوں کا ہر میں
یا لڑی سے بھی حب را کر دو نہ ہوگی و تدر کم

ترجمہ: موتی حسن میں بڑھ جاتا ہے جب کہ وہ پرویا ہوا ہو۔ (یعنی ہار میں ہو) اور
اس کی قدر ہار میں نہ ہونے کے باوجود کم نہیں ہوتی۔

لفظی تشریح

حسنا و قدرا دونوں تمیزیں ہیں۔ ینقص معلوم و مجہول دونوں طرح موزی ہے
اور غیر منتظم یہ حال ہے۔ فاء علت بیان کرنے کے لیے ہے۔

معنوی تشریح

حضور کے اوصاف جمال اور اسباب کمال نہایت مشہور ہیں جیسا کہ اخبار آثار
میں وارد ہے۔ میں نے ان میں سے صرف بعض کو نظم کی لڑی میں پرویا ہے، کیونکہ
اس طرح وہ زیادہ مضبوط اور محفوظ ہوں گے اور فہم کے زیادہ قریب ہوں گے جس طرح
کہ موتی لڑی میں پروئی ہوتی حالت میں از روئے حسن زیادہ بڑھا ہوا ہوتا ہے، لیکن
ارباب علم کے نزدیک بھری ہوئی حالت میں بھی اس کا مرتبہ کچھ کم نہیں ہوتا۔

فَمَا تَطَاوُلُ أَمْالِ الْمَدِيحِ إِلَى

۹۰

مَا فِيدِ مِنْ كَرَمِ الْأَخْلَاقِ وَالشَّيْمِ

ہر چہ کاں گوید مدیح مصطفیٰ بسیار نیست
کو مزین بد بہ حشلق نیک احسان و شیم

اس لیے مداح ہیں تو صیف میں عاجز تمام
فہم النساں سے ہیں بالا ان کے اخلاق و شیم

ترجمہ: کیوں نہ بڑھیں مدیح کی آرزوئیں اس ذات کی طرف جو اخلاق کریم اور
خصائل محمودہ کا پیکر ہے۔

لفظی تشریح

تطاؤل کسی شے پر مزید آگاہی حاصل کرنے کے لیے اپنی گردن آگے بڑھانا۔
الامال جمع اصل کی۔ اُمید۔ یہ مدیح کی طرف مضاف ہے۔ بعض نے کہا ہے:
مدیح بمعنی مدوح ہے۔ اس پر الف لام عہدی یا استفراقی ہے۔ اور یہی بات اولیٰ ہے
ایک نسخہ میں امالی المدیح ہے یعنی امالی بیائے مکرم اور مدیح منصوب بنوع
الحافض ہے۔ اخلاق کریمہ عادات کبھیہ یا طبیعہ۔ الشیم جمع شیمۃ کی خصائل محمودہ و
پسندیدہ۔ جو کہ وہی احوال میں سے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ پہلا ما استفہامیہ ہے بمعنی نفی۔
کسی چیز کا مقدر ماننا ضروری ہے۔ پس اگر قصیدہ کے ساتھ آپ کی
صفات حسنہ کی طرف بڑھ گئی ہیں، لیکن میں ان سب کو بیان کرنے تک نہیں پہنچ سکتا۔
اگرچہ میری عمر ہزار سال تک ہی طویل ہو جائے۔

بعض نے کہا کہ ما نافیہ ہے۔ اور فاء برائے تعلیل ہے۔ اور بعض نے کہا کہ ما

موصولہ ہے اور فاء وصفیہ عطف کے لیے ہے۔

معنوی تشریح

حاصل معنی یہ ہے کہ میں تو صرف اس لیے ہر قسم کے اشغال اور حالات زندگی کے بیان سے منتقل ہو کر آپ کی نشانیوں اور معجزات کی طرف آیا کہ آرزو میں شاندار وضع و عادات اور عمدہ اخلاق کی گہرائی تک نہیں جاسکتیں۔ میں نے چاہا کہ آیات بنیات کے بیان سے مشرف ہو جاؤں۔ اور ان کے لطائف کے سمندوں سے فیوضات کا چھڑکاؤ کروں جو چیز مکمل نہ حاصل کی جاسکے وہ مکمل طور پر چھوڑی بھی جاتی۔ ساری شے کو ترک کرنے کی بہ نسبت بعض بھلائی کو حاصل کرنا بہتر ہوتا ہے۔

⑨ آیَاتُ حَقِّ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحَدَّثَةٌ
قَدِيْمَةٌ صِفَةٌ مَّوْصُوْفٍ بِالْقَدَمِ

ایہ ہائے حق کہ از رحمن نسرود آمد بہ تو
اں قدیم است و بود و صفش موصوف قدم

مصحف رحمن کی سب آیتیں ہیں لاجواب
ہے صفت اس کی قدیم اور ہے وہ موصوف قدم

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ آیات حادث ہیں لیکن یہ موصوف
کی صفت کے اعتبار سے قدیم ہیں۔

لفظی تشریح

آیات حق بطور مبتدأ مرفوع ہے۔ من الرحمن صفت ہے۔ اس کی خبر محدثہ

قدیمہ ہے یا اس طرح کہ محدثہ قدیمہ خبر بتدا محذوف کی ہے جو کہ بھی سب یعنی وہ آیات جو موصوف ہیں۔ اور باقی تمام آیات اخبار متراوہ یا صفات متلاصقہ ہے یا یہ (آیات حق) منصوب ہے۔ اس صورت میں یہ یا تو منصوب علی المدح ہے اور یا یہ عطف بیان ہے آیات کا جو کہ اس قول و معنی و صنفی آیات میں مذکور ہے اور محدثہ و قدیمہ کا بھی یہی حال ہے۔ اور صنف الموصوف کا بھی۔

ایک نسخہ میں محدثہ کی بجائے محکمہ ہے پھر مصنف نے صفت شبہ کا اس کے بعد ذکر کیا یعنی آیات ثانیہ یا آیات صادقہ۔ اور صنف الموصوف بتدا ہے اور قدیمہ خبر ہے۔ اسی طرح علمائے فرمایا:

اظہر یہ ہے کہ صنف الموصوف خبر بتدا محذوف کی ہے جو کہ بھی ہے۔ (مرجع اس ضمیر کا) یہ آیات ہیں۔

معنوی تشریح

آیات قرآنیہ اور کلمات فرقانیہ ثابت شدہ آیات اور سچے معجزات ہیں جو افراد انسانی کے تقاضے کے مطابق رحمن کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الرحمن..... الخ وہ رحمن جس نے قرآن سکھایا۔ انسان کو تخلیق کیا اور اس کو بیان (گویائی کا طریقہ) سکھایا۔

یہ (آیات) از روئے نزول کے حادث ہیں۔ اور از روئے وجود و حصول کے قدیم ہیں۔ یا از روئے لفظ کے حادث از روئے معنی کے قدیم ہیں۔ اور یہ صفت قدیمی سے موصوف ہیں۔ پس ان پر سمت عدم جاری نہیں ہو سکتا۔

اس شعر میں معتزلہ کا رد ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قدیم کلام کو حادث کہا۔

اور ضابطہ ۸ پر رد ہے، کیونکہ وہ اس کے الفاظ بھی قدیم مانتے ہیں، بلکہ انھوں نے کہہ دیا کہ اس کی کتابت سیاہی اور اوراق بھی قدیم ہیں۔ حالانکہ یہ نہایت کم عقلی کی بات ہے جو کہ دانش مند لوگوں کے لیے بالبداہت ظاہر البطلان ہے۔

اہل تحقیق کے، اس مسئلہ میں دو مذہب ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن صرف کلام نفسی کا نام ہے اور اس کا اطلاق مرکب من الاصوات و الحروف پر مجازی ہے یہ مذہب قدیم مشائخ کا ہے اسی وجہ سے انھوں نے اس کی یوں تعریف کی ہے۔ قرآن ایک ایسی صفت ہے جو کہ حروف اور اصوات کے روپ میں جلوہ نما ہوتی ہے۔ پس قرآن باعتبار منظر کے حادث ہے اور باعتبار صفت منظر کے قدیم ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ قرآن کا اطلاق بالاشترک دونوں (کلام نفسی و لفظی) پر ہے پس وہ معنی اول کے لحاظ سے قدیم ہے اور معنی ثانی کے اعتبار سے حادث ہے۔ یہی مشہور اور مذہب منصور ہے اور مکمل تفصیل تطویں کی مقتضی ہے۔

⑨۲ لَمْ تَقْتَرِنَ بِزَمَانٍ وَهِيَ تَخْبِرُنَا
عَنِ الْمَعَادِ وَعَنْ عَادٍ وَعَنْ إِرْمِ

مقترن نامد بوقتے دامتاً ثابت بدال !
او خیر داد از معاد و حشر روز عاد وارم !

ہر زمانہ سے برمی ہیں اور سناتی ہیں ہمیں
عاقبت کا حال بھی اور قصہ عاد وارم

ترجمہ؛ یہ آیات کسی زمانہ کے ساتھ مقترن نہیں ہیں حالانکہ یہ ہمیں قیامت،

قوم عاد اولیٰ اور عاد ارم کے متعلق آگاہ کرتی ہیں۔

معنوی تشریح

آیات قدیمہ اور نشانات کریمہ ماضی، حال اور مستقبل میں سے کسی زمانہ اور حال سے

مقترن نہیں ہیں کیونکہ زمانہ کے اقتران سے دو چیزیں لازم آتی ہیں۔

① حدوث آیات

② قدیم زماں (زمانہ کا قدیم ہونا)

اور یہ دونوں باتیں اہل عرفان کے ذوق کے خلاف ہیں۔ حالانکہ یہ آیات ہمیں

امور معاد اور امور مبادی کے متعلق آگاہ کرتی ہیں۔

معاد کہتے ہیں بروز قیامت مخلوق کا مرنے کے بعد اصلی حالت میں لوٹ آنا۔ اور عن

عاد اور عن ادر سے وہی مبادی مراد ہیں۔ عن عاد سے مراد عاد اولیٰ ہے جو کہ ایک قوم

تھی اور عاد ارم بھی اسی طرح ہے۔ اور ان جیسی ہی مثالیں ہیں۔ قوم نوح و قوم ثمود کے قصے۔

ناظم کا مقصود یہ ہے کہ قرآن کے معانی سے جو زمانہ ماضی یا مستقبل کا مفہوم نکلتا ہے۔

وہ صرف ہماری طرف اصناف کی وجہ سے ہے۔ مگر نہ کلام نسفی تو حدوث سے مبرا ہے۔

جیسا کہ وہ (قرآن) ہمارے سامنے پختہ ہے۔

(اس شعر میں یہ بات بھی مفہوم ہے) کہ جس طرح آیات بشمول اپنے الفاظ کے

معجزہ ہیں۔ ایسے ہی یہ آیات بہ اعتبار معانی کے بھی معجزہ ہیں، کیونکہ یہ آنے والے زمانوں

میں ہونے والے امور کے بارے میں خبر دیتی ہیں۔

سے

(۹۳) دَامَتْ لَدَيْنَا فَفَاقَتْ كُلَّ مَعْجَزَةٍ
مِنَ النَّبِيِّينَ إِذْ جَاءَتْ وَلَمْ تَدْمِ

نزد ما باقی بماند بہتر از ہر معجزات
معجز پیغمبروں باقی نہ ماندہ در اہم !

معجزہ قرآن کا برتر رہے گا تا ابد
اس کے آگے معجزات انبیاء میں کالعدم

ترجمہ: (یہ آیات) ہمارے پاس ہمیشہ رہیں گی پس (یہ نشانیاں یا معجزات یا آیات)
ہر اس معجزہ سے فائق ہو گئیں ہیں جو باقی انبیاء سے رونما ہوئے اور نہ رہے۔

لفظی تشریح

جاءت میں ضمیر کل معجزۃ کی طرف راجع ہے۔ جاء کا صیغہ واحد مؤنث
بسبب مضاف الیہ (معجزۃ) کے ہے۔

معنوی تشریح

آیات قرآنیہ اور معجزات فرقانیہ کو دوام و استمرار حاصل ہے پس یہ بسبب قدم
کے ساتھ موصوف ہونے، معاد و ارم کی خیریں دینے اور نسخ و تبدیل عارض نہ ہونے
کے فائق ہو گئیں ہیں۔

نسخ و تبدیل ہر معجزہ پر عدم کے حکم میں ہے جو کہ انبیاء سے حاصل ہوتے ہیں
اگرچہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ ظاہر ہو تو نسخ و تبدیل کے

اطلاق سے) معجزہ حادث ہو جاتا ہے۔ تو اس طرح وہ قدیم، دوام کی صفت سے موصوف نہیں ہو سکتا۔ بہرہی کا معجزہ اس کی دنیاوی زندگی ختم ہونے کے ساتھ منقضی ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک ہم نے اس ذکر (کتاب) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ (تغیر و تبدیل اور نسخ و تحویل سے)

حاصل گفت گویہ ہے کہ آیات قدیم اور ثابت ہیں اور معجزات دائمی اور مستمرہ ہیں، بخلاف دیگر معجزات کے۔

مُحَكَّمَاتٍ فَمَا يُبْقِينَ مِنْ شُبَّةٍ
لِذِي شِقَاقٍ وَلَا يُبَغِينَ مِنْ حَكْمٍ

(۹۲)

محکم است آیات قرآن شہیرہ کس را نماید
وز ہمہ الفاظ از و تا ہاں بود نور حکم

ہیں وہ مستحکم مخالف کو نہیں اس میں جگہ
شہ و شک کی اس لیے ہیں وہ بجائے خود حکم

ترجمہ: یہ آیات محکم ہیں پس یہ آیات کسی اختلاف کرنے والے کے لیے
کوئی شبہ باقی نہیں رہنے دیتیں۔ اور نہ ہی کسی منصف کا تقاضا کرتی ہیں۔

لفظی تشریح

یبقین بضم الیاء (یا پر پیش کے ساتھ) اور یبعین - یا پر زبر کے ساتھ۔ شبہ
جمع ہے سُبُهَة کی شبہ ایسی باطل شے جو کہ حق کے مشابہ ہو۔ الشقاق - شین پر کسر کے

ساتھ بمعنی خلاف، کیونکہ مخالفین میں سے ہر ایک اختلاف میں ہوتا ہے۔ یاد دوسرے کی مشقت کو زیادہ کرتا ہے۔ الحکم بفتح تین بمعنی حاکم بعض نے کہا ہے کہ کسرہ وفتح کے ساتھ یعنی حکم جمع حکمتہ کی ہے۔ محکمت تشدید کے ساتھ۔ محکمت (بالتخفیف) کا مبالغہ ہے۔ اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو کہ واد کے ساتھ مروی ہے۔ (و محکمت) اور تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا قول احکمت آیاتہ آیات سے تقدیر محکمت ہے۔ پس یہ اللہ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: هو الذی انزل علیک الکتاب منہ آیات محکمت من امر الکتاب واخر متشابہات (وہ ذات جس نے آپ پر کتاب آما رہی۔ اس میں بعض محکم آیات ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں۔ اور بعض دوسری متشابہات ہیں۔ یہ معنی زیادہ موافق ہے اور سیاق و سباق سے زیادہ مربوط ہے۔ لا یبغین۔ ایک نسخہ میں ما یبغین ہے۔

معنوی تشریح

بے شک اللہ تعالیٰ نے آیات کو محکم بنا دیا جو کہ نسخ ہوتی ہیں نہ تبدیل۔ یا ان کو حکم اور مثل پر مشتمل بنایا۔ یا ان کو حکم والا بنایا کہ وہ مجمل پر حکم بیان کریں اور یا ان کو کتب سماویہ سنن نبویہ، قیاسات عقلیہ اور اتفاقات اجتماعیہ پر حاکم مقرر کیا۔ یا یہ کہ وہ حق و باطل پر دلالت کرتی ہیں۔ یا حرام و حلال کا فیصلہ کرتی ہیں۔ پس وہ آیات اختلافات میں سے حق کی مخالفت کے لیے کوئی شبہ بھی باقی نہیں چھوڑتیں۔ اور نہ ہی اپنے سوا کسی حاکم کا مطالبہ کرتی ہیں۔ کیونکہ ان کی براہین واضح ہیں۔

یا کسی حکم زائد حکمتوں کا۔ جو ان کی طرف محتاج ہو۔

مَا حُورِبَتْ قَطُّ إِلَّا عَادَ مِنْ حَرْبٍ
أَعْدَى الْأَعَادِي إِلَيْهَا مُلْقَى السَّلَامِ

(۹۵)

سہر کہ باقرآن بہ جنگ آمد باخبر بازگشت
اں کہ دشمن تری بدے نزدشس بیگندے سلم

جو لڑا قرآن سے آخر وہ عاجز آ گیا
کر دیا دشمن نے بھی اپنا سر تسلیم خم

ترجمہ: ان آیات قرآنیہ کے ساتھ جب بھی کسی سخت ترین دشمن نے
مقابلہ کی جسارت کی تو وہ جنگ سے باز آیا اس حال میں کہ وہ صلح کا خواہشمند

تھا۔

لفظی تشریح

حوربت محارب سے مشتق ہے بمعنی معارضہ۔ الحرب بفتحی تین شدت

حقیقت میں سلب مال کو کہتے ہیں اور مسلوب کو شدت لازم ہو جاتی ہے بعض نے کہا
ہے کہ یہ بھی حروب میں ایک لغت ہے۔ السلام بفتحی تین اطاعت، صلح اور فرمانبرداری
اعادی جمع الجمع عدو کی۔ اعدای عداوت سے اسم تفضیل ہے۔

معنوی تشریح

جب بھی کسی نے آیات کے ساتھ معارضہ کی کوشش کی تو ان کی کمال بلاغت و
فضاحت کی بدولت بڑے بڑے معارضین اور بڑے قومی معاندین نے معارضہ سے

رجوع کر لیا۔

وہ (قرآن) معاندین کے معارضہ سے محفوظ ہو گیا۔ تو کیا وہ اس لیے قرآن پاک کمال فصاحت میں سے بجزیل الفاظ اور حسین معانی پر مشتمل ہے۔ اور اس وجہ سے کہ یہ بلاغت کے اعلیٰ طبقات پر فائز ہے، تو اسی طرح ہے جیسے مردوں کو زندہ کرنا۔ چھڑیوں کا قلب کرنا اور کمن کر یوں کا تسبیح کرنا۔

اور معارضہ ان کے مقدور میں تھا۔ پس اس میں علماء اہل سنت اور جمہور کا اختلاف ہے پہلے قول پر۔ اور اسی پر اعتماد ہے۔ دوسرا مذہب شیخ ابوالحسن الاشعری اور ان کی چینی ساتھیوں کی جماعت کا ہے۔

شاطبی نے دونوں قولوں پر الرائے میں اس کی تردید کی ہے۔ اہل عرب نے معارضہ کو ترک کیا۔ سبب اس بات کے جو ان کے مقدور میں تھا۔ یا جو ان کی جنس مقدور میں سے تھا، کیونکہ وہ اس کی مثل لانے سے عاجز تھے ورنہ وہ شہروں اور دیہات سے جلا وطنی اور اسیری، اپنے مساکن کو فارغ کرنا، جھڑکوں اور اپنے اموال اور جانوں کے سلب ہونے پر راضی نہ ہوتے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے انہی احوال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: **و ان کنتم فی ریب... الخ** اگر تم کسی شک میں ہو اس چیز کے بارے میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے، تو تم کوئی سورت اس جیسی (بنا کر) لے آؤ اور سورت بنانے میں تم اپنے حامیوں کو بھی ماسوائے اللہ تعالیٰ کے بلاؤ اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم ایسا نہ کر سکو (اور یہ بات پختہ ہے کہ تم ایسا ہرگز کر بھی نہیں سکو گے، تو ڈرو تم اس آگ سے جس کا ایندھن پتھر اور انسان ہیں۔ اور جو کافروں (منکروں) کے لیے تیار کی گئی ہے۔

رَدَّتْ بِلَاغَتِهَا دَعْوَى مُعَارِضِهَا
رَدَّ الْغُيُورِ يَدَ الْجَانِي عَنِ الْحَرَمِ

از بلاغت دعوتے حسب معارض کر دو
چوں غیورے کو کند در دست جانے از حرم

اس نے سب اپنی بلاغت سے کیا دعویوں کو ختم
جیسے ہوں محفوظ غیب تمند کے اہل حرم

ترجمہ: ان آیات کی بلاغت نے معارضہ کرنے والے کے دعوی کو الیے لوٹایا
جیسے ایک غیور آدمی نقصان پہنچانے والے ہاتھ کو اپنی حریم سے دور کرتا ہے۔

لفظی تشریح

البلاغۃ ایسا کلام جو حال کے تقاضہ کے مطابق ہو۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو
اس بات کو واجب کرتا ہے کہ تشکیک کسی مخصوص کیفیت میں کلام کرے۔ عارض کسی شے
سے مقابلہ کرنا۔ اور اس کے ساتھ برابری کرنا۔ الحور حرمت کی جمع ہے۔ جیسے عوف
عوفۃ کی جمع ہے۔ مرد کی حریم۔ جو شے داخل ہو وہ حرم کہلاتی ہے۔

معنوی تشریح

پہلے مصرع میں جہور کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسرے مصرع میں ان
کے علاوہ کسی اور کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ پس اس میں دلالت اس بات پر ہے
کہ اس جگہ ایسی وجوہ ہیں جو اپنی جگہ بچتے ہیں۔

آیات قرآنیہ کی بلاغت اور کلمات فرقانیہ کی فصاحت نے معارضہ کرنے والے کے دعویٰ معارضہ کو رد کر دیا۔ چہ جائیکہ معارضہ ظاہر ہو اور مقابلہ واقع ہو۔ اس طرح رد کیا جیسے وہ آدمی جو کمال غیرت سے موصوف اور شدۃ حمیت سے منقوت ہے۔ مجرم کی دست درازی اور باغی خائن کے تصرف کو اپنی حرم کے حصول کی طرف پہنچنے سے روکتا ہے۔

(۹۷) لَهَا مَعَانٍ كَمَوْجِ الْبَحْرِ فِي مَدَادٍ
وَفَوْقَ جَوْهَرِهِ فِي الْحُسْنِ وَالْقِيمِ

معنی بسیار، موجوں موج دریا وارد آں
بہتر است از دُرِّ دریا جملہ در حسن و قیَم

ہے معانی آیتوں کے مثل دریا موجوں
گوہر دریا سے بہتر ان کا ہے حسن و قیَم

ترجمہ: ان آیات قرآنیہ کے سمندر کی موجوں کی مانند معانی ہیں اور حسن و قیَمیت
میں یہ سمندر کے موتیوں سے فائق ہے۔

لفظی تشریح

فوق اس کا عطف کموج پر ہے۔ یہ معان کی صفت ہے جو کہ مبتدا ہونے کی
وجہ سے مرفوع ہے۔ بطور ظرفیت اس کو نصب لازم ہے۔ اگرچہ یہ (ظرفیت) مجازی ہے۔
ایسے ہی قرآن پاک میں ہے:

و فوق کل ذی علم علیم

معنوی تشریح

قطع نظر ان آیات کی فصاحت و بلاغت کے، یہ آیات و بیانات جو کہ معجزات کے نام سے موصوف ہیں، ان کے معانی کثیر ثابت ہیں جیسے کثرت اور فراوانی میں سمندر کی موجیں ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا... الخ
 (اگر سمندر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لیے سیاہی بن جاتے تو سیاہی ختم ہو جاتے قبل اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں۔ کلمات سے مراد کلمات کے معانی ہیں۔)

اس سے وہ قوی اشکال زائل ہو جاتا ہے جو قبلیہ کی حرف سے دارو ہوتا ہے۔ جیسے کہ ہم اس کو جلالین کے حاشیہ میں یا النصرت والامداد میں تحریر کیا ہے، کیونکہ قرآن میں سے بعض حصہ اپنے بعض کی تفسیر کرتا ہے جیسے کہ سمندر کی موج، بعض بعض کی تائید کرتی ہے۔

ان آیات کے بہت زیادہ معانی، بہترین احکام اور مستحسن حکمتیں ہیں۔ اور ارباب بصیرت و اصحاب خبرت کے نزدیک یہ (معانی، احکام اور حکمتیں) سمندر کے جواہر جیسے موتی مرجان وغیرہ سے، قیمت اور حسن میں بڑھ کر ہیں۔
 اور ہر آدمی نے اپنا مشرب پہچان لیا ہے۔

فَمَا تُسَدُّ وَلَا تَحْصِي عَجَابُهَا

(۹۸)

وَلَا تُسَامِرُ عَلَى الْإِكْثَارِ بِالسَّامِرِ

پس عجائب اندراں و کس نہ بتواند شمار و
وز چہ بسیاری بخواند کس نہ بسند شوق کم

جو عجائب ان میں پوشیدہ ہیں ان کا کیا شمار
خواہ کثرت سے پڑھو ہو گا نہ اس کا شوق کم

ترجمہ: پس ان (آیات) کے عجائب لا تعداد اور بے شمار ہیں۔ اور ان (آیات) کو کثرت تلاوت سے اکتاہٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

لفظی تشریح

فائدہ نتیجہ ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ ایک نسخہ میں فلا کی بجائے فہا تعداد ہے
اسی طرح عجائبہا کی بجائے ایک نسخہ میں عجائبہ ہے یعنی ضمیر مؤنث کی بجائے مذکر
مذکور ہے۔ اس صورت میں ضمیر کا مرجع القرآن ہے۔ لا تسامر یہ مشتق السوم سے ہے۔
بمعنی مقابلہ کرنا۔ یہاں معنی ہو گا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور علی معنی مع ہے۔ الاکثار کثرت
لانا۔ السامر بفتحیں۔ اکتاہٹ۔

معنوی تشریح

آیات کے معانی کی گنتی حدود کی چیز میں داخل نہیں ہو سکتی ہے اور نہ اس کے عجیب
غریب معانی کی تفصیلاً ممکن ہے۔ اور وہ (آیات) عبرت آموز، حکمت آفرین، آداب
اخلاق، مواظبت و براہین، عوارف و معارف، ترغیب و ترمہیب، وعید و احکام اور
ضرب الامثال وغیرہ پر مشتمل ہے۔ کثرت تلاوت سے ملال اور اکتاہٹ طاری
نہیں ہوتی۔ (گویا کہ) وہ (قرآن) مشک کستوری ہے۔ جتنی بار تم اس کو لگاؤ۔

زیادہ ہوتی ہے۔

حدیث پاک ہے۔ قرآن پاک کثرت ورد سے پرانا نہیں ہوتا۔ نہ اس کے عجائب فنا ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کے غرائب ختم ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی اس سے علماء سیر ہوتے ہیں۔

شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آیات کے معانی کا حسن و جمال سمندری مہیروں سے فائق ہے، کیونکہ جواہر اور مہیروں کی کثرت اور قیمتی ہونے کے باعث رغبت رکھنے والا اکتا جاتا ہے۔

قَرَّتْ بِهَا عَيْنٌ قَارِيَهَا فَقُلْتُ لَهُ

(۹۹)

لَقَدْ ظَفَرْتُ بِحَبْلِ اللَّهِ فَأَعْتَصِمُ

چشم خوانندہ بدال روشن شود من گفتش
بافتی کجبل حنڈا کم بکیراے معصم

ہو گئیں آنکھیں جو ٹھنڈی میں نے قاری سے کہا
تھام جیل اللہ کو ہے فتح تیری معصم

ترجمہ: ان آیات کو پڑھنے والے کی آنکھیں ان سے ٹھنڈی ہو گئیں تو میں نے
اس کو کیا تحقیق تو کامیاب ہو گیا ہے۔ اب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو۔

لفظی تشریح

ناظم نے قاریہا کا ہمزہ پہلے ساکن کیا پھر اس کو (یا میں) بدل دیا، (کیونکہ قاری،

قَسْرًا سے مشتق اسم فاعل ہے۔ - القسرة۔ اصل میں برودت کو کہتے ہیں۔ عربوں کے نزدیک عزیز ترین شئی کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے عرب لوگ آنکھوں کی ٹھنڈک اور عیش و عشرت کی تمنا کے طور پر کہتے ہیں۔

معنوی تشریح

ان آیات، کو پڑھنے والا بہت خوش ہوا جب اس نے ان کو پڑھا اور جب وہ ان کی تلاوت سے متلذذ ہوا تو ان کی ٹھنڈک سے اس کی آنکھوں کا نور زیادہ ہو گیا۔ تو میں نے اس کو رغبت اور رشک کے طریقہ پر کہا۔ ”خدا کی قسم! تو ایسی چیز پانے میں کامیاب ہو گیا جو تجھے اللہ تعالیٰ کی خوشنودیوں تک پہنچاتے گی اور اس کی جنتوں کے درجات کی طرف ترقی دے گی۔ پس تو اب اس کے الفاظ و معانی اور اس کے مامل کی تحقیق کو تھام لے۔ اس کے ادا اور نواہی پر عمل کر۔“

⑩ ان تَتْلَاهَا خَيْفَةً مِّنْ حَرِّ نَارٍ لَّظِي
اطْفَأَتْ حَرَّ لَظِي مِّنْ وَّرْدِهَا الشَّبِيمِ

گر یہ خواہش زتر سے آتش دوزخ کنی
سرد بر خود گرمی آتش براں من ضامنم

آتش دوزخ کے ڈر سے تو اگر ان کو پڑھے
شعلہ نارِ جہنم اس سے ہو جائے گا کم

ترجمہ: اگر تو نے ان آیات کی تلاوت جہنم کی آگ کی گرمی کے خوف کی وجہ سے کی۔

تو یہ آیات ووزخ کی گرمی کو اپنے ٹھنڈا کرنے والے ورد سے بچادیں گی۔

لفظی تشریح

لفظی، جہنم کا ایک نام ہے۔ یا اس کے کسی طبقہ کا نام ہے۔ اور یہ غیر منصرف ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اس پر تنو تن برائے ضرورت ہے، تو یہ میزان کی معرفت سے غفلت کا نتیجہ ہے، کیونکہ تنوین اور الف وزن میں مساوی ہوتے ہیں۔ لفظی دوسری مترسب ضمیر کی جگہ پر رکھا گیا ہے تاکہ التباس پیدا نہ ہو جو کہ شکوک کا باعث ہوتا ہے۔ ایک نسخہ میں نار لفظی کی بجائے حلفی آیا ہے، لیکن نار لفظی۔ اطفاء (بجانا) کے زیادہ مناسب ہے، جیسے کہ اہل علم سے معنی نہیں ہے۔ الورد کا اطلاق قرآن پاک کے ورد کرنے پر بھی ہے اور پانی کے وارد کرنے پر بھی۔ پس اگر ورد کی اضافت آیات کی طرف کی جائے تو پہلے کی تائید ہوتی ہے، لیکن ورد کو شیم کے ساتھ موصوف ہونے کے باعث دوسرے قول کی تقویت ہوتی ہے۔ شیم کا لغوی معنی ٹھنڈا کرنے والا ہے۔ اگر اس کے پہلے اطلاق پر محمول کیا جائے تو اس کا معنی ہوگا: حرارت کو دور کرنے والا۔ اور اگر دوسرے اطلاق پر اس کو محمول کیا جائے تو یہ لفظ آیات کو اپنے ساتھ تشبیہ دیتا ہے، کیونکہ آیات ارواح کی زندگی کا سبب ہیں جس طرح کہ پانی اشباح (اجسام) کی زندگی کا سبب ہے۔

معنوی تشریح

اے قرآن کے پڑھنے والے!، اگر تو نیکو کاروں اور آزاد لوگوں کے درجہ سے نزول کر کے، آگ کی گرمی کے خوف سے آیات قرآنیہ کی تلاوت کرتا ہے یا احکام قرآنیہ کا اتباع کرتا ہے، تو یہ اس کی گرمی کو بچادیں گی۔ اور پابندی کے ساتھ ورد قرآن کرنے سے جو کہ آگ کی حرارت کو دور کرنے والا ہے، آگ کی تکلیف کو اٹھا

دیں گی۔

اس شعر میں ایک حدیث کا اقتباس ہے کہ مومن جب پل صراط پر کھڑا ہوگا، تو آگ کے گے گی۔ اسے مومن اجلدی چلو۔ تمہارے نور نے میری حرارت بھبا دی ہے۔

(۱۰۱) كَانِيهَا الْحَوْضُ بَدِيضٌ الْوَجُوهُ بِيَه
مِنَ الْعَصَاةِ وَقَدْ جَاءُوهُ كَالْحَمِيمِ

اَل چوں حوضے وال کہ دار دروتے نواندہ سفید
گر چہ عاصی آمدست و روسیہ ہچوں حمم

یہں وہ مثل حوض کوثر جس سے ہوتی ہیں سفید
عاصیوں کی صورتیں جو تھیں سیاہ مثل حمم

ترجمہ: (یہ آیات) گویا کہ حوض ہے جس سے نافرمانوں کے چہرے روشن ہوتے
ہیں۔ حالانکہ (لوگ) کونوں کی مانند کالے (چہرے) لاتے تھے۔

لفظی تشریح

ناظم نے پانی کو حوض سے تعبیر کیا، کیونکہ وہ (حوض) پانی کا محل ہے اور یہ بلاغت کا
ایک طریقہ ہے کہ محل بول کر عاں مراد لیتے ہیں۔ یا مضاف کو حذف کر کے ذکر کیا۔ صل میں
یوں ہے: ماء الحوض۔ حوض سے مراد حوض کوثر ہے۔ اور وجوہ سے مراد لوگ،
اشخاص ہیں، کیونکہ ناظم نے وجوہ کا بیان (تشریح) عاصیوں سے کی۔ اور وجوہ کو حمم

سے تشبیہ دی جو کہ حتمہ کی جمع معنی کوئلہ ہے۔

معنوی تشریح

آیات قرآنیہ کی تلاوت اور احکام صمدانی (اللہ تعالیٰ کے) پر عمل، اس دار دنیا میں مومنوں کے دلوں کی سفیدی کا باعث ہے۔ مومنین کے سینوں کا نور، دارِ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کی مانند ہے جب کہ نافرمانوں کے چہرے حوض پر سفید ہو جائیں گے۔ حالانکہ جب وہ حوض کے پاس آتے تھے تو ان کے چہرے کوئلے کی مانند کالے تھے۔

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ جب وہ اس سے نکلیں گے تو ان کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا۔ ایک روایت میں ہے، تو پھر ان پر آب حیات اندھا جائے گا، تو ان کی سیاہی (کالا پن) ختم ہو جائے گا اور سفیدی ظاہر ہو جائے گی۔ اسی طرح آیات ہیں کہ ان کی تلاوت اور ان پر عمل کے باعث چہرے روشن ہو جاتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یوم تبيض وجوه... الخ جس دن کہ کچھ چہرے سفید (روشن) ہوں گے اور کچھ سیاہ۔

وَكَالْصِّرَاطِ وَكَالْمِيزَانِ مَعْدَلَةٌ
فَالْقِسْطُ مِنْ غَيْرِهَا فِي النَّاسِ لَمْ يَقُمْ

(۱۰۲)

چوں صراطِ راستی و چوں میزانِ بود درستی
راستی از غیر آنها کس ندیدہ بیش و کم

یہیں ترازو عدل کی اور راستی کے ہیں صراط
ہے بغیر ان کے قیام انصاف کا بس کا لعدم

ترجمہ: اور یہ آیات، پل صراط اور میزانِ عدل کی مانند ہیں عدل کرنے کے
لحاظ سے پس ان کے سوا لوگوں میں عدل قائم نہیں رہ سکتا۔

لفظی تشریح

یہ آیات حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے کے اعتبار سے پل صراط کی مانند ہیں اور
عدل کرنے کے لحاظ سے یہ میزان کی مانند ہیں۔ یہ ہر ایک کا حق بیان کرتی ہیں جیسے کہ
مناسب ہے۔ اور خصومت کو شرعی طریقہ سے رفع کرتی ہیں جو کہ دلیل عقلی کے ساتھ
مبعوث ہے۔

جب ایسی صورت ہے۔ تو دنیا میں لوگوں کے درمیان آیات قرآنیہ کے علاوہ کسی
اور سے عدل کو طلب کرنا مستقیم اور ثابت نہیں رہتا، کیونکہ تمام احکام شرعیہ انھیں کی
طرف راجع ہیں۔ اور سنت، اجماع اور قیاس بھی آیات پر مبنی ہیں۔

لَا تَعْبَبِنَّ لِحُوسٍ رَّاحٍ يُنْكِرُهَا
تَجَاهِلًا وَهُوَ عَيْنُ الْحَاذِقِ الْفَاهِمِ

گر حسود انکار آں کردہ مداراں را عجب
کو تجاہل کردہ ورنہ نیک کرد است آں فہم

مست تعجب کرتو حاسد پر جو ہے انکار اسے
ہے تجاہل اس کا گرچہ ہے وہ پکا ذمی فہم

ترجمہ: اے مخاطب! تو ہرگز بہت زیادہ حسد کرنے والے پر تعجب نہ کر جو
انکار کرنے لگا ہے۔ تجاہل عارفانہ کے طور پر حالانکہ وہ خود بڑا ماہر اور فہیم ہے۔

لفظی تشریح

الحسود: حارِ پختہ کے ساتھ۔ حاسد کا مبالغہ ہے۔ حاسد وہ شخص ہے جو دوسرے کی
نعمت زائل ہونے کی خواہش رکھتا ہو۔ الفہم بکسر الہامیہ بہت زیادہ سمجھنے والا

معنوی تشریح

اے مخاطب! تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد کرنے میں مبالغہ کرنے والے پر ہرگز
تعجب نہ کر اور نہ ہی تو حیران ہو۔ جیسے کہ یہود، نصاریٰ اور بعض مشرکین میں، کیونکہ تجاہل عارفانہ
کر کے آیات بینات کا انکار کرتے ہیں اور واضح معجزات کو نہیں مانتے ہیں جب کہ
منکر کو ان (آیات و معجزات) کی حقیقت کا علم اور معرفت حاصل ہے۔ حالانکہ یہ جان بوجھ
کر جاہل بن کر انکار کرنے والا ماہرین کا عین اور سمجھاروں میں۔ سے بہترین دانشمند ہے، کیونکہ
آیات مختلف قسم کی دلالت پر مشتمل ہیں۔

پس اس منکر سے آیات کا انکار واقع ہونا صرف کے اس کے عناد پر مبنی ہے جس کا
باعث حضور پر اللہ تعالیٰ کی نعمت نبوت اور عظیم رسالت پر حسد ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا: امر یحسدون الناس.... الخ زیادہ لوگوں کا حسد کرتے ہیں، اس بات پر
جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہے۔ پس حسد کے طور پر ان (آیات) کا انکار کرنا کوئی عجیب بات

نہیں ہے، کیونکہ بعض اوقات کسی خاص وجہ سے موجود شے کا بھی انکار کر دیا جاتا ہے جیسے کہ ناظم نے اگلے شعر میں کہا ہے۔

①۰۴ قَدْ تَنْكِرُ الْعَيْنُ ضَوْءَ الشَّمْسِ مِنْ رَمِدٍ
وَيَنْكِرُ الْفَمُ طَعْمَ الْمَاءِ مِنْ سَقَمٍ

کہ گے چشم از رمد منکر شود خورشید را
ہم دہن منکر شود طعم خوش آب از سقم
روشنی سورج کی کیونکر دیکھتی بیمار آنکھ
ذائقہ کیا آب شیریں کا ملے جب ہو سقم

ترجمہ: کبھی آنکھ آشوب چشم کی وجہ سے سورج کی روشنی کا انکار کر دیتی ہے۔
اور بیماری کے باعث منہ پانی کے ذائقہ کو صحیح نہیں مانتا۔

لفظی تشریح

الرمد آشوب چشم

معنوی تشریح

کبھی کبھی آنکھ کسی علت (بیماری) کی وجہ سے سورج کے نور کے وجود کا انکار کر دیتی ہے
اگرچہ وہ حقیقت ضیا کا مشاہدہ کر رہی ہوتی ہے۔ ایسے ہی آیات ہیں کہ ان کا ظہور اظہر من
الشمس ہے لیکن اندھا اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور چمپکا ڈراس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ آشوب چشم میں
انسان سورج کو دیکھنا پسند نہیں کرتا، تو دیکھنے والے کے نقصان کی وجہ سے دکھائی دینے والی

شے کو نقصان لازم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، انکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

کبھی منہ بسبب علت کے اس پانی کے ذائقہ کا انکار کر دیتا ہے جو کہ ہر شے کی زندگی کے طور پر مشہور اور متعارف ہے۔ وہ بیماری اس کو پانی کی لذات کے ادراک سے روکتی ہے۔ ایسے ہی ان (کافروں) کے دلوں میں بھی بیماری ہے جن کو قرآن کی شفاء بھی نفع نہیں دیتی اور فرقان کے ذائقہ سے شیرینی حاصل نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ونزل من القرآن الحج اور ہم نے آمارا ہے قرآن میں سے ایسی شے جو کہ مومنین کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور ظالم لوگوں کو خسارہ میں زیادتی نصیب ہوگی۔ پس وہ نیل کی مانند محبوبین کے لیے پانی اور محبوبین کے لیے خون ہے جس سے کئی گمراہ ہوتے ہیں اور کئی ہدایت پاتے ہیں۔

پھر ناظم اپنے ممدوح کی نعت میں غائب سے خطاب کی طرف متوجہ ہوا، تو فرمایا،

(۱۰۵) يَا خَيْرَ مَنْ يَسْمَعُ الْعَافُونَ سَاحَتَهُ
سَعِيًّا وَفَوْقَ مُتُونِ الْأَيْنِقِ الرَّسْمِ

اے کہ بہترزاں کہ مردم قصد درگاہش کنند

پا پیادہ یا بہ پشتِ اشترانِ بادوم

اے شہِ والا تر سے دربار ہیں آتے ہیں سب

پا پیادہ اور سوارِ اشترانِ تازہ دم

ترجمہ: اے سردار! آپ ان سب سے بہتر ہیں کہ مانگنے والے جن کے صحن کا قصد

کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ پاپیادہ اور مضبوط، طاقتور اونٹنیوں کی پیٹھ پر سوار ہو کر آتے، آپ بہتر ہیں۔

لفظی تشریح

يَسْمَ قَصْدَرًا - العافون! العافی کی جمع یعنی سائل۔ الساحة گھر کا صحن۔ سعيا یعنی ساعین دوڑ کر۔ فوق، سعيا پر عطف ہے یعنی کائینین فوقہا اس حال میں کہ وہ ان کے اوپر ہو گئے۔ متون جمع متن کی۔ (سواری کی) پشت۔ الایق میں یا، نون پر مقدم ہے۔ یہ کلمہ انیق (جب کہ نون، یا پر مقدم ہو) سے مغلوب ہے۔ اصل میں انوق تھا۔ پہلے داؤ کو نون پر مقدم کیا۔ پھر مزید تخفیف کے لیے وا کو یا سے قلب کیا۔ یہ ناقہ کی جمع ہے، الرُسْمُ بضمیْن۔ وہ اونٹ جو شدت کے ساتھ چلنے کی وجہ سے زمین میں قدموں کے نشانات لگا دیتے ہیں۔

معنوی تشریح

اے آقا! آپ ایسے آقا ہیں جس کی سخاوت کے صحن کا سائیلین قصد کرتے ہیں آپ کے علم و حکمت کی طرف طالبین توجہ کرتے ہیں۔ اس حال میں کہ وہ پاپیادہ تیزی کے ساتھ چل کر آتے ہیں۔ یا وہ طاقتور اونٹنیوں کی پشتوں پر سوار ہو کر حاجیوں کی ہمتیت میں آتے ہیں۔

یا رسول اللہ! آپ کے پاس پاپیادہ آتے ہیں اور ہر مضبوط سواری پر جو کہ دور دراز اور گہرے ادبوں سے گزر کر آتی ہیں۔

اس شعر میں آپ دربار میں چل کر آنے والوں کی اقسام اور آپ کی خدمت میں حاضری دینے والوں کی اصناف کی عمومیت پر اشارہ ہے کہ ہر کوئی خواہ وہ قوی ہے یا

گزرور، راستہ کی مسافت قریب ہے یا بعید، آپ کا قصد کرتا ہے۔

(۱۰۶) وَمَنْ هُوَ الْاَيَةُ الْكُبْرَىٰ لِمُعْتَبِرٍ
وَمَنْ هُوَ النِّعْمَةُ الْعُظْمَىٰ لِمُعْتَنِمٍ

اے کہ ہستی آیت کبریٰ کہ باشد معتبر
اے کہ ہستی نعمت عظمیٰ کہ باشد معتنم

یہیں وہ برتر اور ذمی شان معتبر کے واسطے
اور وہ ہیں نعمت عظمیٰ برائے معتنم

ترجمہ: (اے وہ ذات!) جو عبرت حاصل کرنے والے کے لیے بہت بڑی نشانی
(دلیل) ہے اور (اے وہ ذات!) جو غنیمت جاننے والے کے لیے نعمت
عظمیٰ ہے۔

لفظی تشریح

(یہ شعر) سابقہ شعر میں منادی پر معطوف ہے۔ الایۃ ایسی علامت جو دلیل پر
صادق آئے تاکہ اس سے عبرت حاصل کرے اور اس سے اندازہ لگائے وہ شخص جو
اس بات کی تائید کرتا ہو کہ حق و باطل کے درمیان تمیز کی جائے۔ النعمۃ یعنی منعم بہ
ہے۔ اوہ شیخ جس کو بطور نعمت دیا گیا ہو، پہلے مصراع میں انک لتهدی الی صراط
مستقیم کی طرف اشارہ ہے جس کی وضاحت آنے والا شعر کفاک بالعلم فی
الارحمیٰ معجزۃ، کر رہا ہے۔ دوسرے مصراع میں اللہ تعالیٰ کے فرمان و ما

ارسلناك الارحمة للعالمين کی طرف اشارہ ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت میں منفرد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان کو بصیغۂ جمع ذکر اس لیے کیا تاکہ مبالغہ کا اظہار ہو۔

معنوی تشریح

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اقدس نہایت عمدہ ہے۔ اور اس میں علم اور علم کی ایسی چمک دمک ہے کہ جس نے بھی آپ کی سیرت پاک کا مطالعہ غور و فکر سے کیا اور آپ کے عمدہ خصائل پر خوب تدبر کیا، اسے آپ کی نبوت کی صحت اور دعوت اسلام کی سچائی میں ذرہ بھر بھی شک نہ رہے گا۔

نذا کا تکرار اس بات کے اظہار کے لیے ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔

سَكَيْتَ مِنْ حَوْمٍ لَيْلًا إِلَى حَرَمٍ

(۱۰۷)

کہا ساری البدر فی داج من الظلم

در شبے رستی ز مکہ تا باقصی شریف

چوں کہ ماہ چارہ گردوں رواں گرد و ظلم

بدر کامل جس طرح سے رات میں کرتا ہے سیر

مکہ سے اقصی گئے معراج میں شاہ امم

ترجمہ: یا رسول اللہ! آپ نے رات کو ایک حرم سے دوسرے حرم تک

سیر کی جیسے کہ چورھویں رات کا چاند ظلمت کی تاریک رات میں چلتا ہے۔

لفظی تشریح

سرمی۔ اسرمی میں ایک لغت ہے۔ رات کو چلنا۔ لیلاً ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کو تاکید کے لیے ذکر کیا۔ اور تفلیل کے طور پر اس کو نذرہ ذکر کیا۔ حرم اول سے مراد مکہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرف کیا ہے اور دوم حرم سے مراد مسجد اقصیٰ مراد ہے۔ اس کا حرم نہیں ہے، تو اس سے مراد قابل احترام جگہ ہے۔ داج۔ دجو سے اسم فاعل ہے۔ دجو، سخت تاریکی کو کہتے ہیں۔ یہ (داج) صفت ہے اور موسوف اس کا مخذوف ہے۔ اصل میں تھا: لیل داج۔ الظلم ضمہ اور فتح و دونوں سے پڑھا جاتا ہے۔ جمع ظلما تاریکی کی۔

معنوی تشریح

یا رسول اللہ! آپ نے اللہ تعالیٰ کے سیر کرانے سے عجیب و غریب سیر کی جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے قول سے اشارہ ہے: سبحان الذی اسرمی بعدہ لیل... (پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کراتی رات کو، وہ سیر ایک جلیل رات کی قلیل ساعت میں مکہ کے حرم محترم سے قدسی حرم معظم تک ہوئی۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کا یہ قول دلالت کرتا ہے: من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بادکنا حوله۔ مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا، وہ سیر اس طرح ہوئی جیسے کہ بدر (چودھویں کا چاند)، اپنے ظہور کے کمال اور اپنے نور کے جمال کی بلندی میں، اغیار سے منحنی ہونے کے وقت پر دوں گنبدوں کے نیچے چلتا ہے۔ یہاں پر ناظم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر کو چاند کی سیر سے تشبیہ دی ہے، اس میں وجہ تشبیہ دو ہیں:

① مقام منزل مقصود، کی طرف پہنچنے میں تیزی سے چلنا۔

② سخت تاریکی میں مکمل طور پر روشن ہونا۔

یہاں پر ناظم نے ظلمت کا ذکر بدر کے وجود کے ساتھ کیا جس سے ہمارے زمانہ کے بعض فضلاء کے فہم میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ یہ اس طرح ظلمت اور چاند کا اکٹھا ذکر، تناقص ہے اور تعارض کا باعث بنتا ہے، تو اس ظلمت سے مراد ظلمت بالقوة ہے، یعنی اگر چاند کا نور نہ ہوتا۔

کہ فی الجملہ چاند کے نور کے ساتھ ساتھ رات کچھ نہ کچھ تاریکی ظاہر کرتی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وجعلنا الليل والنهار ایتین... الخ ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا، تو ہم نے رات کی نشانی کو محو کر دیا۔ اور دن کی نشانی کو دکھائی دینے والا بنا دیا۔

آپ کی سیر اور اس سے واپسی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ سیرتین یا چار گھنٹوں میں ہوتی۔ بالاجماع معراج کی اتنی مقدار آپ کے جسم کے ساتھ حالت بیداری میں ہوتی اور بلا اختلاف اس کا منکر کافر ہے۔ اس سے مافوق جو اس کے بعد ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کا منکر اہل بدعت میں سے ہے۔

①۰۸ وَبِتَّ تَرُقِي إِلَىٰ أَنْ نَبَلْتَ مَنَزِلَةً
مِنْ قَابِ قَوْسَيْنِ لَمْ تَدْرِكْ وَلَمْ تَرْفِرْ

برشدی بالا وگشتہ قاب قوسینت مقام
واں نہ دیدست نہ بیند پیچ کس در پیچ دم

طے کیے سارے مدارج اور ملا ایسا مقام
ہے پرے ادراک کے اور قاب قوسین سے نرم

ترجمہ: رات کو آپ ترقی کرتے رہے یہاں تک کہ آپ قاب قوسین مقام
تک پہنچ گئے جس کا نہ ادراک کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی قصد۔

لفظی تشریح

بِتَّ - فعل ماضی مخاطب کا صیغہ بیتوتۃ سے مشتق ہے، اور ایک نسخہ میں بت کی
جائے ظَلَّتَ (ظلمہ پر فتح اور کسرہ دونوں سے پڑھا جاتا ہے)، ہے۔ اس کا اصل ظَلَّتَ
ہے، بمعنی صار۔ ترقی قاب پر زبر آپ نے صعود کیا۔ نلت اگر فعل معروف ہو تو مشتق
نیل سے ہے جس کا معنی پہنچنا ہے۔ اگر مجہول ہو تو یہ نول بمعنی عطا ہے، لیکن پہلی بات اظہر
اور روایت میں مشہور ہے۔

اور وہ زیادہ قریب ہے۔ لحدنك صیغہ مجہول ادراک سے مشتق ہے، اور لحدوم
روم سے مشتق ہے بمعنی قصد کرنا۔

معنوی تشریح

یا رسول اللہ! آپ محض رات میں ترقی کرتے رہے اور جلی معارج اور عمدہ بلندیوں
کی طرف ساتوں آسمانوں کو پیرتے ہوئے بڑھتے گئے، یہاں تک کہ آپ بلند مقام اور
بہترین مرتبہ کو پہنچ گئے۔ اور وہ (مقام و مرتبہ) رب کونین کے ساتھ طرفین کی ملاقات
کے وقت دو کمانوں کا فاصلہ ہے۔ اور یہ چیز کمال قرب سے کنایتہ ہے۔ اس سے
مراد قرب مرتبہ ہے، مکان نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ مکان و زمان سے منزہ ہے۔ یا کہا

ترجمہ: تمام انبیاء اور رسولوں نے آپ کو اس (بلند مقام) کے سبب مقدم کیا جیسے خادم اپنے مخدوم کو مقدم کرتا ہے۔

لفظی تشریح

الرسول رسول کی جمع۔ اس کا سین ساکن ہے۔ یہ حالت جبری میں ہے رسول نبی

سے خاص ہوتا ہے۔

معنوی تشریح

یا رسول اللہ! آپ کو سب انبیاء اور تمام اصفیاء نے اس بلند مقام عظیم مرتبہ کی لیے مقدم کیا جیسے مخدوم خادم پر مقدم ہوتا ہے۔ اور جیسے مقتدی تمام احوال میں امام کی اطاعت کرتے ہیں۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ امامت مسجد اقصیٰ میں ہوتی یا بلند آسمانوں میں۔ اور لفظ جمع جو جمع سے مشتق ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مقام جمع عالم الملک میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو کہ حتمی لاموت ہے، ہوتی ہے۔

وَإِنَّ تَخْتَرِقَ السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ
فِي مَوَكِبٍ كُنْتَ فِيهِ صَاحِبَ الْعِلْمِ

۱۱۰

زآسماں ہا برگزشتی بر جمیع انبیاء
در گروہ کا ندر ایشاں تو بدی صاحب علم
طے کیا سات آسماںوں کا سفر با انبیاء
ساتھ افواج ملائک کے تھے باشان و چشم

ترجمہ : آپ ان (انبیاء) کے ساتھ ساتوں طبقے کرتے گئے ایک ایسے
موکب میں کہ جس میں جھنڈے والے (سوار) آپ تھے۔

لفظی تشریح

واو حالیہ ہے۔ الخوق گذرنا فعل مضارع کی طرف عدول کرنے کی وجہ، گذشتہ حالات
کا استحضار ہے۔ الموکب۔ کاف کے کسرہ کے ساتھ بسواروں کی جماعت۔ العلم،
جھنڈا۔ اس کو بالاشباع پڑھا جائے گا۔

معنوی تشریح

یا رسول اللہ! اور آپ نے ساتوں آسمانوں کو طے کیا جو کہ ایک دوسرے کے اوپر
تہہ در تہہ ہیں۔

اس حال میں کہ آپ انبیاء کے پاس گذر رہے تھے یا ان کی ارواح کے پاس گذر رہے
تھے پس آپ آسمان دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس گذرے دوسرے میں حضرت
عیسیٰ اور یحییٰ کے پاس تیسرے میں حضرت یوسف کے پاس، چوتھے میں حضرت ادریس کے
پاس، پانچویں میں حضرت ہارون کے پاس، چھٹے میں حضرت موسیٰ کے پاس اور ساتویں میں
حضرت ابراہیم علیہم السلام والتمیہ والا کرام۔ آپ ایک عظیم جمعیت میں جو ہیت کریمہ
کے ساتھ مصحوب تھی، کیونکہ آپ کے ساتھ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔ حضرت جبرائیل
علیہ السلام کو جمع کے صیغے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: فنادتہ
الملائکۃ۔ تو یہاں ملائکہ کی تفسیر جبرائیل کے ساتھ کی گئی ہے، یا اس کو بزرگوں اور
باعظمت قوم کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔

اس شکر میں صاحب علم (جس کی طرف اشارہ کیا جاتے۔ اور جس پر مدار ہو) آپ تھے۔

علم ایسا تیر جس کے سرے پر جھنڈا ہوتا تاکہ وہ بادشاہ پر علامت اور نشانی ہو۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہتے تو ان سے پوچھا جاتا کہ تمہارے ساتھ کون ہے، وہ جواب دیتے: محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حَتَّىٰ إِذَا كَفَرُوا بِنُورِ الْمُسْتَبِقِ
مِنَ الدُّنْيَا وَمَرَقَ لِمُسْتَبِقِ

(۱۱۱)

زینتے از قرب بہر، بیچ کس نگزاشتے
جائے بالاتر نہ ہشتی دیگرال را در رقم

مترتب باقی نہ رکھا بڑھنے والوں کے لیے
ہر بلند و پست پر تھا آپ کا فیض و تتم

ترجمہ: یہاں تک کہ آپ نے کسی آگے بڑھنے والے کے لیے قرب کی کوئی غانت
نہ رہنے دی اور نہ ہی اوپر جانے والے کے لیے کوئی سیڑھی۔

لفظی تشریح

حتیٰ اختراق کی غانت بیان کرنے کے لیے ہے۔ اذا ظرفیہ مجاز پر ہے۔

معنوی تشریح

یا رسول اللہ! آپ دروازے میں داخل ہوتے اور آپ نے حجاب کو قطع کیا یہاں تک
کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف قرب مطلق کا کمال حاصل کرنے کی کوشش کرنے کے لیے
کوئی غانت نہ چھوڑی۔ (اس سے زیادہ قرب کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی آپ نے

عالم وجود میں کسی بلندی کے طلب گار کے لیے اٹھنے، بیٹھنے اور ترقی و صعود کی جگہ رہنے دی
 بلکہ آپ اس سے مقام قاب قوسین کی طرف بڑھ گئے یا اس سے بھی قریب، تو آپ کے
 رب نے آپ کو علم و حکمت کی وحی کی جو بھی وحی (اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ کسی
 انسان کو اس بات کی قدرت نہیں کہ وہ اندازہ یا تخمینہ لگاتے۔ اللہ تعالیٰ نے کس قدر علم و
 حکمت اپنے حبیب کو عطا فرمایا۔)

①۱۲ خَفَضَتْ كُلَّ مَقَامٍ بِالْإِضَافَةِ إِذْ
 نُودِيَتْ بِالرَّفْعِ مِثْلَ الْمَفْرُودِ الْعَلَمِ

پست کر دی پیش قربت ہر مقام دیگر
 چوں ترا بردند بالا و ندراں گشتی علم

کر دیتے پست آپ نے سب کے مدارج اور مقام
 جب ہوتے مدعو بلند پر یگانہ باہم

ترجمہ: جیسے اضافت کی وجہ سے کلمہ کو زیر آتی ہے یوں ہی آپ نے ہر مقام کو
 پست کر دیا، کیونکہ آپ کو بلندی کی طرف ندا دی گئی جیسے کہ منادی مفرد علم مرفوع
 پڑھا جاتا ہے۔

لفظی تشریح

یہ بیان حضور کے ساتھ قرب کی خصوصیت میں ہے جس کا اشارہ اَوَادُنِي کے ساتھ
 کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذاتی محبت کے ساتھ کیا گیا ہے جو کہ نہایت ہی اعلیٰ اور

قیمتی مقام ہے۔ اور ناظم کا قول خففت کل مقامر یہ اذا کے جواب میں ہے جب کہ اس کو شرط مانا جائے۔ اس معنی پر سابقہ شعر کے یہ کلمات اذا المتدع دلالت کرتے ہیں جب کہ اس کو ظرف مانا جائے۔ الخفض مقام و مرتبہ کا کرنا کسی شئی کو کسی شئی کے نیچے کر دینا۔ نحو یوں کی اصطلاح خفض فی الاعراب اور خفض فی الاضافة بھی اسی سے ہے۔ ایسا الصاق کے لیے کہتے ہیں۔

معنوی تشریح

یا رسول اللہ! آپ نے مقامات اور مراتب اصفیاء میں سے ہر مقام و مرتبہ کو پست کر دیا اور یہ برکت ہے اس اضافت کی جو آپ کو اللہ کے حضور عالی سے ہے اور اس نسبت کی جو آپ کو بہترین محبت کے ساتھ ہے۔ یا یہ اس اضافت کی برکت کی بدولت ہے جو آپ کو اپنے جلی مقام سے ہے یا جو نسبت آپ کو اپنے بلند حال سے ہے۔ جب آپ کو اس مقام اعلیٰ کی طرف ندا دی گئی جس کو قاب قوسین اودائی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ندا تعظیم میں ایسی تھی جیسے فرد واحد اور علم جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور مکرم کے ساتھ مشہور ہے جس کو اپنی جنس کے افراد سے یکتا اور اپنے ہمسرول سے ممیز کر دیا گیا ہے۔

یہ بات مخفی نہیں ہے جو کچھ اس شعر میں اصطلاحات نحویہ کی اشارتی صفت خففت،

رفع، اضافت، ندا اور مفرد علم اور مناسبات جلیہ پائی جاتی ہے۔

کَمَا تَقُوزُ بِوَصْلِ أُمِّي مُسْتَرٍ
عَنِ الْعِيُونِ وَ سِرِّي مَكْتَمِ

(۱۱۳)

تأتمقام وصل پنہاں یاستی از چشم خلق
سر پنہانی بدانتے زا اوصاف و قدم

تاکہ ہوں اسرار پوشیدہ سے اقف بعد وصل
حق نے ظاہر کر دیتے سب راز از فضل و کرم

ترجمہ: یہاں تک کہ آپ ایسے وصل سے کامیاب ہوئے جو بہت پوشیدہ ہے۔

اور ایسا راز حاصل کرنے میں کامران ہوتے جو آنکھوں سے چھپا ہوا ہے۔

لفظی تشریح

یہ شعر سبب و بت سے لے کر آخر تک جتنے استعار آئے ہیں ان کی علت غائت ہے۔
یعنی یا رسول اللہ! آپ سدرۃ المنتہی سے قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام تک پہنچے تاکہ
آپ اللہ تعالیٰ کے وصال اور اس کے ماسوا سے قطع تعلق کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔
ایسا وصال جو کہ لوگوں کی آنکھوں سے نہایت پوشیدہ ہے۔ اور آثار مطلوب و اسرار محبوب
سے ایک ایسا عظیم راز حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو اغیار کی آنکھوں سے بالکل
مخفی ہے۔

امی دونوں جگہ مجبور ہے کیونکہ یہ اپنے ما قبل کی ایسی صفت ہے جو معنی کمال پر
دلالت کرتی ہے۔ (تو ای ہستتر کا معنی ہوگا) ایسا وصال جو استتار میں کامل ہے۔
اور (ای منکتم کا معنی ہوگا) ایسا راز جو خفیہ ہونے میں کامل ہے۔

تفوز فعل مضارع انْ حقدرة جو گئی بمعنی لام کے بعد آتا ہے۔ یا لکی بمعنی ان
اور لام مقدرہ کے بعد آتا ہے اس کے سبب منصوب ہے۔ اور ما دونوں وجوہ کے

مطابق زائدہ ہے۔

معنوی تشریح

علامہ جلال الدین المحلی نے فرمایا کہ یہ راز اس حدیث سے ماخوذ ہے جو کہ حضور نے ارشاد فرمایا: میرے رب نے مجھے معراج کی رات مختلف قسم کے کئی علوم سکھائے۔ ایک وہ علم جس کے چھپانے کا مجھ سے عہد لیا گیا۔ دوسرا وہ علم جس کے ظہور و خفا کا اختیار مجھے سونپ دیا گیا۔ تیسرا وہ علم جس کی تبلیغ کرنے کا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: کہ جن علوم کے ظہور و خفا کا آپ کو اختیار دیا تھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر، عمر، عثمان اور مجھے آگاہی بخشے رہتے تھے اس حدیث کو بہت سے شارحین نے ذکر کیا ہے۔ لیکن میں کتب حدیث میں اس کے اصل پر آگاہ نہیں ہوا۔ البتہ یہ بات امام بخاری کی روایت کے منافی نہیں جو انھوں نے ابو محیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کی۔ ابو محیف نے کہا: میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی ایسی وحی بھی ہے جو قرآن میں نہ ہو۔ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور باد نسیم کو پیدا کیا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مگر قرآن کی سمجھ جو اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو عطا کرتا ہے اور اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت کے احکام۔

اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے، کیونکہ یہ (مسلمان) لوگوں کی تبلیغ سے متعلق ہے اور وہ غیر تبلیغ سے جیسے ظاہر بات ہے۔

اس شعر میں رویت باری تعالیٰ اور اس کی مناجات کی طرف اشارہ ہے۔ بے شک اس میں اختلاف ہے کہ حضور نے اپنے رب کو ظاہری آنکھوں سے دیکھا یا جبرائیل کو اس کی صورت میں دیکھا۔ ایسے ہی حضور کی مناجات میں اختلاف ہے کہ حضور نے اپنے رب

سے مناجات کی یا جبرائیل سے۔ ان دونوں باتوں کی اصل یہ دو آیات ہیں:

① رویت کی اصل ما کذاب الفواد مارای۔

② مناجات کی اصل فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔

بمطابق ان باتوں کے جو تفاسیر میں درج ہیں۔

قرب اور وصل سے قرب مکانی یا قرب صورتی مراد نہیں ہے، بلکہ یہاں پر صرف مقصود یہ ہے حضور کے مرتبہ کی عظمت ظاہر کرنا۔ آپ کی معرفت کے انوار کو روشن کرنا غیب اور قدرت کے اسرار کا مشاہدہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنانا۔

فَحُزَّتْ كُلُّ فَخْرٍ غَيْرِ مُشْتَرِكٍ
وَجَزَّتْ كُلُّ مَقَامٍ غَيْرِ مُزْدَحَمٍ

جمع کردی ہر بزرگی کاں نبودہ مشترک
برشدی از ہر مقامے کاں نبودی مزدحم

ہر بزرگی غیر شرکت جمع کر لی آپ نے
طے کئے سب مرتبوں کو آپ غیر مزدحم

ترجمہ: یا رسول اللہ! آپ نے ہر قابلِ فخر شئی کو حاصل کیا کہ جو مشترک نہیں ہے۔

اور ہر ایسے مقام سے گزر گئے جو بھیر و الائنہ تھا۔

لفظی تشریح

حُزَّتْ اور جَزَّتْ دونوں قُلَّتْ کے وزن پر ہیں۔ پہلا حاؤ سے مشتق ہے بمعنی جمع کرنا۔

اور دوسرا جاذب سے معنی تجاوز کرنا۔ الفخار۔ وہ فضائل، عادات اور نعمتیں جن میں انسان فخر کر سکتا ہے۔ یا یہ مصدر ہے معنی مفاخرت اور غیر۔ دونوں مقامات پر مابعد کی صفت ہونے کے باعث مجبور ہے یا منصوب ہے اس اعتبار سے کہ یا تو مکمل کی صفت واقع ہو رہے ہیں۔ یا فاعل سے حال واقع ہو رہے۔

المشترك۔ اور المزدحم دونوں اسمائے مفعول معنی مصدر ہیں۔

معنوی تشریح

کہا گیا ہے کہ فخر غیر مشترک سے مراد مثل وسیلہ، فضیلت، اعلاہ درجہ، جو شخص کو شرفا عظمیٰ، مقام محمود اور لوہار الحمد وغیرہ کے ہیں۔ اور مقام غیر مزدحم سے مراد مقام محبت، ختم نبوت، معراج، رسالت عامہ اور ان جیسے مقامات ہیں۔ یا اس سے مراد عارفین و سلمین کے مقامات ہیں۔

ان کے نزدیک سالکین اور سائیرین کی منازل ہیں جن کو معین کر کے تعبیر کرنا اور ان کی طرف اشارہ کرنا ناممکن ہے۔ جو ان کو حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ مجاہدہ کرنے تاکہ مشاہدہ کر سکے، کیونکہ خبر مشاہدہ کے برابر نہیں ہوتی۔ اور یہ درجات بجز تفرید میں استغراق اور توحید میں منتہی ہوتے ہیں۔

وَجَلَّ مَقْدَارُ مَا وُلِّيتَ مِنْ رُتَبٍ

(۱۱۵)

وَعَزَّ اِدْرَاكُ مَا وُلِّيتَ مِنْ نِعَمٍ

پس بزرگ است آنچه داوندت ز فضل مرتبت

پس عزیز است آنچه بخشیدست خداوند از نعم

ہیں عظیم ایشان رتبے جو ملے سرکار کو
میں پرے اور اک کے جو کچھ ہوے حاصل نعم

ترجمہ: دوسرا تب آپ کو عطا کئے گئے۔ ان کی مقدار بڑی جلیل ہے اور وہ نعمتیں
آپ کو عطا کی گئیں جن کا اور اک نہایت دشوار ہے۔

لفظی تشریح

وَلِيَّتَآءِ اٰپ کو والی بنا یا گیا۔ اُولِيَّتَآءِ اٰپ کو والی بنا کر عطا کیا گیا۔ اللذالك کسی شئی کا
احاطہ کرنا۔ ذاتی طور پر یا صفاتی طور پر۔ المقدار وہ آلہ جس سے کمیٹ کیفیت کا انداز لگایا جاتے
الرتب جمع ہے رتبة کی۔ النعم جمع ہے نعمة کی۔

معنوی تشریح

کہا گیا ہے کہ پہلا مصراع فاوحی الی عبدہ ما اوحی کی طرف اشارہ ہے۔ اور
دوسرا مصراع لقد رای من آیات ربہ الکبریٰ سے عبارت ہے۔ آیات کی تفخیم
میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ افہام (ذہن یا عقول) ما اوحی کی تفسیر کی تفصیل
سمجھنے سے حیران (قاصر) ہیں، کیونکہ افہام آیات کبریٰ کی تعیین میں سرگرداں ہیں۔

بَشْرِي لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اِنَّ لَنَا
مِنَ الْعِنَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مَهْدَمٍ

(۱۱۶)

مژدگانی باد مارا لے مسلماناں کہ ماں
از عنایت ہست رکنے کاں بو و دور از ہدم

اے مسلمانو! یہ خوشخبری ہے اپنے واسطے ایک ستوں ایسا ملا مضبوط از فضل و کرم

ترجمہ: اے معشر اسلام! ہمارے لیے خوشخبری ہے کہ ہمیں بطور عنایت وہ رکن عطا کیا گیا جو منہدم ہونے والا نہیں ہے۔

لفظی تشریح

بشریٰ یہ مصدر ہے۔ اور اس سے ایسی خوشی مراد ہے جو چہرے کی حالت کو بدل دے۔ (چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوں) وہ اچھی حالت اور نیک پر رونق صورت ہوتی ہے۔ معشر الاسلام کو نصب بطور اختصاص ہے۔ جیسے کہ حضور نے فرمایا: نحن معاشر الانبیاء لا نورث۔ (ترجمہ) ہم انبیاء کا گروہ وارث نہیں ہوتے، بعض نے کہا: یہ منادی ہے (منادی مضاف ہو تو منسوب ہوتا ہے) اِنَّ كَسْرَهُ بَرَاءَةٌ تَعْلِيلٌ (سبب بیان کرنے کے لیے ہے، عنایۃ سے مراد وہ الطاف خفیہ ازلیہ مراد ہیں جو دائمی اور واضح سعادت کا سبب بنتے ہیں۔ رکن کسی شے کا رکن اس کا ایسا جزو اور ایسا مرجع ہے جس پر وہ اعتماد کرتا ہے۔

معنوی تشریح

اقبال مندی اور سعادت کی صبح (طلوع ہونے) کی تاثیر سے بشارت خوشی اور جلال سے روشن ہوئی۔ اور معاشر الاسلام کی اقوام عرب اور عجمی جماعتیں کے لیے پھیل گئی۔ اور اس کو رکن رکین اور نچتہ اور تاقیامت اس کو دین ناسخ و راسخ کے نام سے مخصوص ہو گیا۔

لَمَّا دَعَا اللَّهُ دَاعِينَا لَطَاعَتِهِ
بِأَكْرَمِ الرُّسُلِ كُنَّا أَكْرَمَ الْأُمَمِ

چوں خدا مارا بطاعت خواند بفرستاد او
بہتر پیغمبروں گشتیم ما خیر الامم

جب کہ ان کو حق نے خود خیر الرسل فرمادیا
طاعت حق کے سبب ہم ہو گئے خیر الامم

ترجمہ: جب اللہ نے اپنی اطاعت کی طرف ہمیں بلائے والے نبی کو اکرم الرسل
(سب رسولوں سے بزرگ) کے لقب سے پکارا تو ہم اکرم الامم (سب امتوں
سے بزرگ) ہوئے۔

لفظی تشریح

دعا پکارنا۔ نام رکھنا۔ دعا کا فاعل اللہ ہے۔ داعینا اس کا مفعول بہ ہے۔ (قانون
کے مطابق داعی کی یا کو بصورت مفعول نصب آنا چاہیے۔ مگر یہاں یا کا سکون ضرورت
کی وجہ سے ہے اور ایک قوم کے نزدیک بعض اوقات بغیر ضرورت بھی آجاتا ہے۔ مثلاً
اعط القوس باریہ لطااعته داعینا کے متعلق لطااعته میں لام (حرف جار) بمعنی الی
ہے۔ اور اس میں ضمیر کا مرجع اللہ کی طرف ہے۔ باکرم الرسل (جار مجرور) دعا کے متعلق
ہے۔ الرسل۔ رسول کی جمع۔ سکون سین۔ یہ ایک لغت ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ
داعینا فاعل سے بدل ہے۔ اور لطااعته دعا کے متعلق ہے اور ایسے ہی باکرم الرسل

ہے، کیونکہ آپ ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہیں۔

معنوی تشریح

کنا اکرم الامم کا معنی یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پاک امت
امت ہیں کیونکہ امت کا شرف اس کے نبی کے شرف کی وجہ سے ہے۔ قرآن پاک میں ہے، کنتم خیر
امۃ اخرجت للناس۔ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہو۔
ناظم نے یہاں ایک ہلکا سا اشارہ بھی کیا ہے۔ وہ یہ کہ امت کا سب سے بہترین ہونے
کی صفت سے موصوف ہونے کا مفہوم یہ بھی ہے کہ ایسی امت کا رسول بھی اکرمیت کی
صفت سے موصوف ہوگا، لیکن ناظم نے اس استدلالی قضیہ کو رسالت کے بلند مرتبہ
مصطفوی، مرتضوی کی تکریم کی خاطر معکوس کر دیا، کیونکہ ہمارا بہترین امت ہونا آپ کے فضائل میں
سے ہے کیونکہ معقول و مشروع تقاضے کے مطابق تابع کی عزت متبوع کی عزت کے
باعث ہے۔

جب ناظم قصہ معراج اور اس کے متعلق باتوں (جیسے وصال کا حاصل ہونا اور زفوں
کا پورا ہونا) سے فارغ ہوتے تو انھوں نے آپ کی غزوات، شجاعت،
جہاد کے مجاہدہ اور اہل کفر و عناد اور کجرو اور فاسدین کے دفاع میں جو بڑی بڑی لہجے
برداشت کیں ان کا بیان شروع کیا۔

رَاعَتْ قُلُوبَ الْعِدَىٰ أَنْبَاءُ بَعَثْتَهُ

(۱۱۸)

كُنْبَاءً أَجْفَلَتْ غُفْلًا مِّنَ الْغَمِّ

دشمنوں رادل بہ ترسانید اخبار رسولؐ
ہمچوں آوازے کہ ناگہ بر جہانید سے غنم

سن کے بعثت کی خبر تھرا گئے اعدا کے دل
شیر کی آواز سے جیسے ڈرے غافل غنم

ترجمہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبروں نے دشمنوں کے دلوں
کو خوفزدہ کر دیا جیسے کہ شیر کی گرج بکریوں کے ریوڑ پر لکچی طاری کر دیتی ہے۔

لفظی تشریح

الروح ڈرانا۔ العدى اسم جمع عدو کی۔ انباء جمع تبار کی۔ ایسی خبر جو بڑی شان ہے۔
البعثۃ رسالت۔ النبأۃ شیر کی گرج۔ الا جفال دشمن کو کپکپا دینا۔ لرزہ طاری کرنا۔
اضطراب پیدا کرنا۔ غفلاً جمع غافل کی۔ جیسے بڑل جمع بازل کی۔

معنوی تشریح

حضور کی نبوت کی اخبار اور آپ کی رسالت کے آثار نے کفار اور مشرکین میں دشمنوں
کے دلوں کو یوں ڈرایا جیسے شیر کی گرج (ڈھار) غافل ریوڑوں کو ڈرا دیتی ہے، کیونکہ
وہ کپکپانے لگتے ہیں اور اس کی آواز سے بھاگ جاتے ہیں بغیر اس کے حملہ کئے۔

ناظم نے غافلہ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ (اس بیان کی) ہیئت میں تاثر زیادہ
ہو۔ اور اس شعر میں صحیحین کی حدیث کی طرف اشارہ ہے: نصرت بالدعب مسیوۃ
شہر۔

اور طبرانی نے روایت کیا: نصرت بالدعب شہرین۔

اس سے مراد وہ باتیں ہیں جو ابن ملقن کی شرح العمده میں موجود ہیں۔ اور یہی روایت کی گئی کہ آپ نے فرمایا - رعب کے ساتھ ایک ماہ میرے سامنے ایک ماہ میرے پیچھے میری مدد کی گئی ہے۔ اور اس روایت کے مطابق دائیں اور بائیں سمت کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ تو اس طرح پہلی روایت سے مراد ہر سمت میں ایک مہینہ ہے۔

مَا نَالَ يَلْقَاهُمْ فِي كُلِّ مَعْتَرِكٍ
حَتَّىٰ حَكُوا بِالْقَنَا لِحْمًا عَلَىٰ وَصْمٍ

(۱۱۹)

چوں بہ جنگ دشمنان رفتے بدے در جنگ گاہ
اں بدنہا بر سر نیزہ چو لحم اندر و صم

جنگ کے میدان میں کفار کی حالت نہ پوچھ
جسم تھے نیزوں پہ ان کے جیسے کندوں پر لحم

ترجمہ: حضور ہر معرکہ میں کفار کے ساتھ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ کافر
نیزوں پر یوں معلوم ہوتے تھے گویا کہ وہ قصاب کے
کمی طرح پڑے ہوئے ہیں۔

لفظی تشریح

يلقاهم کی میم کو اشباع کے ساتھ پڑھیں گے۔ المعتوك صیغہ مفعول کے ساتھ
بمعنی معرکہ حکاہ (حکایت) ہشاد ہونا۔ القنا، نیزہ۔ الوصم لکڑی کا ایسا پھٹتا
پر قصاب گوشت کاٹ کر رکھتا ہے تاکہ مشتری اس میں رغبت کرے۔

معنوی تشریح

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر معرکہ میدان اور مقام میں دشمنان اسلام سے جہاد کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کونیروں کی اٹیوں پر اس طرح مقتول چھوڑا کہ وہ اس گوشت کے مشابہ ہو رہے تھے جس کو آسمان سے معلق لکڑی پر گوشت رکھا ہوا ہے۔ تاکہ وہ دیکھتے والوں کے لیے عبرت ہو اور دل لگی کرنے والوں کے سامان تفریح ہو۔ اپنے ساتھیوں کو قصاب، سے تشبیہ دینا اور کفار کو غنم (بکریوں) سے یہ ہر شجاعت میں مبالغہ ہے۔ اور دشمنوں کے دلوں کے کمزور ہونے پر دلیل ہے۔

وَدُّوا الْفِرَارَ فَكَادُوا يُغِبُّونَ بِهِ
أَشْلَاءَ شَالَتْ مَعَ الْعُقَابِ وَالرَّحِمِ

(۱۲۰)

آرزو شان بدگریز و غیب بڑندے براں
عضو ہائے شاں پریدے با عقاب و با رحم

جنگ کی دہشت سے ان کو بھاگنا منظور تھا
آرزو رکھتے تھے کھالیں چیل و گدھ ان کا لحم

ترجمہ: انھوں نے بھاگنے کو پسند کیا پس وہ قریب تھے کہ وہ ان اعضا پر
زنسک کرتے جو عقاب اور دوسرے گوشت خور پرندے اپنے ساتھ اٹھا کر
لے گئے تھے۔

لفظی تشریح: الغیبة، نعمت عاص کرنے کا اس طرح ارادہ کرنا جب کہ

صاحبِ نعمت سے زوالِ نعمت کا قصد نہ ہو۔ اشلاء بروزن اشیاء جمع کسر ہے شلو کی
 بمعنی عضو۔ ثنالت بلند ہونا۔ عقبان جمع عقاب کی۔ الرخمة، پرندے کی ایک قسم۔ یہ
 دونوں قسم کے پرندے مردار پر آتے ہیں اور اس میں سے کھاتے ہیں۔ اور اس میں سے
 اپنے بچوں کے لیے بھی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔

معنوی تشریح

کفار نے اس سید ابرار اور سنداخیار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرار
 ہونے کی تمنا کی جس کی خدمت کرنے کی تمنا آزاد لوگ بھی کرتے ہیں۔ پس وہ کمالِ نفرت
 اور کمزوری کے باوجود وہ اس قدر قریب ہو گئے کہ وہ ایسی باتیں حاصل کرنے کی تمنا کرنے
 لگے ان اعضاء کو حاصل تھیں جن کو پرندے ان کو اٹھا کر ہوا میں لے گئے تاکہ وہ
 سید الانبیار اور صحابہ کرام کے ساتھ جنگ کرنے سے خلاصی پائیں جو کہ تمام اولیا کرام کے
 مردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔ امین!

تَمْضَى اللَّيَالِيَّ وَلَا يَدْرُونَ عِدَّتَهَا
 مَا لَمْ تَكُنْ عَنِ لَيْلَى الْأَشْهُرِ الْحُرْمِ

(۱۲۱)

پس شبے بگزشتہ آں را کس نہ دانستے عدو
 در غزا ہا چوں نہ بودے از شبِ ماہِ حرم

ڈر کے مارے یوں گزر جاتی تھیں راتیں بشمار
 ہاں بسوار راتوں کے جن کے ہیں مہینے محترم

ترجمہ: راتیں گزر جاتی تھیں اور کافر لوگ ان کی تعداد کو نہیں جانتے تھے جب تک کہ حرمت والے مہینوں کی راتیں نہ ہوتیں۔

مسنوی تشریح

راتیں اپنے دنوں سمیت گزر جاتی ہیں اور اوقات اپنی علامات کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن کفار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے برد آزما ہونے کی تکالیف پہنچنے کی وجہ سے راتوں کی تعداد سے بے خبر رہتے ہیں سوائے اشہر حرام کی راتوں کے۔ اشہر حرام چار ہیں، رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ کفار صرف ان چار مہینوں کو جانتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرمت والے مہینوں میں جنگ و جدال سے رک جاتے تھے۔

ناظم نے بجائے اوقات یا ایام کا ذکر کرنے کے راتوں کا ذکر کیا۔ اس میں ان کے تمام اوقات کے حال کے بڑے ہونے کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ رات کی تاریکی اور سیاہی اسی بات سے کنایہ ہے۔ یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب ان کی راتوں کا یہ عالم ہے جو کہ آرام اور استراحت کا وقت ہے تو پھر ان کے پریشان دنوں کا کیا عالم ہو گا جو کہ متنوع کدورتوں اور مختلف ضرورتوں کے باعث ان کے لیے تشویش کا سبب ہیں۔

(۱۲۲) كَانَمَا الدِّينُ ضَيْفٌ حَلَّ سَاحَتَهُمْ

بِكُلِّ قَدْرٍ إِلَى لَحْوِ الْعَدَى قَرِيرٍ

گو تیا دیں بود مہمانی کہ او آمد فرد

بر سر اسے آں کہ بد مشتاق لحم دشمنم

شکرِ اسلام تھا مہمان ان کے صحن میں
چاہتا تھا ہر نفس مل جائے دشمن کا لحم

ترجمہ: گویا بن اسلام ایسا مہمان تھا جو ہر کافر سردار کے گھر کے صحن میں اترا اور
رہمنوں کا گوشت کھانے میں بہت حریص تھا۔

لفظی تشریح

القَوْمُ سَرْدَار۔ القَوْمُ گوشت کی بہت زیادہ خواہش رکھنے والا۔

معنوی تشریح

کفار پر جو مصائب آتے اس کی وجہ ان کی کمزوری تھی۔ دین اسلام کی مثال ایک
ایسے بادشاہ کی ہے جو اپنے لشکر سمیت آیا۔ اور ہر شکر می اعداء کو کھانے میں
حریص ہے۔ اور دشمنوں کو نظروں میں بہت بہادر اور خوفناک ہے۔
بے شک کفار جس مصیبت میں واقع ہوتے وہ صرف اپنی کمزوری کی وجہ سے واقع ہوتے

کیونکہ دین اسلام

ایک بادشاہ کے مجھے کے ساتھ جس نے ایک مہمان کو اپنے گھر کے صحن میں چھوڑا۔
پس انھوں نے نہیں جانا کہ وہ کیا شے ہے اور سرگرداں رہے۔
اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دین ایک ایسی شے ہے جس کی خدمت
اس کے وصول کرنے کے لیے اور اس کے حضور حاضر ہونا اور حاصل کرنے کو غنیمت جاننا
ضروری ہے۔ ورنہ وہ ارباب کمال کے دلوں میں منتقل ہو جائے گا۔

اس میں اس بات ہے کہ ضمیر ضیف (مہمان) اور اہل ارتحال میں

سے ہے۔

يَجْرُ بِحَرَخْمَيْسٍ فَوْقَ سَابِحَةٍ
يَدْرِي بِمَوْجٍ مِّنَ الْاِبْطَالِ مُلْتَطِمٍ

میکشیدے بحر شکر جملہ بر اسپاں سوار
موج میزد از دلیرانے کہ رفتند سے ہم

تیز رو گھوڑوں پہ تھا وہ شکر دریا مثال
جنگ کے میدان میں موجیں لگاتا دم بم

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز رفتار سوار یوں پر سوار ایک شکر جبار سے
نکلے جس میں بہادر دریا میں ٹھاٹھیں مارنے والی موجوں کی مانند تھے۔

لفظی تشریح

الجر کھینچنا۔ الخمیس ایسا شکر جس کے پانچ ارکان ہوں؛ مقدمہ، ساقہ، قلب،
میمنہ اور میسرہ۔ شکر کو سمندر کے ساتھ تشبیہ، ہیبت، رفتار، ہلاکت اور چپک میں ہے۔
اور شکر بعض بعض پر میدان اور ہجیان میں موج مارتا ہے۔

بڑے بڑے شکر جنگ میں آپ کے حکم کے مطابق چلتے ہیں۔ اور آپ کے حکم
سے جنگ سے رک جاتے ہیں۔ (فوق سابعۃ) یہ بجر کی صفت ہے۔ یعنی
اونٹوں اور گھوڑوں پر چلنے والا گروہ ایسے ہی توہی بموج ہے۔ (یعنی یہ بھی بحر کی صفت
ہے۔ یہاں پر بار متعدی بنانے والی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں توہی بشو
توہی میں ضمیر بھی کی طرف یا خمیس کی طرف راجع ہے۔ سابعۃ کی طرف نہیں جیسا کہ

بعض کا وہم ہے۔ الموج سمندر کی وہ کیفیت جو تلاطم اور اضطراب کے نتیجہ میں حاصل ہو۔ من
یہاں پر بیان یہ ہے۔ ملتطم موج کی صفت ہے یعنی سمندر کا بعض شدت پہچان
کے ساتھ بعض کو مارنے والا ہے۔ الا لظاہر پہلوانوں کا ٹکرا جانا۔ مسابقت اور
ہتھیاروں کے ٹکراؤ کی ضد ہے۔ ابطال، بطل کی جمع بہا اور۔

معنوی تشریح

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شکر کی قیادت فرماتے تھے جو پانچ ارکان پر
مشتمل ہوتا اور جو سمندر کی موج کے مشابہ ہوتا۔ وہ شکر اور ہلاکتوں کے میدان میں داخل
ہونے والے گھوڑوں اور اوشنیوں پر سوار ہو کر چلتا ہے۔ یہ سواریاں تیز تکلیف کو قبول کرتی ہیں
میدان جنگ کے محل وقوع اور اوقات کی تدبیر کرتی ہیں اور زمانہ جنگ میں بوجہ اٹھا کر
(منزل مقصود) تک پہنچاتی ہیں۔ یہ لوگوں کا سمندر، سمندر تلاطم تیز موجیں مارتا ہے۔

مِنْ كُلِّ مُنْتَدِبٍ لِلَّهِ مُحْتَسِبٍ
يَسْطُو بِسُتَائِصِلٍ لِلْكَفْرِ مُصْطَلِمٍ

(۱۲۲)

جسد از بہر خدا در کار بودند و غنا
بیخ کفر از بن بکند نیست کردند آن شیم

اجر کی امید والے دعوتِ حق کے مرید
کفر کی بنیاد کو کرتے تھے بالکل کا عدم

ترجمہ: وہ نوجوان اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہیں اور ثواب کی امید کرتے ہیں ان میں

سے ہر ایک کفر کو ہلاک اور جڑ سے اکھیڑنے کے عزم سے حملہ کرتا ہے۔
لفظی تشریح

کہا جاتا ہے: مذہب، اس نے پکارا۔ انتدب اور اس سے جواب دیا۔ علامہ جلال الدین محلی نے فرمایا ہے کہ منتدب وال پر زبر کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے مدعو جیسے پکارا جاتے بس وہ غیر محل میں ہے۔ شیخ زکریا نے اس کو غریب جانا۔ جب کہ انھوں نے نعقب کے طور پر اس کی اتباع کی۔ قاموس میں ہے: ندبہ الی الہو اس کو پکارا۔ برا نگینتہ کیا اور اس کو اکیسا (وغیرہ معانی ہیں) اور انتدب اللہ لمن جزع فی سبیلہ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جزع کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا وغیرہ کو بخشش کے ساتھ قبول کیا۔ الاقتساب ثواب طلب کرنا۔ اور نیت حاصل کرنے میں کوشش کرنا۔ اور اخلاص اور اجر کا حساب حاصل کرنا۔

لہذا بعض نے کہا ہے کہ اس کا تعلق محتسب کے ساتھ ہے۔ اور واضح یہ بات ہے کہ اس کا تعلق منتدب کے ساتھ ہے، کیونکہ اس کے ساتھ اس کا مخصوص ہونا بدلیل احتساب ہے۔ بخلاف انتداب کے۔ اور اس میں تنازع کا بھی احتمال ہے۔
یسطو حملہ کرنا۔ استاصلہ۔ جڑ سے اکھیڑنا۔ اصطلم ہلاک کرنا۔ ”من محل“
یہ کلمہ یا تو من الابطال کا بدل ہے یا اس کا بیان ہے۔ اور یہی وجہ سب سے بہتر ہے۔
یہ شعر ان نوجوانوں کی بلند آرزوں اور قیمتی مقاصد کے وصف میں کہا گیا ہے جیسے کہ پہلا شعر تعداد کی کثرت اور افراد کی عمدگی اور مدد کی نجات و نہایت کے لحاظ سے جہنم کے وصف میں کہا گیا ہے۔

معنوی تشریح: وہ ماہر نوجوان، گمراہوں کے نوجوانوں میں موجود ہیں اور

وہ سب کامل رغبت کے ساتھ دعوت کو حقیقی طور پر قبول کرنے والا ہے اور شامِ ثواب کی وجہ سے اخلاص نیت کے ساتھ کوشش کرنے والا ہے۔ ہر ایک اللہ تعالیٰ کی قوت سے حملہ کرتا ہے اور چکر لگاتا ہے۔ وہ چکر لگاتا ہے اس طرح کہ ملتیں ہو کر کفر اور کفار کو بڑے سے اکھیرتا ہے اور جنگ کے ہتھیار تلوار اور نیزے کے آلات کے ساتھ باطل کو اس کی اصل و نسل سے ہلاک کرنے والا ہے۔

حَتَّىٰ غَدَتْ مِلَّةَ الْإِسْلَامِ وَهِيَ بِهِمْ
مِنْ بَعْدِ غُرْبَتِهَا مَوْصُولَةَ الرَّحِمِ

(۱۲۵)

تا قومی شد ملتِ اسلام از سعی ہمہ
دیں در اول بد غریب و شد در آخر محترم

دینِ حق یوں ان کے دم سے آخرت ظاہر ہوا
مل گئے بچھڑے ہوئے اور ہو گئی غربت بھی کم

ترجمہ: حتیٰ کہ ملتِ اسلامیہ اپنی اجنبیت (غربت) کے بعد اقربا سے مل گئی
حالانکہ وہ پہلے بھی انہیں میں سے تھی۔

لفظی تشریح

حتیٰ یہ حرفِ عجز کی غایت کے لیے ہے، (وہی بہم) یہ جملہ حالیہ ہے۔

اور موصولہ الرحم یہ غدت کی خبر ہے، الرحم بمعنی قرابت۔ صلہ الرحم
قریبی رشتہ داروں کی رعایت کرنا انعام دینے سے یا زیادہ عطا کرنے سے یا ان سے

کوئی عہد و پیمانہ کیا یا ان کو تلاش کیا (ان کا حال احوال دریافت کیا) یا ایسی کوئی چیز ان کو دی جس کی ان کو ضرورت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آپس میں صلہ رحمی کرو۔ اگرچہ سلام کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ من بعد۔ یہ غدت کے متعلق ہے۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اور چھوٹے لشکروں کو کھینچتے رہے۔ (قیادت فرماتے رہے)، اور گھوڑوں اور سواریوں سے سفر طے کرتے رہے، یہاں تک کہ ملتِ اسلام اس طرح ہو گئی کہ شدت جنگ اور بار بار کے حملے بھی ان کے درمیان مفارقت نہ کر سکے۔ حالانکہ وہ ملتِ اسلامیہ آپس میں ملتی ہیں۔ یہ امتِ کمزور اور اجنبی ہونے کے بعد صاحبِ شوکت اور مددگار بن گئی۔ اور یہ کہ غربت اور وصل سے مراد جو اس مقام کو لازم ہے وہ اہانت اور اکرام ہے۔

اس شعر میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: ”اسلام غریب ہو کر شروع ہوا۔ اور عنقریب غریب کی طرف لوٹ جائے گا۔ پس مبارک ہے غریب کے لیے“ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

یعنی اسلام آیا اور ایسی قوم کے درمیان ظاہر ہوا جو اس کو قائم نہیں رکھ سکتی تھی پس وہ (اس طرح) مقطوع الرحم تھی۔ پھر اسی کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: تو پھر انھوں نے صلہ رحمی کی۔ اور اس کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کیا۔

مَكْفُولَةٌ أَبَدًا مِنْهُمْ بِخَيْرٍ أَيْ
وَخَيْرٍ بَعْلٍ فَلَمْ تَيْتُمْ لَهُ تَعْبِيرٌ

(۱۲۶)

وین اڑایشاں یافت بہتر شوہر و بہتر پد
زاں نشد در بیوگی و ہم سن نداندریم

جیسے مل جائے کسی کو نیک شوہر اور پدر
بیوگی کا اور یتیمی کا اُسے پھر کیسا ہو غم

ترجمہ: (وہ ملت) کفار کے شر سے محفوظ ہوگئی یہ سبب بہترین باپ اور بہترین
خاندان کے پس اب (وہ ملت) نہ تو یتیم ہوگی اور نہ ہی بیوہ۔

معنوی تشریح

مکفولۃ یہ عدت کی دوسری خبر ہے۔ یا یہ مبتدأ مخذوف کی خبر ہے جو بھی ہے۔
مکفولۃ بمعنی محفوظ ہے۔ اس معنی کی صورت میں منہم میں جمع کی ضمیر کا مرجع کفار ہیں
یا بمعنی متکلفۃ اس صورت میں ضمیر نیک نوجوان (ابطال ابرار) کی طرف راجع ہے۔
ایک نسخہ میں منہم کی بجائے منہ (یعنی جمع کی بجائے واحد کی ضمیر ہے) ہے
پس ایسی صورت میں ضمیر نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ اب اور یعل
سے ناظم قصیدہ کی مراد سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کے بعد خلفاء راشدین
ہیں۔ ان کے بعد علماء مجتہدین اور امرائے مجاہدین مراد ہیں۔ کہا جاتا ہے: یتیم الولد
جب کہ بچے کا والد فوت ہو جائے اور وہ چھوٹا ہو۔ اور آمت المرؤۃ سے فعل
مضارع یتیم۔ جیسے باع یبیع باب ضرب یضرب۔ جب وہ عورت، اپنے
خاندان سے چھوٹ جاتے۔ ناظم نے جو ابداً کہا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف
اشارہ ہے کہ یہ نسخہ اور تبدیل سے محفوظ ہے۔

معنوی تشریح

ملت اسلامیہ محفوظ ہو گئی۔ پس اللہ کی کفالت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ اس طرح کہ ایک مشفق مربی اس کو اپنی فیصل اور ایک نرمی کرنے والا قائم رہنے والا اپنی حمایت میں رکھے گا بلکہ وہ ہمیشہ اولی الامر اور اولو العلم جو کہ اصحاب عدل، کرم اور علم ہیں ان کے ساتھ مربوط ہیں اور جلیل بادشاہ، (اللہ تعالیٰ) کی حمایت کے ساتھ محفوظ ہے۔ پس بہترین کفیل اور بہترین وکیل ہے۔

هُمُ الْجِبَالُ فَسَلَّ عَنْهُمْ مَصَادِمُهُمْ
مَا ذَا رَأَى مِنْهُمْ فِي كُلِّ مَصْطَلَمٍ

(۱۲۷)

کوہ ہا بوند ازاں کو در نبر و آمد بہ پرس
تا بگویند آنچه دیدند از ایشان در صدم

تھے وہ مثل کوہ پوچھو دشمنوں سے ان کا حال
کچھ اگر دیکھا ہے ان کو شامل جنگ و صدم

ترجمہ: "شکر ثبات و وقار میں، پہاڑ ہیں۔ ان سے ٹکرانے والوں کا حال
کافروں سے پوچھو کہ انھوں نے مسلمانوں سے ٹکرا کر ہر معرکہ میں ان سے کیا دیکھا۔"

لفظی تشریح

ہم الجبال یہ تشبیہ بلیغ کی قسم میں سے ہے۔ جیسے زید الاسد میں ہے

اس میں وجہ تشبہ ثابت قدمی، (بغیر کسی قرار کے فرار ہونا)، صلابت عظمت، معدنی ہبہ،

مصادمت و متعارضت ہے۔ مصطدم یہ مصدر ہے یا اسم مکان یا زمان ہے۔ ماذا
رأوا بدل ہے۔

معنوی تشریح

شعر میں منہر بالا شباع پڑھا جائے گا۔ فصل میں فاء شرط محذوفہ کا
جواب ہے۔ اس کی تقریروں سے، ان کو تصدقنی فاسئل عنہم۔ اگر تو میری
تصدیق نہیں کرتا تو ان سے پوچھ لے ان کا کرنا۔ کیونکہ پہاڑ سے گرنے والا ٹکرانے والا ٹوٹ
جاتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے یا پیچھے رہ جاتا ہے تو فوراً شکست کھا جاتا ہے۔ ان (کفار) سے
پوچھو کہ انھوں نے کیسے مردوں کو دیکھا؟ یعنی شدت و صبر میں، محنت و شکر میں
ہر حرکت اور حرکت کے زمانہ میں وہ جیالے نوجوانوں ہیں۔

ایک نسخہ میں مصادم میم کے فتح کے ساتھ اور ماذا رأی بصیغہ مفرد ہے، تو اس
صورت میں مصادم معنی مواضع حرب (جنگ کی جگہیں) ہے۔ اور رأی بصیغہ مفرد کا معنی
ہوگا ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی جگہوں کو دیکھ لیا۔ اور یہی زیادہ مناسب ہے۔
اگلا شعر عطف تفسیری کے طریقہ پر ہے۔ یا وہ از قبیل عطف الخاص علی العام ہے۔

فَسَلُّ حَيْنًا وَسَلُّ بَدْرًا وَسَلُّ حَدًّا
فُصُولَ حَتْفٍ لَّهُمْ أَدْهَى مِنَ الْوُخْمِ

(۱۲۸)

از حین و بدر و بگر از احد میسکن سوال
تا بخوانند فصلہائے مرگ ادہی از و خم

پوچھ لو بدر وحنین واحد سے بھی ان کا حال
موت کے اقسام ہرگز تھے وہا سے کچھ نہ کم

ترجمہ : غزوہ حنین، غزوہ بدر اور غزوہ احد کے مقالات (ان کا، حال پوچھو جبکہ)
کافروں کے لیے موت کی ایسی فصلیں موجود تھیں جو ان کے لیے وہا سے
بھی زیادہ اذیت ناک تھیں۔

لفظی تشریح

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے۔ بدر مکہ اور مدینہ کے
درمیان ایک جگہ ہے۔ اُحد مدینہ منورہ کے قریب ایک پہاڑ ہے۔ فصول بدل
ہے یا خبر مبتدا محذوف کی ہے۔

معنوی تشریح

ان جگہوں کے متعلق ان لوگوں سے پوچھو جو اس زمانہ کے واقعات پر مطلع ہوئے،
کیونکہ ان زمانوں میں دشمنوں کو مختلف قسم کی ہلاکتیں اور مصیبتیں جو کہ وہا سے بھی زیادہ
سخت تھیں، پائی گئیں۔

ان غزوات کی تفصیل سیر کی کتابوں میں مسطور ہے اور بعض تفسیر کی کتابوں میں
بھی مذکور ہے بعض نے کہا ہے کہ احد کا ذکر نامناسب ہے، کیونکہ اس میں شکست بھی
مذکور ہے، تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ بہادری تو شکست کے وقت ثابت قدمی اور تحفظ
کی وجہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اور مسلمانوں کا حال کفار کے حال سے زیادہ قوی ہے، کیونکہ
بعض ہزیمت (میں مسلمان) ثابت قدم رہے۔ یہاں تک کہ کفار خائب و خاسر اپنے شہر

کو لوٹ گئے۔ اور وہ

اللہ تعالیٰ کی مدد سے قادر نہ ہوتے۔ اور یہ بہتر ہے کہ یوں کہا جاتے۔ اگرچہ وہ مسلمان ابتدا میں غالب آگئے تھے۔ پھر وہ اپنے غنائم میں متفرق ہو گئے۔ اور مسلمانوں نے مراکز اور قرار کی جگہوں کو چھوڑ دیا، تو کفار نے فرار کے بعد داؤ حیلہ کیا۔ اور وہ پیچھے سے داخل ہو گئے تو قتال واقع ہوا سو ہوا۔

اس کے باوجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تحفظ کے ساتھ ثابت قدم رکھا۔ اور ان کے استیصال سے خلاصی دی، تو اس طرح غلبہ اولاً آخراً، ظاہر و باطناً مسلمانوں ہی کا ہے۔ الحمد للہ علی ذالک۔

المصدری البیض حمراً بعد ما وردت
من العدی کل مسودٍ من اللہم

(۱۲۹)

سرخ کر دندے بخون دشمنان شمشیر را
پھول فروش در سیاہی ہر سر مو از لمم

یوں سپیدی سُرخ رونی سے بدل جاتی تھی سب
زخم کھا کر جب ہوا کرتے تھے ان کے سر قلم

ترجمہ: وہ نوجوان مسلمان چمکدار سفید تلواروں کو دشمنوں کے خون کے گھات میں،

ان کے خون سے سرخ کرنے والے تھے۔ وہ دشمن جن کی کنپٹیاں سیاہ تھیں

یعنی وہ جوان تھے۔

لفظی تشریح

اصدر گھات سے نکالنا۔ اورد داخل کرنا۔ ورد داخل ہونا۔ مصدر یہ ہے۔
 مصدری بیض کی طرف مضاف ہے۔ اس وجہ سے اس کا لون ساقط ہو گیا۔ (اصل میں جمع
 مذکر سالم اسم فاعل کا صیغہ تھا)۔ اور وہ بتقدیر مدح منسوب ہے۔ البیض صیقل شدہ
 تلواریں۔ اس کو نسب پڑھنا بھی جائز ہے جیسے پڑھا گیا۔ والمقیصی الصلوۃ لون کو برائے
 تخفیف حذف کیا گیا۔ حمرا۔ یہ بیض سے مال واقع ہو رہا ہے۔ یعنی خون کے ساتھ آلودہ ہیں
 من العدی یہ ومن البیض سے مال ہے۔ اور یہ وردت کا مفعول ہے۔ ومن
 اللہم یہ مسود کا بیان ہے۔ لہم جمع لہمۃ کی ہے۔ وہ بال جو کندھے تک لٹکے ہوتے ہیں
 اور مراد ان کے اگنے کی جگہ ہے۔

معنوی تشریح

اس شعر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کفار میں سے جو مقتول ہیں۔ ان میں سے
 اکثر نوجوان ہیں۔

وَالْكَاتِبِينَ بِسْمِ الْخَطِّ مَا تَرَكَتْ
 أَقْلَامُهُمْ حَرْفَ جِسْمٍ غَيْرِ مُنْعَجِمٍ

(۱۳۰)

میں نوشتندے بہ نیزہ خطِ سرخی بر بدن
 حرف جسمے بے نقط نہ نوشتہ بودے از قلم
 دشمنوں کے جسم کو بے زخم چھوڑا ہی نہیں
 کار فرما اس طرح تھے ان کے نیزوں کے قلم

ترجمہ: وہ مسلمان گندم گوں رنگ کے نیزوں کے ساتھ کھنے والے تھے اور ان کے قلموں نے جسم کا کوئی حصہ بغیر کسی نشان کے نہیں چھوڑا۔

لفظی تشریح

الکاتبین المصدر می پر عطف ہے یعنی گندم گوں نیزوں کے ساتھ سرکش کرنے والے۔ وہ نیزے ہیں۔ سہی جمع ہے اسم کی۔ سہی اس کا ایک درخت ہے بعض نے کہا کہ سمریامہ میں ایک جگہ کا نام ہے، جہاں ہند سے سامان ضرورت سے جایا جاتا ہے و ما ترکت اقلامہم اقلام سے مراد ان کے تیر اور نیزے ہیں۔ حرف جسو کفار کے جسم کا ایک حصہ۔ غیر منجم بغیر کسی نشان کے۔ غیر بطور حرف کی صفت کے منصوب ہے۔ اور غیر مجبور ہونے کی صورت میں جسم کی صفت ہے۔ جملہ منفیہ (ما ترکت معجہ) اقلامہا کی روایت کے مطابق سمر الخط سے حال ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ نیا جملہ ہو اور ما موصولہ مع اپنے صلہ الکاتبین کا موصول ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے۔

معنوی تشریح

ان دونوں شعروں میں عبارت و اشارت کے لطائف و ظرائف محضی نہیں ہیں۔ ان کا معنی یہ ہے کہ اہل عقل و دانش صحابہ کرام اپنی سفید تلواریں دشمنوں کے سروں پر مارتے ہیں اور ان کے خون سے سرخ رنگ دے کر ان تلواروں کو نکال لیتے ہیں۔ اور نہ ٹوٹنے والے نیزوں کے قلموں سے ان کے چہروں کے اوراق پر ان کی نامرادی ان ہی کے سرخ خون سے رقم کرتے ہیں۔ اور ان قلموں کی تحریر سے کوئی جسم اور بال اگنے کی جگہ محفوظ نہیں رہ جاتی۔

شَاكِي السِّلَاحِ لَهُ سِيمًا تُمَيِّزُهُمْ
وَالْوَرْدُ يُمْتَازُ بِالسِّيَمَا مِنْ السَّلَمِ

(۱۳۱)

اں کماں سنبھاں کہ سیماشاں بریں ممتاز بود
گل بزنگ و مومے خود مست از گرد از سلم

گو مسلح تھے مگر رکھتے تھے سجدے کے نشان
تھے صحابہ مثل گل کفار مانند سلم

ترجمہ: مسلمان ہتھیاروں سے لیس ایسی امتیازی نشان کے مالک تھے جیسے گلاب
بہول کے درخت سے ممتاز ہوتا ہے۔

لفظی تشریح: المصْدَرِي البَيْضِ موصوف اور شَاكِي السِّلَاحِ صفت ہے،
یا اول الذکر مبدل منہ اور مؤخر الذکر بدل ہے، یا اول الذکر ذوالحال اور مؤخر الذکر حال ہے
یہ المشوكة سے قلب کر کے اسم فاعل بنایا گیا ہے۔ السِّيَمَا علامت، السَّلَمُ بہول جو
کہ گلاب کے مشابہ ہوتا ہے۔ لیکن گلاب کا حسن منظر اور خوشبو اسے بہول سے ممتاز کر
دیتی ہے۔

معنوی تشریح

مسلح، طاقتور اور بہادر اور نیک سیرت مسلمان کفار کے مقابلے میں بڑے سخت
لیکن آپس میں ایثار پیشہ، متواضع، کریم اور رحمدل ہوتے ہیں۔ ان کے احباب ان کی عمدہ
نشانیوں سے انھیں اعداء سے ممتاز کر لیتے ہیں جیسے گلاب بہول سے ممتاز ہوتا ہے۔

خداوند قدوس فرماتا ہے:

سَيَأْخُذُ فِي وَجْهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ (ان کی نشانی ان کے

چہروں میں سجدوں کے اثرات ہیں۔)

تُهْدِي إِلَيْكَ رِيَّاحُ النَّصْرِ نَشْرَهُمْ
فَتَحْسَبُ الرَّهْرَ فِي الْأَكْبَامِ كُلِّ كَمَى

(۱۳۲)

میرساند باد نصرت بر تو بولے سعیِ شاہ
چوں بہار اندر سر غنچہ بود ثابت قدم

بوتے نصرت جب صبالا تے تو یہ سمجھے گا تو!
مثل غنچوں کے غلافوں میں تھے وہ عالی ہمم!

ترجمہ: فتح و نصرت کی ہوا میں ان کی خوشبو تھو تھو تک اس انداز میں پہنچاتی ہیں کہ تو
ان میں سے ہرزہ پوش بہادر کو غلافوں میں شکوفہ گمان کرنے لگتا ہے۔

لفظی تشریح

نَشْرُهُمْ کے معنی کے ضمے کو بالاشباع پڑھا گیا ہے۔ تَحْسِبُ اور تَحْسَبُ دونوں

درست ہے۔ أَلِهْدَاؤُ ہدایہ ارسال کرنا ہے۔ رِيَّاحُ النَّصْرِ سے مراد اس کی برکات

اور ثمرات ہیں بعض اوقات ریح سے مراد مصائب بھی ہوتے ہیں شاعر کہتا ہے۔

أَذَاهَبَتْ رِيَا حُكَّ فَاغْتَنِمَهَا
فَعَقَّبِي كُلَّ عَا صِفَةٍ سَكُونُ

جب تجھ پر مصائب آئیں تو انھیں غنیمت جان کیونکہ ہر آندھی کا انجام سکون ہوتا ہے۔

اور لَشْرُهُمْ سے مراد ان کی عمدہ خبریں ہیں۔ اَلْكَاهُ جمع كَهْمٌ کی ہے یعنی غلاف۔ کئی شجہ - اس کو کچھ ضرورت شعری کی وجہ سے کر دیا گیا ہے۔ فتحسب الزهر تشبیہ مقلوب ہے یعنی تو ہر ایک ذرہ پوش بہادر کو غلاف کے اندر پھول گمان کرے گا۔

معنوی تشریح

اس شعر میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے جب بھی تجھے ہوا میں خوشبو محسوس ہو تو جان لے کہ یہ ان کی طرف سے آنے والی ہوا ہے۔ کل کھی کو تحسب کا مفعول اول اور ما قبل کو مفعول ثانی بھی کہا گیا ہے وہ پھول جو غلاف کے اندر ہو وہ بہت حسین اور اس کی خوشبو بہت عمدہ ہوتی ہے۔

كَأَنَّهُمْ فِي ظُهُورِ الْخَيْلِ نَبَتْ رُبًّا
مِنْ شَدَّةِ الْحَزْمِ لَا مِنْ شِدَّةِ الْحَزْمِ

۱۳۳

گوئیابر پشتِ اسپاں چوں درختِ پشتہ کوہ
ز استواری بود در دین نہ ز کثرت درسم
تھے وہ گھوڑوں پر سوار ایسے کہ ٹیلوں پر درخت
زین کی پروانہ تھی ان شہسواروں کو بہم

ترجمہ: مسلمان شہسوار گھوڑوں پر ایسے جم کر بیٹھتے ہیں جیسے ٹیلے پر
گھاس۔ اس کی وجہ ان کا فن شہسواری میں طاق ہونا ہے نہ کہ تنگ کا خوب
کسے ہوتے ہونا ہے۔

لفظی تشریح

الرَّبَابَا - رِبْوَةٌ کی جمع ہے یعنی ٹیلے۔ شِدَّةُ الْحَزْمِ - شدت احتیاط اور
قوت ثبات۔ الْحَزْمِ - حِزَامٌ کی جمع ہے جس سے زین وغیرہ باندھی جاتی ہے یعنی
تنگ۔

معنوی تشریح

ٹیلے کی گھاس کی جڑیں پانی تک گہری ہوتی ہیں اس لیے وہ گھاس ٹیلے پر بڑھی مضبوطی
سے قائم رہتی ہے۔ ناظم نے مجاہدین اسلام کے گھوڑوں پر جم کر بیٹھنے کو ٹیلے کی گھاس
سے تشبیہ دی ہے۔ اور اس غلط فہمی کا ازالہ بھی کر دیا کہ ایسا تنگ کے خوب کسے ہوتے
ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی وجہ فن شہسواری میں ان کی مہارت ہے۔

طَارَتْ قُلُوبُ الْعِدَى مِنْ بَأْسِهِمْ فَرَقًا
فَمَا تَفَرَّقُ بَيْنَ الْبُهْمِ وَالْبُهْمِ

(۱۳۲)

لہزہ بردہا تے کفار اوقت اواز ترس نشاں
چار پائے و آدمی نشناختند از ترس و غم

ہوش غائب تھے عدو کے سختیوں جنگ کی
فرق کر سکتے نہیں تھے سورما ہے یا غنم

ترجمہ: دشمنوں کے دل مسلمانوں کی بہادری کی وجہ سے نہایت خوفزدہ ہوتے۔
پس وہ (دل) انسان اور چار پائے کے درمیان کوئی فرق نہیں کر پاتے تھے۔

لفظی تشریح

فَرَقًا بِلَفْتَيْنِ. از روئے خوف اور گھبراہٹ کے۔ طیران کی جو نسبت قلوب کی طرف
ہے یہ کلمہ اس کی تمیز ہے۔ اَلْبَهْمُ بار پر زبرا اور صَا پر جزم۔ یہ بَهْمَةٌ کی جمع ہے۔ وہ
بکری کے بچے کو کہتے ہیں۔ مراد چوپائے۔ اَلْبَهْمُ بار پر پیش پر ہا پر زبرا۔ جمع بَهْمَةٌ
کی۔ ضمہ اور سکون کے ساتھ۔ یعنی بہادر۔

معنوی تشریح

دشمنوں کے دل مضطرب ہو گئے۔ اور جنگ میں مسلمانوں کی بہادری (سختی) کی
وجہ سے خالی ہو گئے۔ یہاں تک کہ مذکورین کے درمیان کوئی تمیز نہیں کی جاسکتی۔
اور نہ ہی مسطورین کے درمیان کوئی فرق کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ان کی نظر صرف ظاہر پر

محصور ہے۔ وہ (ظاہری) گندگی اور طہارت کو جانتے ہیں۔ البتہ مسلمانوں کی نظر ٹبری باریک بین ہے جو مناسب معنی کے ساتھ مقرون ہے۔ وہ حق و باطل میں فرق کرتے ہیں، اور حق پرست اور باطل پرست کے درمیان تمیز کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَسَمَدُ** آپس میں برابر نہیں ہیں اگرچہ وہ دونوں حیوان کی نظر میں ظاہر ہے کہ وہ دونوں مساوی ہیں۔ یہ فرات کا پانی میٹھا ہے اور دوسرا سخت نمکین ہے پس جس نے چکھا نہیں وہ جانتا نہیں۔ اور جو جانتا نہیں وہ اعتراف کس طرح کرے۔

وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُولِ اللَّهِ نُصْرَتُهُ
 ۱۳۵
 اِنْ تَلَقَّهٗ الْاَسَدُ فِى اَجَامِهَاتِجِمِ

میر کہ اور از رسول اللہ نصرت آمدہ
 شیر اگر بروے رسد از ترس او آید بہم

ہو مدد جس کو رسول سید لولاک کی!
 شیر بھی ان کو ملے جنگل میں گرماے نہ دم

ترجمہ: جس کے ساتھ رسول اللہ کی مدد شامل ہو، اگر اس کو شیر اپنی کچھاروں
 میں ملیں تو اطاعت کریں۔

لفظی تشریح

النصرة مصدر مبنی للمفعول ہے۔ الْاَسَدُ ہمزہ پر پیش اور سین ساکن۔ جمع اسد کی الاجام

جمع اجمة۔ وہ جگہ جہاں سرکنڈے بہت زیادہ ہوں۔ تجم۔ تا پر فتح اور ہم پر

کسرہ۔ یہ وجہ سے مشتق ہے۔ بمعنی خاموش ہونا جب بھی شکست کھاتے۔ دوسری شرط اور اس کا جواب مل کر دونوں پہلی شرط کا جواب ہے۔ یہ تو الی شرطین والا مشہور مسئلہ نہیں ہے کیونکہ ان میں دوسری شرط پہلی کا حال ہے اور جواب اسی کا ہے۔ جیسے ان جِئْتَنِي ان تادبت اکرمت تو اصل میں ہے: ان جِئْتَنِي متأدباً اکرمتک۔ یعنی اگر تم میرے پاس مؤدب ہو کر آتے تو میں تمہاری عزت کروں گا۔ اور تأدب کا، آنے سے مقدم ہونا ضروری ہے۔ تاکہ آمد کے ساتھ اس کی مقارنت متحقق ہو جاتے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: میری نصیحت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی اگر میں تمہیں نصیحت کروں جب کہ اللہ تعالیٰ تمہیں گمراہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

معنوی تشریح

جس کو دشمنوں کے ساتھ جنگ میں نصرت، اعانت، اور قوت سید الاحباب (اہل محبت کے سردار یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی وساطت سے حاصل ہو، تو اگر ایسے انسان کو تمام شیر اپنی بولان گاہ جس کو کچھار کہتے ہیں۔ اور شیر ویسے بھی بہادری اور ہیبت ناکی میں مشہور ہیں، مل جاتیں، حالانکہ وہ شیر اپنی اپنی کچھاروں میں بڑے جرمی ہوتے ہیں۔ (لیکن جب وہ ایسے فرد کو ملتے ہیں جس کو رسول اللہ کی تائید اور نصرت حاصل ہو، تو وہ اپنے حال پر پرسکون ہو جاتے ہیں اور انجام کے خوف سے حرکت بھی نہیں کرتے۔

اس شعر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جو صحیح السنۃ نے شرح السنۃ میں حضرت ابن المنکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: ”حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا روم کی سرزمین میں شکر سے (اتفاقاً) جدا ہو گئے یا قید کر لئے گئے تھے تو شکر کو تلاش کرتے ہوئے بھاگ نکلے تو اچانک راستے میں ایک شیر ملا۔ شیر حملہ کیا ہی چاہتا تھا کہ، حضرت

سفینہ بولے، اے ابوالحارث! (شیر کی کنیت ہے) میں رسول اللہ کا غلام ہوں اور میرا یہ معاملہ ہے، تو شیر (خادمانہ انداز میں) آگے آیا اور ان کے پہلو میں کھڑا ہو گیا اور جب بھی کوئی آواز سنا تو اس طرف چھٹتا۔ پھر واپس آیا اور ان کے پہلو پہ پہلو چلنے لگا، یہاں تک کہ آپ شکر تک پہنچ گئے۔ پھر شیر واپس آ گیا۔
صاحب مشکوٰۃ نے اس حدیث کو باب الکرامات میں ذکر کیا۔

وَلَنْ تَرَىٰ مِنْ وَّلِيٍّ غَيْرٍ مُنْتَصِرٍ
بِهِ وَلَا مِنْ عَدُوٍّ غَيْرٍ مُنْقَصِمٍ

۱۳۷

دوست تائش را نہ بینی غیر منصور و عزیز
ہم نہ بینی دشمنش جز خار بگستہ بسم

دوست ان کا ہونہیں سکتا ہے محرم مدد
اور ذلیل و خوار ہوگا دشمن شاہِ اُمم

ترجمہ: تو ہرگز حضور کے کسی ساتھی کو غیر منصور نہیں دیکھے گا۔ اور نہ آپ کا کوئی
دشمن ایسا دیکھے گا جو عاجز نہ ہو۔

لفظی تشریح

من دونوں جگہوں میں زائد ہے۔ بہ کی ضمیر رسول اللہ کی طرف ہے الانقصاص
قاف کے ساتھ ایک روایت میں ہے۔ بمعنی انکساری و عاجزی ہے جو انقصاص سے
بڑھ کر ہے یعنی انکساری بمع جدائی۔ اور غیر دونوں جگہوں میں مجبور بطور و صفت کے ہے

اور منصوب بطور تری کا مفعول ثانی ہونے کے ہے۔ اس طرح کہ رویت سے رویت
قلبی مراد ہو۔ اور مرفوع اس صورت میں غیر خبر مبتدا محذوف کی واقع ہو جو کہ ہو ہے۔

معنوی تشریح

تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ساتھی بھی بہرگز ایسا نظر نہیں آئے گا جو غیر منصوب
ہو۔ اور کوئی ایسا دشمن تمہیں نظر نہیں آئے وہ جو حالت دشمنی میں عاجز اور مقہور نہ ہو۔ بلکہ حضور
کا ہر دوست غالب اور آپ کا ہر دشمن عاجز ہے۔

أَحَلَّ أُمَّتَهُ فِي حِرْزِ مِلَّتِهِ
كَاللَّيْتِ حَلَّ مَعَ الْأَشْبَالِ فِي أَجْمِ

(۱۳۸)

امت خود را نشاندہ در حصہ ملتش
بچوں شیرے کو بود با بچگاں اندر اجم

اپنی ملت سے کیا محفوظ اُمت کو تمام
جس طرح جنگل میں رکھے شیر بچوں کو بہم

ترجمہ: آپ نے اپنی امت کو اپنی ملت کے قلعہ میں اتارا۔ جیسے شیر اپنے
بچوں کو لے کر یہستان میں اترے۔

لفظی تشریح

الاحلال اتارنا۔ اشبال جمع شبلی کی شیر کا بچہ۔ الاجم شیروں کے غائب
ہونے کی جگہوں کے لیے جنس ہے۔ اس کا واحد اجمۃ ہے۔

حضور سرور کائنات نے اپنی امتِ مرحومہ کو ملتِ معصومہ کے قلعہ میں آنا جیسے کہ شیر اپنی اولاد سمیت محفوظ کچھار میں اتر پڑتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ملتِ امت کے لیے قلعے کی مانند ہے جس نے اس کو ملجا بنایا وہ آفات سے بچ گیا۔ اور اس سے منعطف ہو گیا اس نے مصیبتوں کو پھیرا جیسے کہ حدیثِ قدسی میں وارد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو میرے قلعے میں داخل ہو گیا۔ وہ میرے عذاب سے مامون ہو گیا۔

دوسرے مصرع میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمالِ شفقت، رحمت، تادیب اور تعلیم کے باعث اپنی امت کے لیے بمنزلہ ان کے باپ کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، النبی اولی... النبی مسلمانوں کی جانوں سے بھی ان کے زیادہ قریب (یا بلند مرتبہ) ہے ان کی ازواج مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ ایک شاذ قرأت میں ہو اب للہ۔ (وہ مسلمانوں کے باپ ہیں)۔

كَمْ جَدَلْتُ كَلِمَاتُ اللَّهِ مِنْ جَدَلٍ
فِيهِ وَكَمْ خَصَمَ الْبُرْهَانَ مِنْ خَصِمٍ

۱۳۹

مہر کہ باقرآن بہ جنگ آمد بنفیکت ش بنجاک
گفت گوتے منکر از برهان او گشتت کم
بارہا قرآن نے دشمن کو نیچا کر دیا
اور ویلوں نے بھی سہر کو کر دیا دشمن کے خم

ترجمہ: کلمات اللہ نے آپ کی شان میں بہت جھگڑا کرنے والے سے جنگ کی اور کثیر مرتبہ خصم کے ساتھ خصومت کرنے میں غالب آئے۔
لفظی تشریح

کہ خبر یہ ہے۔ جدالت تشدید کے ساتھ۔ جدال پر واقع کرنا۔ فیہ کی ہا کو اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ اور یہ ضمیر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ نَحْصَمُ نصوصت میں غالب آنا۔ یہ نَحْصَمْتُ زیداً نَحْصَمْتُهُ (میں نے زید سے نصوصت کی اور غالب ہا سے مشتق ہے۔ الجدل اور الخصم عین کلمہ کے کسرہ کے ساتھ مبالغہ کا صیغہ مہملہ کا اور یہ دونوں مفعول ہیں۔ ان پر من زائدہ ہے۔

معنوی تشریح

کثیر مرتبہ اللہ تعالیٰ کی آیات و بیانات کے کلمات نے (مخالف کے دلائل کو قطع کیا اور غالب آئے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار نبوت اور اشعار رسالت کے لیے معارضہ کرنے میں وہ آیات یا کلمات مجادلہ اور مجاہدہ کرنے میں پیش پیش ہیں۔ کتنی ایسی کرامات ہیں جنہوں نے واضح دلائل اور ظاہر معجزات کو لازم کیا۔ جو معاملات میں شدید خصومت کرتے ہیں۔

كَفَاكَ بِالْعِلْمِ فِي الْأُمِّيِّ مُعْجَزَةٌ
فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالنَّادِيَةِ فِي الْيَتِيمِ

(۱۴۰)

ایں قدر از معجزہ کافی کہ پیش از وحی او
امی ہر علم بود و پرہیز اندر یتیم

ہو کے امی تھے وہ عالم ہے یہ کافی معجزہ
جاہلیت اور تمیمی میں ادیب ذی حکم

ترجمہ: تجھ کو بطور معجزہ یہی بات کافی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں امی کے پاس علم
ہے اور تمیمی کی حالت میں اس کے پاس ادب ہے۔

لفظی تشریح

بازائدہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے قول و کفی باللہ شہیداً میں ہے۔ العلم
پر الف لام جنس کے لیے ہے۔ اس سے مراد فرد کامل ہے۔ الْأُمِّيُّ - اُمِّيُّ دماں، کی طرف
منسوب ہے۔ وہ ایسا آدمی جس نے باپ کی تربیت نہ پائی ہو یا اس لیے کہ وہ اسی صفت پر
موجود ہے جس پر وہ اپنی ماں کے پیٹ سے خارج ہو یا لکھنا پڑھنا نہ سیکھنے کو اُمِّيُّ کہتے ہیں
یا اس لیے اُمِّيُّ کہتے ہیں کہ اس کو ام العرب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ ایسی قوم ہے
جن پر حساب و کتاب کی عدم معرفت غالب ہے۔

التادیب یہ مجہول کا مصدر ہے اور العلم پر معطوف ہے۔ الیتیم مصدر ہے
اور وہ معنی یتیم ہے۔ جیسے عدل یعنی عادل۔ (جیسا کہ فی الامی کے بعد معجزہ کا کلمہ کہا گیا ہے۔
ایسے ہی فی الیتیم کے بعد بھی اس کا ذکر کیا جانا چاہتے تھے) مگر دوسری جگہ یتیم کے بعد معجزہ
کا کلمہ ترک کر دیا گیا، کیونکہ وہ امر جو خارق عادت ہو

معجزہ سے مراد محض وہ امر جو خارق عادت ہو۔ اگرچہ علماء نے اس کے ساتھ
چیلنج کے اقرآن کا بھی اعتبار کیا، تحدی ایسے دعویٰ رسالت کو کہتے ہیں کہ جن میں
رسول کو بھیجا گیا ہے ان کے معارضہ نہ ہو۔

معنوی تشریح

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات بہت زیادہ ہیں شمار نہیں کئے جا سکتے۔ اور آپ کے خوارقِ عادات مشہور ہیں جو کہ مخفی نہیں۔ اے مخاطب اگر تو بصیرت اور ہدایت حاصل کرنے والی آنکھ سے دیکھے اور اپنی آنکھ کو نورِ توفیق کا سرمہ لگائے تو تم حضور کی ذاتِ شریفہ کو اعلیٰ صفات کے ساتھ خارقِ عادت ربانیہ کا محل اور معجزات سبحانیہ کا منظر دیکھے گا۔ اے طالب! تمہیں حضور کے معجزات سے یہی کافی ہے۔ اور حضور کی خرقِ عادات سے جو آپ کی کمالِ کرامات پر دلالت کرتا ہے یہی بہت ہے کہ آپ کے پاس ایسا علم ہے جو اصول و فروع پر مشتمل ہے اور جو معقول و مسوع کو محیط ہے۔ یہ علم ایسے آدمی کے پاس ہے جس نے علماء سے علم سیکھا نہیں۔ اور بیوقوفوں اور جاہلوں کی کثرت کے زمانہ میں ادیبوں کے ساتھ لکھا نہیں جب کہ اس زمانہ میں سابقِ شرع کی تحریف ہو گئی۔ اور لاحق ہونے والی وحی بدل گئی۔

یوں ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہترین عادات سے متوہب ہونا اور اس کو کمالِ طور پر اپنے متمیمی، بچپنِ اولینِ تخلیق اور فطرت کی حالت میں، محنت کے ساتھ حاصل نہ کرنے کے باوجود تجھے کافی ہیں۔ بلکہ یہ سخاوتِ الہیہ کا فیضان ہے کہ بتوں سے آپ میں عداوت پیدا کر دی گئی۔ بمعصیت سے آپ کو متنفر کر دیا گیا اور ایمان کو ان کا محبوب بنایا۔ عرفان ان کے سپرد کیا گیا۔ اور آپ مقامِ احسان تک پہنچ گئے۔ یہی معنی ہے حضور کے اس قول کا کہ حضور نے فرمایا: میرے رب نے مجھے ادب و علم سکھایا اور میری بہترین کارکردگی ظاہر ہوئی۔ بعض نے کہا کہ اصل عبارت یوں ہے: میرا رب میرے ہر ایک پالنے والے سے کافی ہے۔

خَدَمْتَهُ بِمَدِيحٍ اسْتَقِيلُ بِهِ
ذُنُوبَ عَمْرِ قَمَضَى فِي الشُّعْرِ وَالْخَدَمِ

۱۲۱

خدا کی خدمت کر دے تاکہ اپنے گناہوں کو
زائل کرے اور عمر کو مضیٰق سے بچائے اور خدمت

نعت گوئی کی کہ اپنا خاتمہ بالخبیر ہو
یوں تو ساری عمر دنیا کی خوشامد کی نہ کم

ترجمہ: میں نے قصیدہ کہہ کر آپ کی خدمت کی تاکہ میں اس کے وسیع سے
معافی طلب کروں ساری عمر کے گناہوں کی جو عمر شعر گوئی اور ارباب دنیا کی خدمت
میں گزری۔

لفظی تشریح

المدیح قصیدہ جس کے ساتھ مدح کی جاتے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مصدر ہے۔
الاستقالة عفو طلب کرنا۔ ناظم نے یہاں شعر سے اس کا مصدری معنی مراد لیا ہے۔
یعنی ایسی کلام لانا جو موزوں اور مقفی ہو اور اکثر ایسے کلام پر شعر کا اطلاق ہوتا ہے۔ ممکن ہے
کہ یہاں پر مضاف کو مقدر مانا جائے۔ جو کہ استعمال یا تالیف ہوگا یعنی شعر کے استعمال
کرنے یا تالیف کرنے میں۔

الخدم۔ بکسر النون جمع خدمت کی۔ اس سے مراد مخلوق کی خدمت ہے جیسا کہ

مطلق شعر سے شعر مذموم مراد ہوتا ہے۔ استقیل کا جملہ مدح کی صفت واقع ہو رہا ہے
یا خدا متہ کے فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے۔

معنوی تشریح

میں (ناظم) مدح کی مدد سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت کرنے سے
مشرف ہوا ہوں۔ اور اسی کے سبب اپنی زندگی کی مدت میں (ساری زندگی میں) کیے گئے
گناہوں کی معافی اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہوں جو زندگی شعر کے ساتھ لوگوں کی مدح اور
مذمت کرنے میں گزری اور ان کی صحبت میں اغراض فاسدہ کے لیے ارباب دنیا کی
خدمات میں ضائع ہو گئی۔

اِذْ قَلَّدَا نِي مَا تُخْشِي عَوَاقِبَهُ
كَانَتْنِي بِهِمَا هَدًى مِّنَ النَّعْمِ

کردہ اندر گردنم عصیان و می ترسم ازاں
گویا با شعر و خدمت مثل ہدیم از نعم

ہے یہ ڈر دونوں نے ڈالا طوق گردن میں مری
ہوں میں گویا اونٹ و تیربانی کا از قسم نعم

ترجمہ: ان دونوں باتوں (شعر اور خدمت) نے میرے گلے میں ایسا پٹہ ڈالا
جس کے عواقب سے ڈر ہے۔ گویا کہ میں ان دو باتوں کے سبب چوپاتوں
میں سے قربانی کا جانور ہوں۔

لفظی تشریح

۱۔ تعلیلیہ ہے۔ التقلید۔ گردن کو باندھنا۔ اور معنی الزام بھی آتا ہے۔ اور شعر کو قلدانی پر زبر کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ قلدانی اور بھہا (دونوں جگہ) میں ضمیر شعر اور خدمت کی طرف راجع ہے۔ جن کا ارادہ کیا گیا ہے۔ الہدی جو جانور حرم میں ذبح کے لیے اونٹ گائے اور بکری جیسے جانوروں میں سے ہدی کے طور پر دیا جاتا ہے جس کی شان یہ ہے کہ اس (ہدی کے) جانور کے گلے میں کوئی چیز لٹکا کر قلاوہ پہنچا دیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ ہدی کا جانور ہے، تو کوئی شئی اس کے ساتھ تعرض نہ کرے۔ پھر اس کو (منزل مقصود) پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ من بیانہ ہے۔

معنوی تشریح

فضول شعروں اور دنیا کی خدمت کے حصول نے (دونوں نے) میری گردن میں گناہوں کا بوجھ لٹکا دیا۔ جن کے انجام میں قیامت کے روز مختلف قسموں کی سزاؤں کا ڈر ہے۔ اور ان کے سبب ہلاک ہونا بھی ممکن ہے، کیونکہ ان دونوں نے مجھے دارالبوار کی ہلاکتوں میں گرا دیا۔

أَطَعْتُ غِيَّ الصَّبَا فِي الْحَالَتَيْنِ وَمَا
حَصَلْتُ إِلَّا عَلَى الْأَثَامِ وَالنَّدَامِ

(۱۲۳)

بُروہ ام فرمان غی کو دی در ہر دو حال
بیچ ازاں حاصل نہ دارم جز گناہان و ندم

ہر دو حالت میں شکارِ گمراہ طعنی ہو
کچھ نہ حاصل ہو سکا مجھ کو بجز جرم و ندم

ترجمہ: میں نے دونوں حالتوں (شعر و خدمت) میں لڑکپن کی اطاعت کی۔ (لیکن)
مجھے سوائے ندامت اور گناہوں کے کچھ حاصل نہ ہوا۔

لفظی تشریح

میں نے بچپن کی گمراہی اور ابتدائی جوانی کی بہالت کی اطاعت کی جو کہ استعمالِ شعر
اور اشتغالِ خدمت کی دونوں حالتوں میں ان دونوں میں وقت
خرچ کرنا وقت کا ضائع کرنا ہے۔ حالانکہ میں نے ان دونوں کی طرف سے کچھ بھی حاصل نہیں
کیا ماسوائے اس کے کہ میں معاصی میں واقع ہوا۔ اور (اس کے نتیجے میں) ممنوعہ باتوں (مناہی)
میں واقع ہونے پر ندامت، حسرت اور دکھ حاصل ہوا۔

تدھر سے مراد وہ شے جس پر ندامت مترتب ہو ورنہ نفسِ ندم سے مراد توبہ ہوتی
ہے۔ اور وہ نجات کا سبب اور بلندی درجات کا وسیلہ ہوتی ہے پس وہ شکایت کے تحت
داخل نہیں ہوتا۔ حاصلتِ تخفیف کے ساتھ بھی مروی ہے۔

معنوی تشریح

میں اغراضِ باطلہ اور مقاصدِ فاسدہ میں سے کسی شے کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں
ہوا مگر یہ کہ میں معاصی اور ندامت میں گر پڑا۔

ممکن ہے کہ اس شعر میں لف و نشر مرتب ہو، تو بتائے علیٰ ہذا فاسقوں کی مدح پر
گناہ مرتب ہوتے۔ اور جاہلوں کی خدمت پر ندامت حاصل ہوتی۔

فِيَا خَسَارَةً نَفْسِي فِي تِجَارَتِهَا
لَمْ تَشْتَرِ الدِّينَ بِالدُّنْيَا وَلَمْ تَسْمَعْ

پس زیاں ہاتے کہ نفس اندر تجارت یافت
کال بہ دنیا دیں نہ بخزید و بگفتہ میخرم

حیف میرے نفس نے سووا کیا نقصان سے
یعنی دنیا کو خرید کر کے عقیقی کالعدم

ترجمہ: ہاتے افسوس! میرے نفس کو اپنی تجارت میں بہت خسارہ ہوا کہ اس نے
دین کو دنیا کے عوض نہ خریدا اور نہ ہی ویسے خریدنے کا قصد کیا۔

معنوی تشریح

بعض نسخوں میں عبارت یوں ہے: فیا خسارۃ نفس ہے یعنی کلمہ نفس کو بجاتے
یا تے متکلم کی طرف مضاف کر کے استعمال کرنے کے (مکرہ ذکر کیا گیا۔ یہاں حرف ندا کے بعد
منادی مخذوف ہے۔ اصل میں تھا: یا قوم! اعتبروا خسارۃ نفسی اور منادی
(نداوینے والا) خسارہ ہے یعنی خسارہ ندا کرتا ہے تاکہ وہ قوم تم سے اور تیرے معاملے میں
عبرت حاصل کرے۔

غیر ذوی العقول کا ندا کرنا عرب کلام میں عام ہے۔ حضرت جلال الدین مہلی نے کہا
ہے کہ اس میں تعجب کے معنی بھی ہیں یعنی یہ نفس کتنے خسارے والا ہے۔ اشتراء سے
مراد استبدال ہے۔ (تبدیل کرنا۔ یہاں دنیا بمنزلہ قیمت (ثمن) ہے۔ اسی وجہ سے ناظم نے

ناظم نے اس پر بار داخل کی ہے۔ السوم خریداری طلب کرنا۔ السوم باب نصر بنصر سے مشتق ہے۔

مستوی تشریح

اے میرے ساتھیو! غور کرو اور میرے دوستو! میرے فاسد نفس کے خسارہ سے عبرت حاصل کرو جو اس کے کھوٹے معاملے سے متعلق ہے۔ وہ معاملہ یہ ہے کہ اس نفس نے باوجود باقی رہنے والے عقبتی کے معارضہ کے، دین قوم پر دنیا تے فانی کو ترجیح دی۔ وہ دین ایسا تھا جو نعیم و مقیم تک پہنچانے والا تھا۔ جب کہ اس نے ثمن فانی سے ملک باقی کو نہیں خریدا۔ دنیا کو ترک کر کے دین کو حاصل کرنے کا قصد حسن نیت صفا قلب کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اس شعر میں ایسا مبالغہ ہے جو کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اور اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ دین اور دنیا کا جمع کرنا ممکن ہے۔ اور بعض اہل اشارہ نے کہا ہے کہ اس نے دین کو دنیا کے ساتھ تبدیل نہیں کیا باوجودیکہ دین ادنیٰ سی تبدیلی کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ لفظ دُنیا سے الف کو گرا دیں جو کہ پانچ مانوس باتوں پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ سبب عطیہ کے مقدم ہونے کے اور ہمت کو سنجیدہ کرنے کے لیے نفس کے نون پر برکت کی یار کو مقدم کریں وہ نفس جو زیب و زینت کا میلان رکھنے والا ہے۔

۱۲۵ () وَمَنْ يَبِعْ أَجْلًا مِّنْهُ بِعَاجِلِهِ
يَبِينُ لَهُ الْغَبْنُ فِي بَيْعٍ وَفِي سَلَمٍ

ہر کہ عقبی را بہ دنیا می فروشد خاسر است
غبن اور روشن شود البتہ در بیع و سلم

آخرت کو جس نے بیجا صرف دنیا کے لیے
ہے بڑا نقصان اس کے حق میں یہ بیع و سلم

ترجمہ: جو آخرت کو دنیا کے بدلے بیچے گا۔ اس کو نفع و ادھار دونوں صورتوں

میں نقصان ظاہر ہوگا۔

لفظی تشریح

الاجل مد کے ساتھ۔ وہ شے جو کچھ مدت کے بعد آنے والی ہو۔ اس سے مراد عقبی
ہے۔ العاجل جو جلدی پہنچانے والا ہو۔ اس سے مراد دنیا ہے۔ لفظ منہ اشباع
کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ اس کی ضمیر من کی طرف راجع ہے۔ ایسے عاجلہ کی ضمیر
بھی من کی طرف راجع ہے۔ ایک روایت میں عاجلہ واحد مؤنث کا صیغہ ہے۔
بعض نے کہا کہ منہ کی ضمیر دین کی طرف ٹوٹی ہے جس کلمہ پر بار (حرف جار) داخل ہے۔
وہ ثمن مانوڑ ہے۔

اور یبین فعل مضارع مجزوم بان۔ یبین سے مشتق مثل باع یبیع کے ہے۔

یعنی ظہر ظاہر ہونا۔ بیع کی مختلف قسمیں ہیں:

① بیع العین بالعین: ایک شے کی بیع دوسری شے کے ساتھ یہ بیع مفاہمت

ہے یعنی باہمی قبضہ لینا ہوتا ہے۔

② بیع الدین بالعین: قرض کی بیع کسی شے کے ساتھ یہ بیع سلم ہے۔

③ بیع العین بالبدین، کسی شے کی بیع قرض کیساتھ یہ مدائنت ہے۔ قرض لینا ہے۔

④ بیع الثمن بالثمن؛ ثمن (قیمت) کی ثمن کے ساتھ بیع۔ یہ بیع صرف ہے۔

جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ بیع سلم سے متعلق ہے۔ اسی وجہ سے ہم اس کو بیع ماتحت درج کرنے کے ساتھ ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

اس شعر میں حدیث کے قول کا رد بھی۔ جو یہ کہتے ہیں کہ دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار اور ادھار کے بدلے نقد دینا امر غیر معقول ہے، کیونکہ بیع سلم میں ادھار لینے کے لیے کچھ مدت کے بعد بیع کو وصول کرنا، نقد عطا کرنا ہوتا ہے۔ اور ماہر قسم کے تاجر ہیں جنہوں نے ایسی بیع کو قبول کیا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت کی ہے۔ فرمایا: کلاب تحبون العاجلۃ^{الذی} ایسی بات ہرگز نہیں بلکہ وہ تو عجلت سے حاصل ہونے والی شے کو پسند کرتے ہیں اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر فرمایا: من کان یرید العاجلۃ... الخ (جو عجلت والی چیز کا خواہش تھا۔ ہم نے اس چیز میں سے اس کے جتنا چاہا عجلت کے ساتھ بھیج دیا یہ نہیں فرمایا کہ جس نے جتنا چاہا ہم نے بھیج دیا اور نہ ہی یہ فرمایا، جس نے بھی چاہا ہر ایک کی خواہش کے مطابق بھیج دیا۔) اللہ تعالیٰ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ ہمارا عطا کرنا مانگنے والے کی خواہش پر منحصر نہیں بلکہ یہ ہماری اپنی مرضی پر موقوف ہے کہ جس کو چاہیں اور جتنا چاہیں عطا کریں۔

پھر فرمایا: ثم جعلنا لہ جہنم... الخ پھر ہم نے اس (عجلت پسند) کے لیے جہنم کی سزا مقرر کر دی کہ وہ مذموم اور مطرود حالت میں جہنم کا عذاب برداشت کرے گا۔ اور جس نے آخرت کو چاہا اور اس کے حصول کی تگ و دو کی۔ اس حال میں کہ وہ مومن بھی ہو

تو ایسے لوگوں کی سعی مشکور ہے ہم ہر ایک مہلت دیتے ہیں۔ (اے پیارے نبی! یہ باتیں تمہارے رب کی عنایات میں سے ہیں اور تمہارے رب کی عطا کو کوئی رکاوٹ نہیں۔

مسنوی تشریح

جس نے عاجل (دنیا) کو لے لیا اور اجل (آخرت) کو چھوڑ دیا، تو اس کی تجارت میں مکمل خسارہ اور اس کے معاملے میں غبن فاحش اس پر عیاں ہو جائے گا۔

قرابی نے فرمایا: اگر ایک طرف فنا ہونے والا سونا ہو۔ اور دوسری طرف باقی رہنے والا دکھ اور غم ہو تو میں فانی سونے کی بجائے باقی رہنے والے غم کو اختیار کروں گا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو آخرت کی کھیتی حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ (یعنی اس کو دنیا بھی ساتھ دیتے ہیں) اور جو دنیا کی کھیتی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ہم اس کو اس میں سے کچھ عطا کر دیتے ہیں۔ اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔

۱۲۶ (۱۲۶) **إِنَّ اتِّذَنَّا فَمَا عَهْدِي بِمَنْقُضٍ
مِّنَ النَّبِيِّ وَلَا حَبْلِي بِمَنْصَرِمٍ**

گرگتہ کر دم بے من عہد رانشکستہ ام
باہمیرہ حبل دین مصطفیٰ نبریدہ ام

ہوں تو عاصی پر نہیں ٹوٹا ہے پیمان آپ سے
دین کی رسی نہ ہوگی منقطع شاہِ مہم

ترجمہ: اگرچہ میں نے گناہ کئے ہیں (لیکن پھر بھی) میرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ اور تعلق ٹوٹنے والا نہیں۔

لفظی تشریح

عہدی کی جگہ عقدی بھی روایت کیا گیا ہے۔ اور معنی یوں ہے۔ اگر میں گناہ کروں ان ات ذنبا کہا۔ ان اذنبت نہیں کہا جو کہ قول ظاہر ہے، تو اس سے عدول کرنے کی وجہ یا تو استحضار ہے یا استمرار کا ارادہ ہے۔ عہدی نبی پر ایمان لانا۔ اور ان سے امان حاصل کرنا۔ جب معنی تعلق

معنوی تشریح

اگر میں گناہ کروں تو میرا عہد ٹوٹنے والا نہیں، کیونکہ ارتکاب معصیت سے توبہ ٹوٹی ہے۔ عہد ایمان اور عقد امان نہیں ٹوٹتا۔ اور نہ ہی میرا تعلق جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن محبت اور آپ کی شفاعت کی امید کے ساتھ ہے منقطع ہونے والا ہے۔ یہ انقطاع نہ تو میری جانب سے ہے اور حضور کی طرف سے۔

کہا گیا ہے کہ عہد سے مراد وہ مفہوم ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے نکلتا ہے: من قال لا اله الا الله دخل الجنة۔ کہ جس نے لا اله الا الله کہا، جنت میں داخل ہوا۔ اور جبل سے مراد وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ عزوجل کے اس قول سے معلوم ہوتی ہے جس نے شیطان کی نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا، تو اس نے مضبوطی کو تمام لیا۔ جس میں ٹوٹنا ہے ہی نہیں۔

فَانِّ لِي ذِمَّةً مِّنْهُ بِسَبِيَّتِي
مُحَمَّدًا وَهُوَ اَوْ فِي الْخَلْقِ بِالذِّمَمِ

عہد او وارم کہ نام من محمد کردہ اند
کس وفا چوں اونہ کردہ در ہمہ عہد ذم

ہے شفاعت کی مجھے امید میرے نام سے
ہے محمد اس میں اور ہیں آپ مشفق محترم

ترجمہ: میرا آپ کے ساتھ ہی عہد (نسبت) ہے کہ میرا نام بھی محمد ہے، اور
آپ اپنی ذمہ داریوں کو تمام مخلوق سے زیادہ وفا کرنے والے ہیں۔

لفظی تشریح

منہ کو اشباع ضمیر کے ساتھ پڑھا جائے گا، جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
راجع ہے۔ تسمیہ مصدر ہے جو کہ اپنے مفعول اول کی طرف مضاف ہے۔ اس کا
دوسرا مفعول محمدؐ ہے۔ الذم اول میں زیر کے ساتھ۔ یہ ذمہ کی جمع ہے وہ ذمہ
عہد، امان، اسلام اور ایمان ہے بعض نے کہا کہ یہاں ذمہ سے مراد حضورؐ کا وعدہ شفاعت
ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضور نے فرمایا: جس کا نام محمد یا احمد ہو گا تو میں اس
کی شفاعت کروں گا۔ اس بیت کا حاصل سابق شعر میں حکم کی تعلیل ہے۔

معنوی تشریح

چونکہ میرا نام محمدؐ ہے اور وہ احمد (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت پر ولایت

کرتا ہے۔ اور اسم مسمیٰ کی مخالفت سے متغیر نہیں ہوتا۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی ذمہ داریوں کی رعایت کرنے میں سب سے زیادہ پورا کرنے والے ہیں۔ پس حضور قیامت کے روز ذمہ داریوں کے احاطہ کے ساتھ مستحقین شفاعت کی شفاعت کے لیے کھڑے ہوں گے۔

(۱۲۸) **إِنْ لَمْ يَكُنْ فِي مَعَادِي أَخِذْ أَبْيَدِي
فَضْلًا وَإِلَّا فُكِّلْ يَأْزِلَةَ الْقَدَمِ**

گز فضلم در قیامت دستگیر و خرم
ور نہ گیر دوائے بر من چوں بغز انم قدم
حشر میں گر دستگیری کی نہ میری آپ نے
پھر تو میری شومی تقدیر سے پھلے قدم

ترجمہ: اگر بروز قیامت آپ نے اپنے فضل و کرم سے میری دستگیری نہ فرمائی تو اے مخاطب! تم مجھے کوہ قدم کی لغزش والے۔

لفظی تشریح

المعاد: یہ اسم مصدر یا اسم مکان یا زمان ہے۔ اس سے مراد روحوں کا بدنوں کی طرف لوٹنا، ہاتھ پکڑنا معاونت کرنے سے کنایت ہے۔ فضلًا: تیز واقع ہو رہی ہے۔
إِلَّا: ہمزہ مکسور اور لام مشدود ہے۔ اور تنوین کے ساتھ (إِلَّا) بھی روایت کیا گیا ہے اس صورت میں اس کا معنی ذمہ دار عہد ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا یوقبون فی

مومن، الا و لا ذمۃ۔ (ترجمہ: وہ مومن کے بارے میں کسی عہد یا ذمہ داری کا انتظار نہیں کرتے۔ اور یہی زیادہ صحیح ہے یعنی اگر یہ میرا کوئی معاون نہیں جو مجھ پر فضل یعنی وعدہ پر احسان زائد کرے یا عدل یعنی ذمہ اور عہد کو پورا کرے۔

یہاں واو یعنی او ہے۔ اور الا بغیر تنوین کے بھی مروی ہے۔ اس صورت میں یہ مرکب ہے۔ ان شرطیہ اور لا نافیہ سے۔ اس وقت اس کا معنی ہوگا۔ (اگر ایسا نہ ہو تو) اس کا ظاہر تو مفسد معنی ہے۔ جیسا کہ محض نہیں ہے۔ پس یہ معنی شرط اول اور اس کی تاکید کے ہے۔ اور جواب شرط ہے۔ فقل خطابا لمن جردہ من نفسه۔ تو تم اس آدمی کو مخاطب ہوتے ہوئے کہو جس نے اس شرط کو اپنے سے مجرد (الگ) کر دیا ہے یعنی کہو: اے قدم کی لغزش! اب حاضر ہو، کیونکہ اب تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے۔ قدم کی لغزش ہلاکتوں میں واقع ہونے سے عبارت ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس کو قدم کی پھلاہٹ یا پل صراط سے پھسل کر آگ (دوزخ) میں گرنے پر محمول کیا جائے۔

ممکن ہے کہ کہا جائے یہ خطاب عام ہے یعنی اے مخاطب! تم مجھے کہو: اے فلاں آدمی اپنے قدم کی لغزش سے بچ۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ اس شعر کی تقدیر (اصل میں) یوں ہے۔ پہلا مصراع ہے: ان لم یکن عہد۔ اور دوسرے میں سے فضل ہے۔ تو اس میں یہ قباحت ہے کہ اس طرح شرط اول بغیر جزا کے پائی جائے گی۔ ہاں ایک صورت بچ نکلنے کی ہے۔ وہ یہ کہا جائے۔ دوسری جزا اس پر دلالت کرتی ہے۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ معنی اس کا یوں ہے۔ اگر فضل نہ ہو اس وجہ سے کہ عدل ہے۔ تو یہ معنی غیر صحیح ہے اس میں وہی خرابی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ کیونکہ اس روز (قیامت کے دن)

عدل کی نسبت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی طرف بھی نہیں ہوگی اور یہ بات بھی ہے کہ کلام کا مرجع اس طرف ہوگا کہ اگر اس نے عدل کے طور پر میرا ہاتھ پکڑا۔ تو یہ بات بھی نامناسب ہے جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

(۱۲۹) حَاشَاہُ أَنْ یُحْرِمَ الرَّاجِیَ مَكَارِمَهُ
أَوْ یَرْجِعَ الْجَارُ مِنْهُ غَیْرَ مُحْتَرَمٍ

دُور باد اگر کتد نومید نہر امیدوار
یا کہ ازوے باز گردو جار غیر محترم

ہے لعید از شان گر محروم مجھ کو کر دیا
اور لوٹوں آپ کی شفقت سے غیر محترم

ترجمہ: حاشا للہ! کہ آپ کی بخششوں کا امیدوار محروم رہے۔ یا آپ کا پروسی
(یا آپ کی پناہ لینے والا) مایوس واپس آجائے۔

لفظی تشریح

حاشاہ اس کی برأت بیان کرنے کے لیے۔ یا اس کا معنی ہے: اس سے الگ ہو۔

یحرم یہ فعل مضارع حرم بحرم بروزن ضرب یضرب سے مشتق ہے یا احرم (بالفعال) سے مشتق ہے بمعنی روکنا۔ یہ فعل متعدی بدو مفعول ہے۔ یہ فعل مبنی علی المفعول (مجبول) ہے

اور بعض نے کہا: مبنی علی الفاعل (معروف) ہے۔ (اگر اس فعل کو معروف کہیں تو الراجی) مفعول ہوگا۔ اور اس کو نصب پڑھا جانا چاہیے۔ مگر الراجی کے آخر میں سکون ضرورت

شکر کی وجہ سے ہے۔ الجار (پڑوسی) مرفوع ہے۔ اس صورت میں فعل یرجع فعل لازم معنی یصبر یا یعود ہوگا۔ یا (الجار) منصوب ہے اس صورت میں یرجع معنی یُرَدُّ یا یُعِيدُ متعدی ہوگا اور الجار معنی پڑوسی نہیں بلکہ جار معنی مستحیر ہوگا۔ (پڑوس میں عہد و امان میں داخل ہونے والا) منہ کی ضمیر بالاشباع پڑھی جائے گی۔ رابع بسوتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ محترم صیغہ اسم مفعول کا ہے۔ خیر، جار سے حال واقع ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔

معنوی تشریح

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے منزہ ہیں کہ لطف و کرم کے امید کو ار کو بخشش سے محروم رکھیں۔ یا پناہ لینے والے کو بغیر احترام کے واپس لوٹادیں، کیونکہ آپ تو کرامات کی معدن اور احترامات کا منبع ہیں۔

وَمِنذُ الزَّمْتِ أَفْكَارِي مَدَائِحَهُ
وَجَدُّهُ لِحَلَاصِي خَيْرِ مَلْتَزِمِ
زَالِ كَمَنْ مَشْغُولِ كَرْدَمِ نَكْرِ خُودِ دَر مَدِحِ او

برخلاف خود و را خوشش یا نستم من ملتم

وقف جب سے ہو گیا ہوں مدح میں سرکاری
پالیا اپنی رہانی کا مددگار نعم!

ترجمہ: اور جب سے میں نے اپنے افکار کو حضور کی مدح کے ساتھ لازم کیا

تو میں نے آپ کو اپنی خلاصی کے لیے بہترین کفیل پایا ہے۔

لفظی تشریح

منذ بمعنی اول مدت کے آتا ہے۔ یہ مفعول فیہ ہے۔ لخاصی یہ ملتزمہ کے متعلق ہے۔ اور لام تقویت عمل کے واسطے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: الذمته للشئ فالتزمه میں نے اس کو کسی شئی کا کفیل بنایا، تو اس نے اس کی کفالت قبول کر لی۔ اور اس کو اپنے آپ پر واجب کر لیا۔ اطہرات یہ ہے کہ لام علت بیان کرنے کے لیے ہے اور وَجَدْتُ کے متعلق ہے۔

مسنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے مکارم اور عمدہ اخلاق میں سے یہ بات ہے کہ میں نے جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف توجہ کی اور خلوص نیت اور صفائی ضمیر (قلب) کے ساتھ حضور کی مدح و توصیف کرنے میں اپنے افکار کو حضور کی جناب میں پھیرا تو حضور نے میری کفالت قبول کر لی اور مجھے تہ تکلیف اور مصیبت سے خلاصی دینے کی غرض سے مکر بستہ ہو گئے۔

وَلَنْ يَفُوتَ الْغِنَىٰ مِنْهُ يَدًا تَرَبَّتْ

(۱۵۱)

إِنَّ الْحَيَاةَ فِي الْأَكْمِ

دست درویش از غنا نغمش خالی نشد

زاں کہ از باران بر وید گل بالائے اکم

آپ کی بخشش نہ چھوڑے گی کسی محتاج کو
 جس طرح گلزارِ ثیلوں کو کرے ابرِ کرم
 ترجمہ: حضور کی سخاوت سے کوئی مفلس ہرگز محروم نہ رہے گا۔ بے شک بارش
 ٹیلوں پر بھی پھول اگاتی ہے۔

لفظی تشریح

الغناء کسرہ کے ساتھ۔ اگر اس کو اسم مقصور پڑھا جائے تو یعنی آسانی اور فراخی ہے
 اور اسم ممدود پڑھا جائے تو یعنی گانا بجانا ہے۔ الغناء فتح کے ساتھ۔ اگر مقصور پڑھا جائے
 تو یعنی اقامت (قیام کرنا) ہے۔ اگر ممدود ہو تو یعنی کفایت ہوگا۔ ان چاروں کو اکٹھا کیا ہے
 جس نے یہ کہا ہے: من یکون ذا غنی یمل فی غنائی فی دور غنی اهل الغناء۔
 جو صاحب فراخی (مالدار) ہو گا وہ دور اقامت میں میرے گانے بجانے سے اہل کفایت
 کو اکتا دے گا۔

منہ کی ضمیر کو اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ یہ غنی کی صفت ہے یعنی ایسا
 غنی جو اس کی جانب سے ہے۔ یداً ہاتھ سے۔ تریب محتاج ہونا یہاں ہاتھ سے
 مراد محتاجوں کے ہاتھ ہیں۔ سیاق لفظی میں نکرہ کا استعمال عموم کا فائدہ دیتا ہے اور جاز
 ہے کہ یہاں غنی سے مراد مال لیا جائے۔ اس بات کی تائید وہ نسخہ کرتا ہے جس میں غنی
 کے لفظ کی بجائے ندی مذکور ہے۔ ندی ندی نون پر زبر یعنی عطا۔ الجباء اسم
 مقصورہ ہے۔ بارش۔ الازہار جمع ہے زہرۃ کی۔ الاکم جمع اکمۃ۔ اونچی
 جگہ، ٹیلہ۔

معنوی تشریح: اس شعرے مقصود، آپ کی سخاوت کو عموم نفع کو ہے۔

سے عام سخاوت بخشش کے ساتھ تشبیہ وینا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس سخاوت کا محل عطا کا اہل ہے یا منع کا مستحق ہے۔ اور اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ یا یہ کہ آپ باعمل علما کے لیے ظاہری اور باطنی غنی کا سبب ہیں۔

سابقہ شعر، حضور کی جناب میں التجار پیش کرنے والے سے تکلیف دور کرنے کو منیہ تھا۔ اور یہ شعر حضور کی بارگاہ میں سے طامع (الچی) کے لیے حصول نفع کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پھر چونکہ یہ شعر اس بات کا وہم دلاتا تھا کہ ناظم قصیدہ نے اُخروی فائدہ کی بجائے دنیاوی نفع کا ارادہ کیا ہے، تو اس وہم کو خیال سے دور کرنے کے لیے فرمایا:

①۵۲ ۱
وَلَعَارِدُ زَهْرَةَ الدُّنْيَا الَّتِي اقْتَطَفْتُ
يَدَا زُهَيْرٍ بِمَا أَشْتَى عَلَى هَرَمٍ

من نمی خواہم متاع مال و دنیا چوں زہر
کو نہ چیدہ دست او چوں گفت او مدح ہرم

مجھ کو دولت کی نہیں خواہش کبھی مثل زہر
جس نے حاصل کی تھی دولت بن کے مداح ہرم

ترجمہ: میں دنیا کا پھول (زیب و زینت) نہیں چاہتا جس کو زہیر کے ہاتھوں نے ہرم کی تعریف کر کے چن لیا۔

لفظی تشریح

اکثر نسخوں میں اقطفت ہے بچلوں کو چننا۔

معنوی تشریح

اس شعر میں اس بات کا اشعار ہے کہ مذموم تو صرف یہ بات ہے کہ جب امر فانی کو وصول کرنے کی طلب اور اس کو حاصل کرنے کا تکلف کیا جاتے۔ البتہ اگر فانی کا قصد کئے بغیر وہ مقصود باقی کی تبع میں واقع ہو تو کوئی نقصان نہیں دیتی۔ جیسے ہدایت کے لیے محبت کی موافقت کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔

زہرۃ الدنیا سے مراد دنیا کی خواہشات اور لذتیں ہیں جن کو ان کی رونق اور زینت اور بہت جلدی زوال پذیر ہونے کی وجہ سے بچوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

زہیر اسم تصغیر ہے۔ وہ سُلمی کا بیٹا ہے۔ اور وہ ان سات مشاعروں میں سے ایک ہے جن کے قصیدے کعبہ کے دروازے پر لٹکے ہوئے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ کا یہ قول یا ارض ابلعی ماءك... الخ (اے زمین! اپنا پانی نکل جا) نازل ہوا تو وہ گریڑے۔ اس کے باقی خاندان میں سے اس کا باپ ایک بہن ایک بیٹا ایک بیٹی اور ایک پوتا تھا۔ (سبط) کا عمو مانوا سے پر اطلاق ہوتا ہے۔

ہبہرہ۔ ہا، پر زبر اور را، پر زیر۔ یہ قبیلہ غطفان کا سردار تھا۔ اور ملوک عرب میں سے باعزت تھا۔ زہیر نے اس کے متعلق بہت سے تعریفی اشعار مدحیہ قصائد لکھے ہیں اور اس سے فوق العادت انعامات اور سواریوں سمیت عطیات پاتے۔

کہا جاتا ہے کہ چار شاعر (جب اپنی مخصوص کیفیت میں ہوں تو خوب شعر کہتے ہیں،

① امر القیس جب سوار ہو۔

② نابغہ جب خوفزدہ ہو۔

③ زہمیر جب راغب ہو۔

④ اور اعشیٰ جب خوش ہو۔

بعض میں بار بے بار ہے۔ اور نام مصدر یہ ہے، یا موصولہ ہے۔

چونکہ صلہ میں ایک ضمیر ہوتی ہے جو اسم موصول کی راجع ہوتی ہے جس کو عائد کہتے ہیں، تو یہاں پر ما موصولہ ہونے کی صورت میں، عائد محذوف ہے۔

①۵۳ يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِي مِّنَ الْوُدِيِّ
سِوَالِكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَبِيمِ

اے گرامی ترز خلفتوں میں نہ دارم ملجاہ
جز تو چوں آید قیامت یا بود مرگ آتم

اے مکرم تر جہاں سے جز ترے میرا ہے کون
حادثات عام میں جب گھیر لیں رنج و الم

ترجمہ: اے تمام مخلوق سے بزرگتر! آپ کے سوا میرے لیے کوئی نہیں کہ حادثہ
عام (قیامت) میں جس سے پناہ حاصل کروں۔

لفظی تشریح

الخلق بمعنی مخلوق۔ اس پر الف لام عین یا استغراق کا ہے۔ ایک نسخہ میں رسل

(جمع رسول) کے سین پر جزم ہے، (یعنی یا اکرم الخلق کی بجائے یا اکرم الرسل ہے)

تو اس طرح تو بطریق اولیٰ یہ بات لازم آتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہوں پہلی صورت میں معتزلہ کا رو ہے کہ وہ تفضیل ملائکہ کے قائل ہیں۔ ہا لقی کے لیے ہے یا استفہام انکاری کے لیے۔ الْوُذُّ التَّجَارُکْرُنَا۔ پناہ حاصل کرنا الحلول واقع ہونا۔ نازل ہونا۔ الحادث مفروضہ حادثات کی بمعنی آفات و بلیات۔ العیم عین مفتوح اور پہلا میم مکسور ہے۔ العیم عین اور پہلی میم دونوں مفتوح۔ یہ دونوں کلمات عدد سے مسوع ہیں جو کہ شخص۔ (خاص ہونا) کی ضد ہے۔

معنوی تشریح

حادث سے مراد وہ شے ہے جو کہ یا تو موت کو شامل ہو اور وہ قیامت سفری ہے۔ اور یا ساعۃ (قیامت) کو شامل ہو اور وہ قیامت کبریٰ ہے۔ یہاں مقصود اور مراد شفا عظمیٰ ہے۔

جان لو کہ جب ناظم قصیدہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ کی نعت اور آپ کی صفات کے کمالات کو بیان کر لیا۔ تو اب وہ غیب سے مقام حضور (خطاب) کی طرف منتقل ہوتے۔ اور نہایت اچھے آداب کے ساتھ مخاطب کرتے ہوئے ندا کی جیسا کہ قرآن مجید کے شروع میں ایسا نعبد کے متعلق کہا گیا ہے۔

وَلَنْ يُضِيقَ رَسُولَ اللَّهِ جَاهُكَ بِي
إِذَا الْكَرِيمُ تَجَلَّى بِاسْمِ مُنْتَقِمِ

(۱۵۲)

یا رسول اللہ جاہت تنگ می ناید بہر
چوں کر یم انتقام آرد بہر باب تقم

کم نہ ہوگا آپ کا رتبہ شفاعت سے مری
 جلوہ گر جب ہو بہ اسم منتقم وہ ذی کرم
 ترجمہ: یا رسول اللہ! میری وجہ سے آپ کی وجاہت میں اس روز ہرگز تنگی واقع
 نہیں ہوگی جب کہ کریم رب اپنے اسم منتقم سے جلو نما ہوگا۔

لفظی تشریح

رسول اللہ منادی ہے حرف نداء کو حذف کر دیا گیا ہے۔ الجاہ یہ وجاہت
 سے مشتق ہے بمعنی درجہ کی بلندی اور مرتبہ کی وسعت۔ بی یہ جار مجرور یضیق کے متعلق
 ہے یعنی یہ سبب میری شفاعت فرماتے کے اذابرائے طرفیت ہے۔ تجلیٰ ایک نسبت میں تحلیٰ
 ہے۔

معنوی تشریح

تحلیٰ حاء کے ساتھ ہو تو اس کا معنی متصف ہونا۔ تجلیٰ جیم کے ساتھ ہو تو اس
 کا معنی ہے منکشف ہونا۔ پہلا از روئے روایت کے زیادہ صحیح ہے۔ اور دوسرا از روئے رات
 کے زیادہ واضح ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا صفات سے متصف ہونا ازلی ہے۔ اور ان
 صفات کا منکشف ہونا زمانی ہے۔ الکریم اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس ہے۔ ناظم قصیدہ
 نے اس صفت (الکریم) کو جو کہ صفات جمالیہ میں سے ہے، صفت انتقام کے مقام میں
 جو کہ صفات جلالیہ میں سے ہے، اس لیے ذکر کیا تاکہ اعتدال حاصل ہو جائے۔ اور لوگوں
 کے دل منقطع نہ ہوں، تو یہ بڑا لطیف امتزاج ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ما غول
 بربك الکوید۔ (تجھ کو اپنے رب کریم کے ساتھ کس شے نے مغرور بنا دیا، یہ بندے
 کی تعلیم کی خاطر فرمایا تاکہ بندہ کہے: اے اللہ! مجھے تیرے کرم نے ہی مغرور بنایا۔

یا ان دونوں صفات کو جمع کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ جو یہ ضرب المثل کے طور پر کہا گیا ہے: نعوذ باللہ من غضب الحلیہ۔ ہم بڑا آدمی کے غضب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ پہلا شعر (قیامت کے روز) عام تکلیف کے وقت شفاعت کبریٰ کی طرف اشارہ کرتا ہو۔ جب کہ ساری مخلوق جتنے کہ انبیاء بھی نفسی پکا رہے ہوں گے۔ اور دوسرا شعر اس امت کے لیے قیامت کی مختلف جگہوں میں متعدد شفاعتوں کا شعور دلاتا ہے اور یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور کی وجاہت کے باعث ہوں گی۔ اور جاہ ایک ایسا مرتبہ اور مقام ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی مقام و مرتبہ نہیں ہے۔

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتْهَا
وَمِنْ عُلُومِكَ عِلْمَ اللُّوحِ وَالْقَلَمِ

(۱۵۵)

نشمہ از جود تو دنیا بود با آخرت
وز علومت در دو عالم علم لوح است و قلم

کیوں کہ دنیا اور عقبی آپ کی بخشش سے ہیں
اور علوم باطنی سے آپ کے لوح و قلم

ترجمہ: یا رسول اللہ! آپ کی سخاوت اور بخشش میں سے دنیا اور آخرت ہیں
اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا کچھ حصہ ہے۔

لفظی تشریح: من تبغیہ ہے۔ ضرتھا منصوب ہے اور دنیا

پرمعطوف بالاسمیت (اسم ہونے کی وجہ سے) ہے۔ لغوی معنی سوکن ہے۔ ضرورتاً بمعنی آخرت۔ آخرت کو سوکن کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی کہ آخرت اور دنیا کو جمع کرنا اسی طرح مشکل ہے جیسے دو عورتوں کو۔ جیسے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنی آخرت کو پسند کیا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا۔ اور جس نے اپنی دنیا کو پسند کیا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا۔ پس تم فانی کی بجائے باقی پڑھو۔ (اختیار کرو۔)

بعض اقوال میں سے ایک لطیف بات (جو دنیا کے متعلق) کہی گئی ہے۔
اشعار کا ترجمہ

① میں دنیا پر عالم کے موثر اور جاہل کے مقدم کرنے کی وجہ سے ناراض ہوا تو دنیا نے کہا۔ عذر قبول کرو۔

② جاہل لوگ میری اولاد ہیں اس لیے میں نے ان کو نچا مقام دیا اور عقل مند لوگ میری دوسری سوکن کی اولاد ہیں سے ہیں۔

علم اللوح منصوب ہے۔ اور بعض نے کہا کہ مرفوع ہے۔ دونوں (رفع و نصب) کی وجہ ظاہر ہے۔ والجود صفت ہے۔ ایسی عطا جو مانگی جائے اور وہ عطا کسی شئی کے عوض یا کسی لالچ کی وجہ سے نہ ہو۔

معنوی تشریح

یا رسول اللہ! اپنی امت میں سے ایک آدمی پر سخاوت کر دینے سے آپ کی وجاہت میں ہرگز کمی نہیں ہوگی، کیونکہ آپ کی سخاوت اور احسان تمام مخلوق کے ساتھ ہے۔ دنیا میں ہدایت اور عقبیٰ میں شفاعت سب سے بہتر ہیں۔

اور کہا گیا ہے کہ کونین کا وجود آپ کی سخاوت اور عطا کی وجہ سے ہے۔ اور یہ کہ آپ تمام ماہیات پر وجود کے فیضان اور تمام موجودات یہ سخاوت کے جاری ہونے میں واسطہ ہیں۔ اس شعر میں اس حدیث لولاك لهما خلقت الافلاك کی طرف تلمیح ہے۔ شارحین کرام دوسرے مصراع کی تشریح میں مضطرب ہوتے بعض نے کہا:

مصدر ہے اور یہ فاعل کی طرف مضاف ہے۔ تو معنی ہوا: لوح اور قلم کو جو اشیا کا علم ہے تو اس صورت میں یہ کہنے کی بھی ضرورت پڑی کہ لوح اور قلم میں اور اک اور شعور کی قوت ہے یہ سبب اس بات کے جو ان دونوں کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

بعض نے کہا کہ لفظ ”علم“ اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اس صورت میں معنی ہوا: لوگوں کو لوح و قلم کا جو علم حاصل ہے۔ تو پھر یہ کہنے کی ضرورت پڑی کہ اس بات میں کئی اقوال ہیں:

① بعض نے کہا کہ قلم نے لوح محفوظ پر جو کچھ لکھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو اس پر مطلع کر دیا۔

② بعض نے کہا کہ اس سے مراد اولین اور آخرین کا علم ہے۔ اور یہی بات اظہر ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ علم لوح سے مراد وہ نقوش قدسیہ اور صور غیبیہ ہیں جو اس میں نقش کئے گئے ہیں۔ اور علم قلم سے مراد وہ ہے جو قلم کے ساتھ لوح میں نقش کیا گیا، جیسے اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

یا یہ اضافت معمولی سی ملاہست کی وجہ سے ہے۔

لوح و قلم کا علم حضور کے علم میں سے ہونا، حضور کا علم کلیات و جزیات، حقائق لوح و

معارف و معارف، معلق بالذات و معلق بالصفات کی طرف تقسیم ہوتا ہے۔ اور یہ کہ لوح و قلم کا علم، حضور کے علم کی سطروں میں سے ایک سطر اور آپ کے علم کے سمندروں میں سے ایک نہر ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ (لوح و قلم کا علم) حضور کے وجود کی برکت سے ہے۔ جیسا کہ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: اول ما خلق اللہ نوری بسب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا۔ یعنی پھر اس نور کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہیبت کی نظر سے دیکھا۔ تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ نصف نصف ایک نصف ٹکڑے سے کوئین کو پیدا کیا۔ اور قلم سے یہی مراد ہے۔ اسی وجہ سے (یہ بھی وارد ہوا) کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا۔ تو اب دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہ رہا۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ یا رسول اللہ! دنیا اور آخرت آپ کے وجودِ باوجود کے آثار میں سے ہیں۔ اور لوح پر قلم سے جو کچھ ظاہر ہوا وہ آپ کے معارف کے اسرار اور آپ کے علوم کے انوار کا کچھ حصہ ہے۔

اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حقیقی جاہ و منزلت اللہ تعالیٰ کا علم حاصل کرنے میں اور مخلوق خدا پر سخاوت کرنے میں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ کمال ایمان میں سے یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم اور مخلوق خدا پر شفقت کی جائے۔

يَا نَفْسُ لَا تَقْنِيْ مِنْ زَلَّةٍ عَظِيْمَةٍ

(۱۵۶)

اِنَّ الْكِبٰرِيَّ رَفِي الْغُرٰنِ كَاللَّمَمِ

اسے دل از رحمت مشونو مید با جسم بزرگ
چوں کبائر نزد عفران خدا شد چوں لمم

یوں تو عصیاں ہیں بہت اے نفس مت یابوس ہو
سامنے بخشش کے بے شک ہیں یہ ادنیٰ اور کم

ترجمہ: اے نفس! تو کسی عظیم خطا، لغزش کے باعث نا امید نہ ہو۔ بے شک بڑے
بڑے گناہ بخشش (کے سمندر) میں صغیرہ ہوتے ہیں۔

لفظی تشریح

نفس - سین پر پیش کے ساتھ مروی ہے۔ اس طور پر کہ وہ منادی مفرد معروف ہے اور
سین کے نیچے کمرہ کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اس طور پر کہ وہ منادی یا نئے تکلم کی طرف مضاف
ہے۔

خطاب کرنے کے لیے نفس کو مخصوص کرنے میں اور اس پر جو عتاب مترتب ہوتا ہے
اس کو بیان کرنے کا مقصد اس بات کا شعور دلانا ہے کہ نا امیدی صرف نفس کی طرف سے
پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ عقل تو جائز قرار دے سکتی ہے۔ اور نقل اس کی تصحیح کر دیتی ہے۔ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو
شریک ٹھہرایا جاتے۔ اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش دیتا ہے۔

اس شعر میں معتزلہ اور خارجیوں کا رد ہے جو کہ درطہ عقل اور احاطہ نقل سے بالکل خارج
ہیں اور نفس کی پستی میں داخل ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید اور اس کے فضل سے
بالکل یابوس ہیں۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا: بے شک اللہ کی رحمت سے سوائے کافر

قوم کے اور کوئی بھی مایوس نہیں ہوتا۔

اس میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ ناامیدی کا محل کفر ہی ہے۔ گناہ ہائے کبیرہ نہیں۔ تقنطی۔ میں نون پر فتح بھی ہے اور کسرہ بھی۔ ان الکباث۔ نیا جملہ ہے۔ اس میں تعلیل کا معنی پایا جاتا ہے۔

معنوی تشریح

اے نفس! تو لغزش کے بخشنے جانے سے یا کسی معصیت کے ارتکاب کی وجہ سے جو کیفیت میں بڑی اور کمیت میں زیادہ ہو۔ مایوس نہ ہو، کیونکہ بڑے بڑے گناہ، گناہوں کے بخشنے والے کی بخشش کے پہلو میں چھوٹے چھوٹے عیبوں کی طرح ہیں، کیونکہ یہ دونوں قدرت کے ماتحت اور مشیت ایزدی کے ضمن میں ہونے کی وجہ سے برابر ہیں۔ جیسے کہ آیت مبارکہ اس طرف اشارہ کرتی ہے۔

اور تحقیق خبر میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے مخلص اور کامل بندوں کے متعلق یہ آیت اتری، الدین یجتنبون کباثرا لاسر والفواحش الا اللہ۔

تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے ساختہ یہ شعر ارشاد فرمایا:
ترجمہ: اے اللہ! اگر تو نے بخشنا ہے تو سب کو بخش دے جو کوئی بھی ہے وہ تیرا بندہ ہے۔

علامہ قشیری نے اللہ تعالیٰ کی اس آیت (یا عبادی الذین اسرفوا... الخ) (اے میرے وہ بندو! بچھو نے اپنی جانوں پر زیادتی کی۔) کے متعلق فرمایا: یا عبادی کے

لے ساتھ پکارنا مدح ہے۔ اور اسی فوا کے ساتھ ان کا وصف بیان کرنا ان کی مذمت ہے جب اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا تو فرماں برداروں نے چاہا کہ اس خطاب کا مقصود اور عتاب کا مطلوب ہم ہی ہوں تو انھوں نے اپنے سروں کو اونچا کر لیا۔ اور گناہگاروں نے اپنی گردنوں کو جھکا لیا۔ اور کہا: (اے اللہ!) ہم کون ہیں جو تم ہم سے اس طرح خطاب کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسی فوا فرمایا تو حال پھر گیا اور امیدیں (انجام) بدل گئیں تو جن لوگوں نے سر کو جھکا لیا تھا وہ کبیدگی کے بعد خوش ہو گئے اور سروں کو اٹھا لیا۔ ان کی ذلت زائل ہو گئی۔

بعضوں نے پہلے سر کو اٹھایا تھا انھوں نے سر پھیر لیا۔ اور ان کی آواز بلند ہو گئی اور ان کو علیٰ انفسہم کہہ کر ان کو سلامتی کا مزہ سنایا۔ پھر لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ (اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو) کی آیت ان پر پڑھی۔ (ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً بے شک اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہ بخش دے گا) پھر اللہ تعالیٰ نے الذنوب کو جس پر الف لام استغراقی ہے جمیعاً کہہ کر موکد کر دیا۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں سب گناہ بخش دوں گا۔

اگر تمھاری جنابت (گناہ کا ارتکاب) عام ہے تو میری عنایت (بخشش) بھی قدیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری رحمت ہر شے سے وسیع ہے۔

لَعَلَّ رَحْمَةَ رَبِّي حِينَ يَقْسِمُهَا

(۱۵۷)

تَأْتِي عَلَى حَسَبِ الْعُصْيَانِ فِي الْقِسْمِ

رحمتِ رحمن مگر آں دم کہ قسمت می کند
بر من آید در نور جسم و گناہ اندر قسم

رحمتِ حق ہوگی جب تقسیم مجھ کو ہے امید
میرے عصیاں سے سوا ہوگا مرے رب کا کرم

ترجمہ: امید ہے کہ جب میرا رب اپنی رحمت تقسیم کرے گا۔ تو رحمت گناہوں
کی مقدار کے مطابق ہر ایک کے حصہ میں آئے گی۔

لفظی تشریح

القسم قاف پر زیر قسمۃ کی جمع ہے۔

معنوی تشریح

میں اپنے دل کے حسن ظن سے امید کرتا ہوں کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ نفس
لو امر رکھنے والے لوگوں پر اپنی رحمت کو ظاہر اور تقسیم کرے گا۔ تو رحمت ان کے گناہوں کے
مطابق ان کے حصہ میں آئے گی نہ کہ ان کی نامرادی کے مطابق۔ ورنہ اس کی رحمت تو
تو ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ وسیع اور اس کا فضل ہمارے عیبوں کی نسبت زیادہ
شامل ہے۔

اور نبی نوع انسان سے صادر ہونے والے گناہوں کے مراتب کے مطابق رحمت
تقسیم ہوگی۔ وہ اس طرح کہ چھوٹی رحمت چھوٹی نیت کے مطابق اور بڑی رحمت نیت کے
مطابق ہوگی۔ ایسے ہی رحمت کا تھوڑا یا زیادہ ہونے کا دار و مدار نیت پر منحصر ہے۔
اسی وجہ سے کامل عارفوں میں سے کسی ظریف الطبع نے کہا، قیامت میں

اللہ تعالیٰ کے ظہور رحمت کے کمال میں سے یہ بات ہوگی کہ گناہ گار لوگ دنیا میں اپنی معصیت کی کمی پر نادم ہوں گے۔ اس چیز پر معنی (کتاب کا نام) کی روایت دلالت کرتی ہے (وہ یہ ہے) کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کے صغیرہ گناہوں کو ظاہر کرے گا۔ اور ان کو بخش دے گا۔ اور ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اس کو بہت زیادہ اجر عطا فرمائے گا، تو وہ بندہ کہے گا: (اے اللہ!) میرے تو بڑے بڑے گناہ بھی تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب مسکرائے یہاں تک کہ آپ کے دندا نہاتے مبارکہ نمودار ہو گئے۔

پس یہ حدیث امید کی وسعت پر دلالت کرتی ہے، تو دعا مانگنے اور پناہ حاصل کرنے کو لازم پکڑنا ہر ایک واجب ہے۔

يَا رَبِّ فَاَجْعَلْ رَجَائِي غَيْرَ مُنْعَكِسٍ
لَدَيْكَ وَاجْعَلْ حِسَابِي غَيْرَ مُنْخَرِمٍ

(۱۵۸)

یا رب! امید ہم برا اور زراں مگرداں بازگوں
در قیامت نہ دے تو آں کہ حساب آساں کنم

میرے رب! امید کو میری نہ رد فرمائیے
تیری رحمت پر بھروسہ ہے نہ کر تو کا عدم

ترجمہ: یا رب! میری امید کو سیدھا رکھ (پورا کر) اور میرے گمان کو منقطع

نہ کر۔

لفظی تشریح: رب۔ اس کی یا محذوف ہے یعنی رب یا تے متکلم کی طرف

مضاف تھا، تو اس کو حذف کر کے، لہرہ پر اکتفا کر لیا۔ ایک نسخہ میں واجعل کی واو کی بجائے فاجعل یعنی فاد ہے۔ الانحوا۔ خاء کے ساتھ بمعنی منقطع ہونا۔

معنوی تشریح

اے اللہ! میرے عیبوں اور گناہوں کو مٹا کر مجھ پر رحم فرما۔ اور اپنی جناب میں میری امید کو الٹا نہ کر، کیونکہ بخشش کی جگہ رسوائی اور رحمت کی جگہ سزا نہیں ہو سکتی اور اے اللہ! میرے متعلق میرے جو گمان ہے۔ اس کو اپنے فضل سے منقطع نہ کر، کیونکہ تو نے حدیث قدسی میں فرمایا: میں اپنے بندے کے ظن کے مطابق ہوں جو اس کو میرے ساتھ ہے۔

وَالطَّفُ بِعَبْدِكَ فِي الدَّارَيْنِ إِنَّ لَكَ
صَبْرًا مَّتَى تَدْعُهُ الْاَهْوَالُ يَنْهَزِمِ

(۱۵۹)

لطف کن با بندہ خود ہم بہ دنیا ہم بہ دیں
زاں کہ صبرش نزد سختی ہا گریز و از سام

لطف فرما دو جہاں میں اپنے بندہ پر کریم
سختیوں میں ہے بہت بے صبر بارنج و الم

ترجمہ: اے اللہ! اپنے بندے پر دونوں جہانوں میں مہربانی فرما۔ بے شک
اس کے پاس ایسا صبر ہے کہ جب مصیبتیں اس کے صبر کو بچا رہیں تو وہ بھاگ

جاتا ہے۔

لفظی تشریح

اللطف پوشیدہ طور پر احسان کرنا۔ یا وہ احسان جس کا کوئی ظاہری سبب نہ ہو۔

معنوی تشریح

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ یہ بھی مہربانی کی ہے کہ اس کے انجام کو مبہم رکھا، کیونکہ اگر انسان کو اپنی نیک بختی معلوم ہو جاتے تو اس کا عمل کم ہو جاتے اور وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھے جاتے۔ اور اگر اس کو اپنی بد بختی کا علم ہو جاتے تو وہ مایوس ہو جاتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور عجز و انکساری کرنا چھوڑ دے۔

بعض نے کہا کہ بندے پر اللہ تعالیٰ کے لطف میں ایک یہ ہے کہ اس نے بندہ کی اجل (موت) کو چھپا دیا ہے تاکہ وہ گھبرانہ جاتے۔ اگر ہم اس کی اجل کو معلوم کر دیتے تو وہ بندہ، جب کوئی امید لمبی ہو جاتی تو اس کو پورا نہ کر سکتا۔ اور عمل کرنے میں تاخیر کرنا۔

ایک نسخہ میں تدعہ کی جگہ تلقہ ہے مصیبتوں اور گھبرائوں سے انسان بھاگ جاتا ہے اور مردوں میں سے کوئی بھی ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔ پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اتباع اور پابندی کے ساتھ درود پاک پڑھنے سے زیادہ قوی پناہ گاہ اور کوئی نہیں ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرِ پائشرف اور کرم ہیں۔ اور جب ناظمِ قصیدہ نے یوں فرمایا:

۱۶۰ وَأَعِزَّنْ لِسُحْبِ صَلَوَةٍ مِّنْكَ دَائِمَةٍ

عَلَى النَّبِيِّ بِمُنْهَلٍ وَمُنْسَجِمٍ

پس درود بے کراں باراں ابر رحمت
تاشود ریزاں و پاشاں از نعیم و از نعم

ابر رحمت کو ترے دے حکم تا برساتے وہ
تا ابد اپنے نبی پر رحمت و فضل و کرم

ترجمہ: یا رب! تو ان بادلوں کو حکم دے جو تیری طرف سے ہمیشہ نبی پاک
صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتے ہیں تاکہ وہ لگاتار اور کثرت سے صلوٰۃ و
سلام کی بارش برسائیں۔

لفظی تشریح

ایذن: بمعنی امر باب علم لعلم سے ہے۔ سحب: سین اور حار پر پیش کے ساتھ۔
لیکن برائے تخفیف اس کی حار کو ساکن رکھا گیا ہے۔ الصلوٰۃ: (درود پاک پڑھنا) اس سے
مراد مزید شرافت اور کرامت ہے۔ منک: یہ صلوٰۃ کی صفت ہے یعنی جو تیری طرف
سے واقع ہو۔ اور دائمة: صفت کے بعد صفت ہے۔ علی النبی یہ صلوٰۃ کے متعلق
ہے۔ یا دائمة کے متعلق ہے۔ بمنہل یہ ایذن کے متعلق ہے۔ منسجم صحیح یہ ہے کہ
یہ جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اور منہل پر اس کا عطف ہے۔

معنوی تشریح

یا اللہ! تو ان بادلوں کو حکم دے کہ یہ سرداروں میں سب سے زیادہ حسین اور
سرداروں کے سردار پر نہایت بلند انداز میں صلوٰۃ و سلام کی موسلا دھار نہ ختم ہونے
والی بارش برسائیں، کیونکہ ناظم نے اپنے شعر میں مندرجہ ذیل باتیں جمع کی ہیں۔ جو اس

کے کلام سے مستفاد ہیں۔ بعض دلالت کے ساتھ سمجھی گئی ہیں۔ اور بعض اشارہ کے ساتھ۔

۱۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پاک کا پڑھنا۔

۲۔ اس کا دوام

۳۔ اس کا نزول

۴۔ نزول کا مبداء

۵۔ نزول کا منتہی

۶۔ انصباب (پلنا) کے ضمن میں اس کی کثرت

۷۔ روانی کے ضمن میں اس کا عام ہونا

۸۔ اس کا محل و موقع

۹۔ اس کو بارش کے ساتھ تشبیہ وینا

۱۰۔ اور اس کے لیے بادلوں کو ثابت کرنا۔

لفظ اِذْنٌ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام کے بادل حاضر کھڑے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اذن کے منتظر ہیں۔ اور اذن متحقق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ ملاو اعلیٰ سمیت آپ پر درود بھیجتے ہیں۔ اس نے تو اپنے مطیع بندوں کو بھی آپ کی تعظیم و تشریف ادرہمیت و تکریم کے لیے صلوا علیہ وسلم و تسلیما کے ساتھ حکم دیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مطہرہ پر درود و سلام بھیجو۔

مَا رِنَحَتْ عَذَابَاتِ الْبَانِ رِيحٌ صَبَا
وَاطْرَبَ الْعَيْسَ حَادِي الْعَيْسِ بِالنِّعَمِ

تأبہ جنب اند صبا اندر چمن شاخ درخت
اور براندا شتران را بندگانش در نغمہ !

جب تک بادِ صبا چلتی رہے گلزار میں !
اور اونٹوں کو طرب میں سا ربان پر نغمہ !

ترجمہ: وہ اہل بارش برساتے ہیں، جب تک بادِ صبا درخت بان کی ٹہنیوں
کو جھولاتی رہے، اور جب تک حدی خوان نعموں کے ساتھ اونٹوں کو خوش
کرتے رہیں۔

لفظی تشریح

درخت نون مفتوح پر تشدید اور جار پر بھی فتح ہے۔ یعنی جھولانا۔ جھومنا۔ ما مصدریہ
ظرفیہ ائذن کے متعلق ہے۔ بعض نے کہا کہ نحووں کی اصطلاح کے مطابق اس کو دوامیہ
کہتے ہیں، کیونکہ اس سے دوام مراد ہوتا ہے۔ اور ما مدت بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہ لمبی
مدت پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ بادِ صبا کا چلنا اور بان کی ٹہنیوں کو ہلانا اگرچہ علی الدوام نہیں
پایا جاسکتا۔ لیکن یہ امتدادِ زمان اور وقت کی دوری کے ساتھ مطابق دیر پا ہو سکتا ہے۔

معنوی تشریح

حاصل کلام یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے۔ جب تک دنیا باقی ہے۔ جن چیزوں سے
وہ دونوں خالی نہیں ہو سکتے۔ اسی وجہ سے بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ یہ ہمیشہ رہنے سے
کنایہ ہے۔

عَذَبَاتٌ (حرکات کے ساتھ) بان کی ٹہنیاں۔ بان ایک ایسا درخت ہے جس کی

ٹہنیاں نہایت نازک ہوتی ہیں۔ عذبتہ اصل میں کسی نشی کے لطیف حصے کو کہا جاتا ہے۔
 السَّبَا ایسی ہوا ہے جو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ سے اس وقت چلتی ہے۔ جب رات
 اور دن برابر ہو جائیں، (یعنی صبح صادق کے بعد طلوع شمس سے پہلے)، اور باب کعبہ کے مقابل
 ہو کر گزرتی ہے گویا کہ وہ اس پر شیدا ہے۔ اور اس سے میلان رکھتی ہے کبھی اس کو قبول بھی
 کہا جاتا ہے۔ اور وہ ہوا جو کعبہ کے پیچھے سے چلتی ہے اس کو دبور کہتے ہیں۔

حدیث پاک میں آیا ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا: بادِ صبا کے ساتھ میری مدد کی گئی اور
 قوم عاد کو دبور کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔

کہا گیا ہے کہ بادِ صبا گرم مرطوب ہونے کی وجہ سے درختوں اور ٹہنیوں میں اثر کرتی ہے
 اور ان کو نرم کرتی ہے، زمین کے اندر قوائے نامیہ میں ہیجان (جوش) پیدا کرتی ہے اور ٹہنیوں
 کو گوانوں کھیلوں اور زنگارنگ پھولوں سے زینت بخشتی ہے۔

شعرا اپنے اشعار میں اس کا ذکر کر کے برکت حاصل کرتے ہیں۔ (مستبرک بناتے ہیں)
 بیٹھے، نے کہا۔

الایاصبا نجد ستی بخت من نجد

فقد زادنی مراء وجد اعلى وجد

ترجمہ: اے نجد، بادِ صبا! جب تو نجد میں سے گزرتی ہے تو تیرا یہ چلنا میرے غم

میں اضافہ کر دیتا ہے۔

ریح کو اصبا اسمافت کے استعمال کرنا از قبیل اصفاۃ العام الی الخاص ہے۔ عذبات

مفعول ہے۔ اکثر شارحین نے ایسے ہی ذکر کیا ہے۔ اور یہی بات جمہور کا زبان پر مشہور ہے۔

لیکن علامہ مولانا عصام الدین نے ذکر کیا ہے کہ اس میں کئی اشکال ہیں۔

وہ یہ ہے کہ لفظ رُتَّح کُفَّت میں بنی برمجہول ہے جیسا کہ التَّاج اور صحاح اس پر دلالت کرتی ہیں۔ پس مناسب ہے کہ اس کو مجہول ہی پڑھا جائے۔ اور ریح صبا کو فعل محذوف کا فاعل بنایا جائے یعنی امالۃ ریح صبا۔ (باو صبا کا حرکت دینا) تاکہ جملہ یسبح لہ فیہا بالغدوالاصال رجال کی قسم میں سے ہو جائے۔

پھر میں نے قاموس کو دیکھا۔ وہ صحاح کے موافق تھی۔ اس نے لکھا: تریح مدہوشی کے عالم میں جھومنا۔ یَارُتَّحْ عَلَیْہِ نَزِیْنًا (بالضم)

ترنیحا بالغم غشی طاری ہونا یا کسی کی ہڈیوں میں کمزوری پیدا ہونے کی وجہ سے لڑکھڑانا۔

لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنی برمجہول ہونا مخصوص حالت میں ہے جب کہ فعل علی کے ساتھ متعدی ہو۔ اور خصوصی معنی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ نیز اس لیے کہ فعل تریح موافق ہے۔ (مطالع) اس کے لیے فعل متعدی کا ہونا بھی ضروری ہے، تو جس طرح یہ فعل مؤنث ہے۔ وہ بھی معروف ہی ہوگا۔ تو اس طرح جہالت (مجہول ہونا) اٹھ گئی۔

یہ جو حدیث آئی ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی ہے صحیح ہے۔ پھر میں نے دیکھا۔ ابن العازی نے کہا: یقال رنحت الریح الغصون۔ کہا جاتا ہے کہ ہوانے ٹہنیوں کو ہلایا۔ پھر وہی ذکر کیا جو صحاح میں ہے۔

الطوب ہلکاپن جو خوشی کا سبب بنتا ہے۔ اور حرکت سے حاصل ہو۔ یہ طوب یطوب باب حفظ یحفظ سے مشتق ہے۔ اور ہمزہ کے ساتھ (باب افعال) اس کو متعدی بنایا جاتا ہے۔ العیس یہ مفعول ہونے کے باعث منصوب ہے۔ یہ جمع ہے اور اس کا واحد اعیس ہے۔ ایسے اونٹ جو ٹیالے رنگ کے (سرخ یا تل سفید) ہوں۔ یہ

نہایت عمدہ اونٹ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض اداویش میں افضل من حمر النعم
وسوق الابل کے الفاظ ملتے ہیں۔ اور کہا گیا ہے۔

النغم نون اور غین پر زبر کے ساتھ۔ اچھی آواز۔

اور قاموس میں ہے۔ النغم حرکات کے ساتھ اور سکون کے ساتھ النغم بمعنی

آہستہ کلام۔

نغم فی الغنا۔ اچھی آواز سے گانا۔ یہ باب ضرب یضرب، نصر ینصر اور

سمع یسمع سے ہے۔ انتہی۔

ابن تازی نے ابن المرزوق سے جو کچھ نقل کیا

قصیدہ کے شعر میں کسہ نون کے ساتھ، نغم، وہ نقل صریح اور دلیل صحیح کا محتاج ہے،

ٹہنیوں کا جھومنا اور جوش پیدا ہونے کو اکٹھا کرنا اور انگلیوں کے پوروں اور حیوانات

کی جماعت کو جوڑنا، ان کے جمال کے ظہور اور کمال کے حصول کی طرف اشارہ ہے۔

اس شعر میں اس بات کا بھی اشعار ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پرورد پاک

پڑھنا، پڑھنے والے کے کمال کا سبب ہے۔ اور اس کا کمال۔ اس کے حال کی خوبی اور انجام

کی بہتری کا مقتضی ہے۔

اللہ تعالیٰ صلوة و سلام نازل کرے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی آل

پر اور آپ کے تمام انبیاء و مرسلین بھائیوں پر۔ والحمد للہ رب العالمین۔

شارح مرحوم و مغفور جب اس مقام پر پہنچا، تو فرمایا: وہ (شارح) ماہ صفر میں فارغ ہوا۔

اور سید البشر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے ہجرت کے ۱۰۶ سال

میں کامیابی اور خیریت کے ساتھ ختم کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْقَصِيْدَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ لِلْاِمَامِ الْبُوصَيْرِيِّ رحمۃ اللہ علیہ

مُحَمَّدٌ اشْرَفُ الْأَعْرَابِ وَالْعَجَمِ

مُحَمَّدٌ خَيْرُ مَنْ يَمْشِي عَلَى قَدَمَيْهِ

محمد عرب اور عجم سب میں بزرگ تر ہیں محمد تمام انسانوں میں افضل ہیں

مُحَمَّدٌ بَاسِطُ الْمَعْرُوفِ جَامِعُهُ

مُحَمَّدٌ صَاحِبُ الْإِحْسَانِ وَالْكَرَمِ

محمد نیکیوں کو پھیلانے والے اور اسکے جامع ہیں محمد احسان اور بخشش کرنے والے ہیں

مُحَمَّدٌ تَاجُ رُسُلِ اللّٰهِ قَاطِبَةٌ

مُحَمَّدٌ صَادِقُ الْأَقْوَالِ وَالْكَلِمِ

محمد کُل انبیاء کے سراج ہیں محمد قول اور کلام کے سچے ہیں

مُحَمَّدٌ ثَابِتُ الْمِيثَاقِ حَافِظُهُ

مُحَمَّدٌ طَيِّبُ الْأَخْلَاقِ وَالشِّيمِ

محمد وعدے کے پکے اور اس کے محافظ ہیں محمد خوش خلق اور نیک سیرت ہیں

مُحَمَّدٌ حُبَيْتٌ بِالنُّورِ طَيِّبَتُهُ

مُحَمَّدٌ لَمْ يَزَلْ نُورًا مِّنَ الْقَدَمِ

محمد نور مجسم ہیں محمد کا نور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے

مُحَمَّدٌ حَاكِمٌ بِالْعَدْلِ ذُو شَرَفٍ
مُحَمَّدٌ مَعِينُ الْإِنْفَامِ وَالْحِكْمِ

محمد انصاف والے حاکم محترم ہیں محمد نعمتوں اور حکمتوں کے مخزن ہیں

مُحَمَّدٌ خَيْرُ خَلْقِ اللَّهِ مِنْ مُضَرٍ
مُحَمَّدٌ خَيْرُ رُسُلِ اللَّهِ كُلِّهِمْ

محمد اللہ کے بہترین مخلوق قبیلہ مضر سے ہیں محمد اللہ کے تمام انبیاء میں افضل و اعلیٰ ہیں

مُحَمَّدٌ دِينُهُ حَقُّ التَّزْيِيرِ بِهِ
مُحَمَّدٌ مُجْمَلٌ حَقًّا عَلَى عَالَمِ

محمد کا دین سچا اور خوب خدا دلانے والا ہے محمد مجسم سچائی ہیں اور اس کے علمبردار ہیں

مُحَمَّدٌ ذِكْرُهُ رُوحٌ لَا نَفْسِنَا
مُحَمَّدٌ شُكْرُهُ فَرَضٌ عَلَى الْأُمَمِ

محمد کا ذکر مبارک ہماری جانوں کی روح ہے محمد کا شکر ادا کرنا تمام قوموں پر فرض ہے

مُحَمَّدٌ زِينَةُ الدُّنْيَا وَبَهْجَتِهَا
مُحَمَّدٌ كَاثِفُ الْغُمَّاتِ وَالظُّلَمِ

محمد دنیا کا حسن اور رونق ہیں محمد اندھیروں اور مشکلات کو رفع کرنے والے ہیں

مُحَمَّدٌ سَيِّدٌ طَابَتْ مَنَاقِبُهُ
مُحَمَّدٌ صَاغَهُ الرَّحْمَنُ بِالتَّعْمِ

محمد کے پسند اور نصیاح ہمیشہ قائم رہنے والے ہیں محمد کو اللہ پاک نے ایک بہترین نعمت بنایا ہے

مُحَمَّدٌ صَفْوَةٌ الْبَارِي وَخَيْرَتُهُ
مُحَمَّدٌ طَاهِرٌ وَسَائِرُ الثُّهَمِ

محمدؐ اللہ کے چنے ہوئے اور برگزیدہ ہیں محمدؐ پردہ ڈالنے والے ہیں خطاؤں پر

مُحَمَّدٌ ضَاحِكٌ لِلضَّيْفِ مَكْرَمَةٌ
مُحَمَّدٌ جَارٌ لِوَالِدِهِ لَمْ يُضْمِ

محمدؐ مہمانوں کو خوش آمدید کہتے والے ہیں محمدؐ کی قربت والا بجز۔ ستایا نہیں جاتے گا

مُحَمَّدٌ طَابَتْ الدُّنْيَا بِبِعْثَتِهِ
مُحَمَّدٌ جَاءَ بِالْآيَاتِ وَالْحِكْمِ

محمدؐ دنیا کے لئے رحمت بن کر بھیجے گئے ہیں محمدؐ معجزوں اور حکمتوں کے لائے ہوئے ہیں

مُحَمَّدٌ يَوْمَ بَعَثَ النَّاسِ شَافِعَنَا
مُحَمَّدٌ نُورٌ هَادِيٌ مِنَ الظُّلَمِ

محمدؐ روزِ قیامت انسانوں کی شفاعت کریں گے ہیں محمدؐ اپنے نور سے اندھیروں میں رہبری کریں گے ہیں

مُحَمَّدٌ قَائِمٌ لِلَّهِ ذُوهِمِ
مُحَمَّدٌ خَاتِمٌ لِلرُّسُلِ كُلِّهِمِ

محمدؐ اللہ کی طرف سے باہمت اور مستعد ہیں محمدؐ خاتم النبیین ہیں

مفتوح ضیاء الامت پر محمد کرم شاہ لاہوری کی

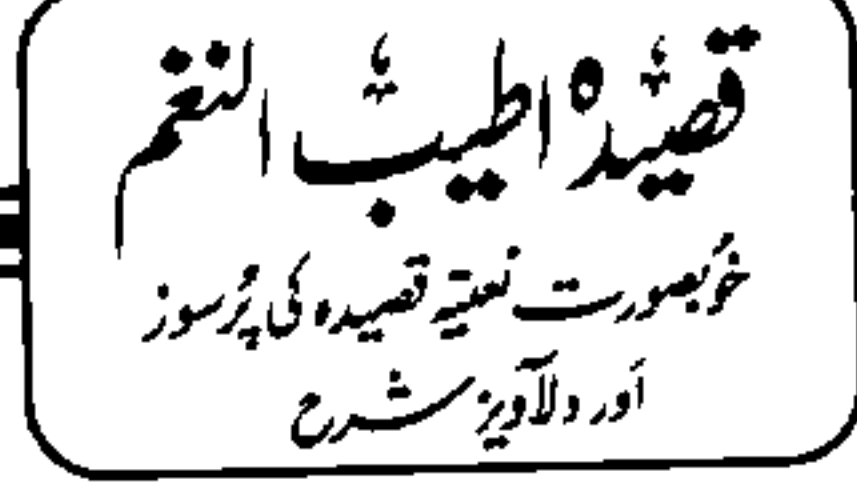
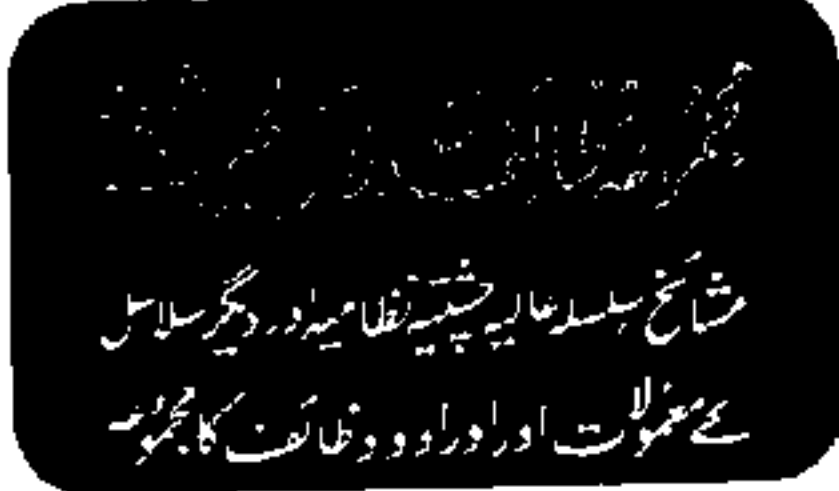
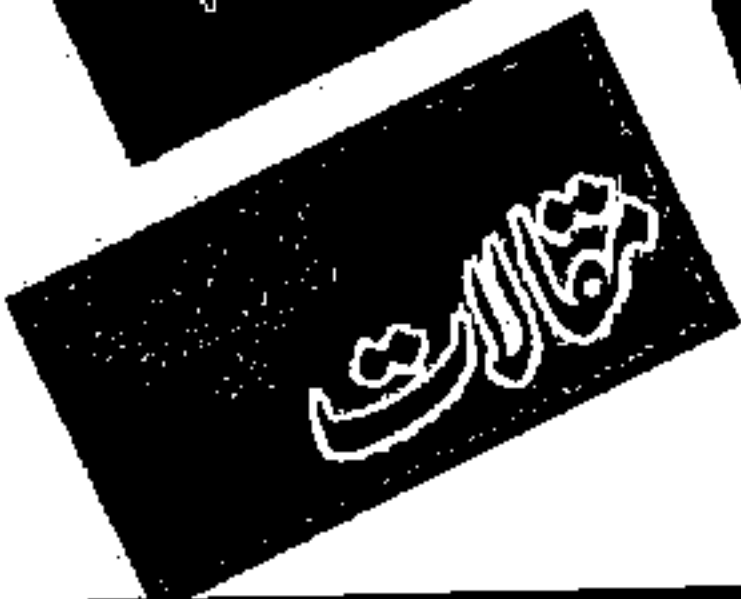
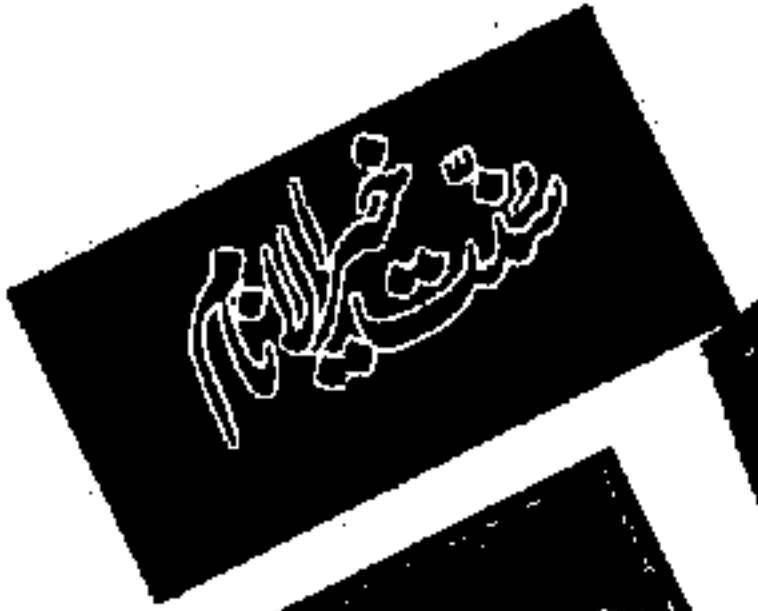
یادگار تصانیف

تفسیر ضیاء القرآن

قیمت شراں کا بہترین ذریعہ
اہل دل کے لیے ایک نایاب تحفہ

ترجمہ جمال القرآن

قرآن پاک کا انتہائی خوبصورت ترجمہ جس کے ہر
لفظ سے اعجاز و شراں کا سخن نظر آتا ہے



فون:

- 7221953-7220479 محلہ بخش روٹوں لاہور
- 7238010 پتہ
- 7225085-7247350 ۱۹، المکرم مارکیٹ، سائبر سٹی، لاہور
- 2630411-2212011 ۱۴، انفال سنٹر، سائبر سٹی، لاہور
- 2210212 پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز